

خواتین اور پیشہ ورانہ کیریئر کے لیے ایکسپریس سب سے زیادہ کامیاب نام

رخا دیکھو

JUNE
2014

غیر ملکی لائبریری کی ایجنٹ اولڈ بکس شاپ
جلد ساز
صدر بازار برز
پتو پکڑا پتو پکڑا پتو پکڑا

ماڈل: مریم
میک اپ: روزہ بی بی
فوتو گرافی: مسعودی ارمضا

مکمل ناول

زندگی پیار کا گیت ہے امیر آگن ۳۴
اعتبار بھی آہی جائے گا سباس گل ۱۷۸

ملاقات

نینا عادل روحان دانش ۹

ناولٹ

گر ملنا نصیب ہے ام کلثوم ۶۶

سلسلے وار ناول

تیرے پیار کی خوشبو قمر و شہک ۱۲
تجھ سے مانگوں میں تجھ کو شازیہ مصطفیٰ عمران ۸۲
جو عشق میں بتی وہ عشق ہی جانے نائلہ طارق ۱۱۸
بند قباہ کھلنے لگی سعدیہ عابد ۱۴۸ اس دلیں

افسانے

مہرین کنول ۱۰۰ غلطی یا مقدر
نوشین طاہر ۱۱۰
میں ہوں اک سفر ثناء کنول اللہ دتہ ۱۳۶
مائی اللہ والی گیتی آراء ۱۴۲
زندگی اک حقیقت کائنات غزل ۱۶۶

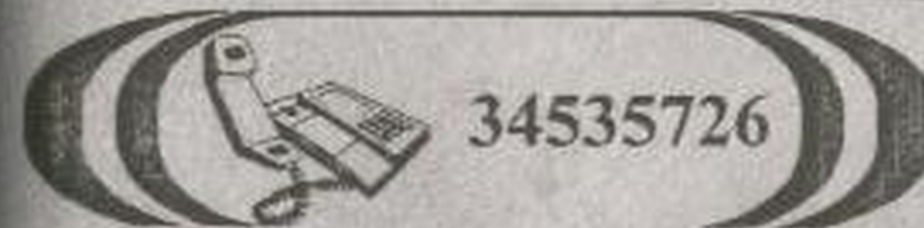
جون 2014ء

جلد نمبر 19 شمارہ نمبر 6

قیمت 60 روپے

زرد گالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے



34535726

پبلشر وائیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۱۴۹ ڈی بلاک-2-پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-

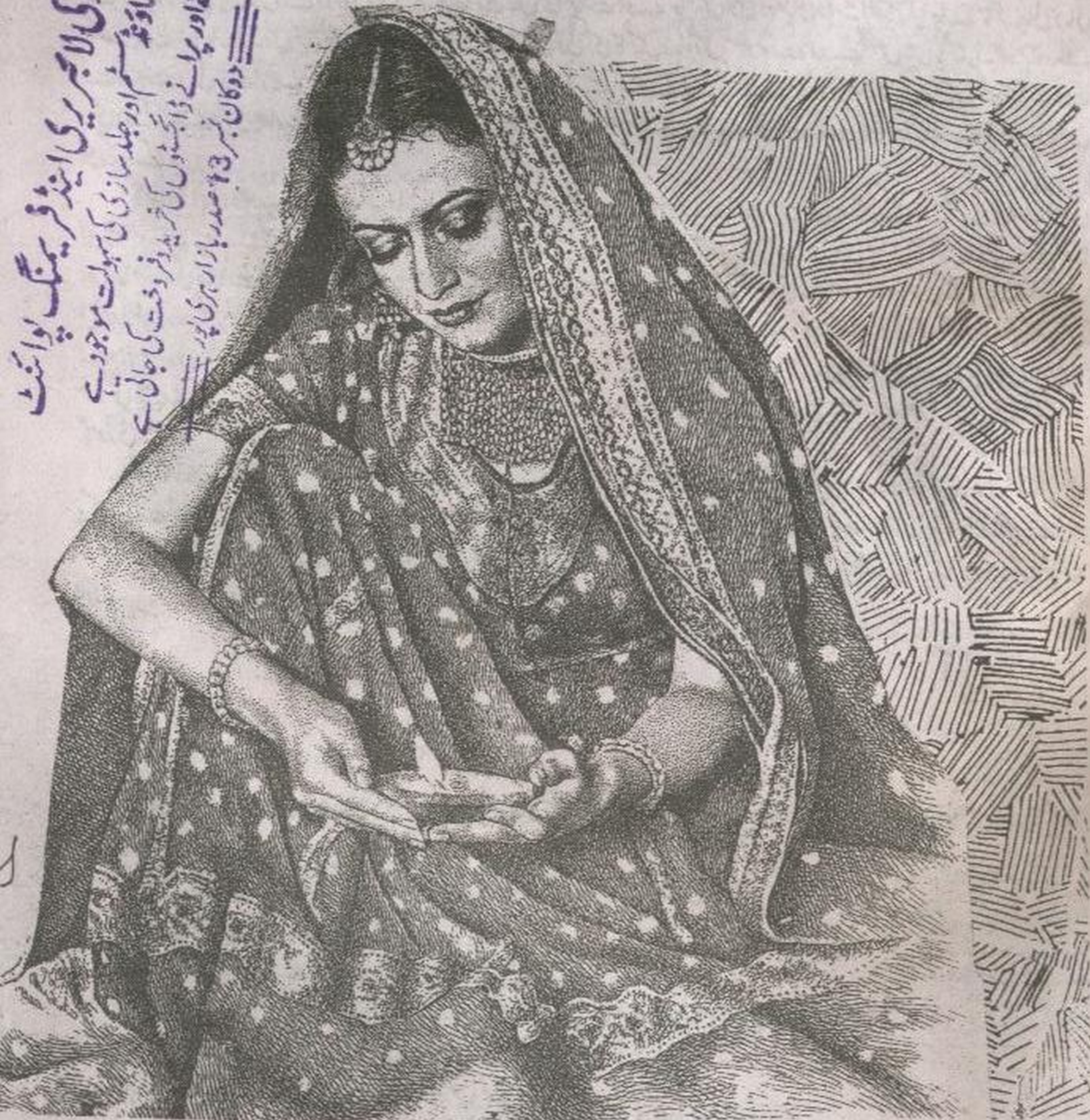
ماہ نامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا" پبلیکیشن۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت صالحہ محمود ۷ سندھیے
ردا کی ڈائری صدف سعد ۱۹۶ کچن
ذرا پھر سے کہنا شہلا مشائق ۲۰۶ سنگھار
خوشبو نورین ملک ۲۰۳ اشعار
اس ماہ میں نورین ملک ۲۰۰ ردائی شہزادیاں
دوستوں کے نام

صالحہ محمود ۲۱۱
ثریا اقبال ۲۲۱
شہلا مشائق ۲۲۵
نورین ملک ۱۹۸
حورینہ سعد ۲۱۶
عائشہ حمد ۲۱۸

نیو کی لاجیری اینڈ فرینڈس پبلیک پوائنٹ
ساؤتھ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے
نئے اور پرانے ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے
دکان نمبر ۱۶ صدر بازار ہری پور





زندگی موسم کی طرح رنگ بدلتی ہے، وقت کی رفتار کبھی نہیں رکتی، کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا۔ یہ ایک اہل حقیقت ہے۔ سہ پہر سے شام ہوتی ہے، پھر شام کے بعد اندھیرا، زندگی کی یہی کہانی ہے۔ موسموں کے چہروں میں ہر دکھ اور خوشی کی کہانی نظر آتی ہے، انسان کی شدت پسندی جب ابھر کر سامنے آتی ہے تو کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے، خوشی اور غم دونوں کا امکان ہوتا ہے اس بھری ہوئی دھوپ، جلتے ہوئے صحرا کی آگ میں بھی پھول کھل اٹھتے ہیں، اور کہیں تپش دھوپ سے پھول کھلا بھی جاتے ہیں، یہ ہمارے رب باری کی ایک شان ہے جس نے ہر انسان کی کہانی لکھی۔

ملک میں ہولناک تباہیوں کا ایک تصور پھیلتا جا رہا ہے مذہب کے نام پر پھر ہلاکتوں کا ذکر عام ہے وہیں میڈیا کی سنسنی خیز اطلاعات نے عوام کو ذہنی پریشانیوں سے دوچار کر دیا ہے ہر حالت میں مذاکرات ہونے چاہئیں کوئی درمیانی راستہ اختیار کیا جائے تاکہ جانی و مالی نقصان سے بچا جاسکے۔ بس کیا کیجیے کہ اس آفتخانی کے دور میں کوئی کسی کا نہیں رہا، نہیں معلوم کہ وہ خود سے قتل نہیں یا نہیں۔ عوام اور ملک سے تو بہت دور کی بات قریب تر جو لوگ ہیں وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر ہوتے جا رہے ہیں۔ اندرونی خلفشار نے ہمیں اپنے آپ سے بھی دور کر دیا ہے وہیں بھارت کی ججنتی نے اسے خوب سے خوب مضبوط کر دیا ہے یہاں مارشل لاء کے دور کو ہی گنتے ہوئے 63 سال یوں ہی گزر گئے۔

چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ سایہ شجر بھی مرجھائے مرجھائے دکھائی دے رہے ہیں، ایسے میں کسی کے قلم کی حوصلہ افزائی یقیناً اہم بات ہے۔ لکھتے وقت ہمیشہ اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ جو کچھ آپ لکھ رہے ہیں دوسروں پر اس کا اثر کیسا پڑے گا، لکھنا ہو یا عام زندگی حالات اور وقت کا تعین کرنا پڑتا ہے، لکھتے وقت مثبت سوچ کا ہونا بہت ضروری ہے اور دکھ اور خوشی میں ایک اہم بات اپنی رائے سے شیر کرنے کی ہے، محبت یا خوشی کی بات لکھتے ہوئے اندر سے انسان خوش رہتا ہے، دکھ کے بعد خوشی کا اظہار لازمی احساس ہے، جو ہر کہانی کا جز ہوتا ہے۔ تحریر وہی اچھی ہوتی ہے جس کو پڑھ کر آپ بہتر محسوس کریں، اسی لیے میں کہتی ہوں کہ حادثاتی موت، خودکشی جیسے ٹاپک سے خود کو الگ رکھیں، روٹنی کا سفر بہت طویل ہے، آپ کی لکھی ہوئی تحریر پڑھنے کے بعد ذہن پر اپنا ایک اثر چھوڑتی ہے۔

اگلا شمارہ جولائی کا عید نمبر ہوگا جو کہ ابتدائی رمضان میں مل جائے گا تاکہ آپ بہتر طور پر اپنی عبادت کر سکیں۔ ماہ رمضان کی برکتوں سے لطف اندوز ہوں، لیکن دوسروں کے لیے بھی اس کا اہتمام کریں یعنی ردائیں آپ کی شمولیت ردائیں چار چاند لگا دے گی، تمام رائٹرز اس میں بھرپور طریقے سے حصہ لیں نہ صرف بلکہ ردائے تمام پڑھنے والوں سے میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی عید نمبر میں شامل ہوں۔

آپی

عید سروے

عید خوشیوں اور محبتوں کا تہوار ہوتا ہے ہر طرف خوشیاں، مسکرائیں خوبصورت ملبوسات اور قہقہوں کی برسات، سو اس بار ردائے ایک دلچسپ سوال نامہ لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

- 1- آپ چاند رات کیسے مناتی ہیں؟ عید کا پہلا، دوسرا اور تیسرا دن کیسے گزارتی ہیں؟
- 2- آپ کی اب تک کوئی یادگار عید؟
- 3- عید پر آپ سب سے پہلے کسے دیکھنا پسند کرتی ہیں؟
- 4- آپ کے گھر کی کوئی ایسی ڈش جو عید پر لازمی بنتی ہو اور وہ آپ سب سے شیر کرنا چاہیں۔
- 5- اس منگانی کے پُر آشوب دور میں کیا عید کی سچی خوشیاں ہم حاصل کر پاتے ہیں۔
- 6- کیا عید کی خوشیوں میں آپ مساکین اور غربا کو یاد رکھتی ہیں۔



گا۔ (ترمذی۔ عن براء)

میں مدینہ منورہ گیا (وہاں) میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ لوگ اس کی رائے کے مطابق عمل پیرا ہیں وہ جو کچھ کہتا ہے لوگ اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ میں نے پوچھا: ”یہ آدمی کون ہے؟“ لوگوں نے بتایا ”یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔“ میں نے 2 بار کہا ”علیک السلام اے اللہ کے رسول، آپ پر سلام ہو۔“ آپ نے فرمایا: ”علیک السلام کے کلمات تمہیں نہیں کہنے چاہئیں (اس لیے) کہ علیک السلام دور جاہلیت میں مردہ کو سلام کہنے کا طریقہ تھا۔ تمہیں کہنا چاہیے السلام علیک (یعنی السلام کا لفظ پہلے کہا جائے)“ میں نے پوچھا کہ ”آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”جی ہاں میں اس اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، اگر تمہیں کوئی پریشانی لاحق ہو تو تم اس کی بارگاہ میں دعا کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہاری پریشانی کو دور فرما دیں گے اور اگر تمہیں قحط سالی کا سامنا ہو اور تم اس سے دعا کرو تو وہ زمین پر تمہارے لیے سبزہ آگائے گا اور اگر تم کسی جنگل میں ہو اور تمہاری اونٹنی گم ہو جائے اور تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری اونٹنی واپس کر دے گا۔“ میں نے عرض کیا ”مجھے وصیت فرمائیے؟“ آپ نے فرمایا: ”کسی آدمی بلکہ کسی اونٹ یا بکری کو بھی گالی نہ دینا“ اس کے بعد میں نے کسی آدمی کو خواہ وہ آزاد تھا یا غلام تھا گالی نہیں دی۔ آپ نے فرمایا: ”کسی نیکی کو معمولی نہ سمجھنا اور خوش مزاجی کے ساتھ اپنے بھائی سے گفتگو کرنا، یہ بھی نیکی کا کام ہے اور اپنے تہہ بند کو نصف پنڈلی تک رکھنا۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو ٹخنوں سے اونچا رکھنا اور چادر ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے پرہیز کرنا اس لیے کہ اس طرح چادر لٹکانا فخر میں شامل ہے اور اللہ فخر اور تکبر کو اچھا نہیں جانتا اور اگر کوئی آدمی

صدقہ کرنے کی فضیلت

جب رسول کریم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں نے آپ کے چہرہ (مبارک) کو غور سے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا (مبارک) چہرہ ان لوگوں کے چہرہ جیسا نہیں ہے جو جھوٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے سب سے پہلے جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ یہ تھیں ”اے لوگو! السلام علیکم کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات (کے اوقات) میں جب لوگ سو رہے ہوں نوافل پڑھو۔ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

(ابن ماجہ، ترمذی۔ عن عبد اللہ بن سلام)

رسول کریم نے فرمایا: ”(اللہ تعالیٰ) رحمن کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ، السلام علیکم کو عام کرو تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔“

(ترمذی، ابن ماجہ۔ عن عبد اللہ بن عمرو)

رسول کریم نے فرمایا: ”ہر نیک کام کا صدقہ ہے اور نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ آپ اپنے (مسلمان) بھائی سے خوشی کے ساتھ ملاقات کریں اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈالیں۔“

(ترمذی۔ عن جابر)

رسول کریم نے فرمایا: ”جس آدمی نے آباد زمین کو آباد کیا اس کے آباد کرنے کی وجہ سے اسے ثواب ملے گا اور جس قدر اس میں سے جانور اور پرندے کھا جائیں وہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔“ (نسائی۔ عن جابر)

رسول کریم نے فرمایا: ”جس آدمی نے دودھ دینے والے جانور یا چند درہم کا عطیہ دیا یا کسی راہ بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھایا تو اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔“



انٹرویو: روحان دانش

شاعرہ، نینا عادل سے کیا گیا مکالمہ

علاقہ

نینا سے مختلف موضوعات پر کی گئی گفتگو قارئین کی نذر ہے۔

کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟

میرے دادا جان حیدر آباد کن سے اور نانا آگرہ سے ہجرت کر کے کراچی میں آئے ہمارے والدین نے اسی خوبصورت شہر میں آنکھ کھولی، میں بھی اسی شہر کی مضطرب گلیوں میں کھیلتے کودتے پروان چڑھی، ایم اے اردو کیا ادب کی طالب علم ہوں شعر کہتی ہوں اور ادبی حلقوں میں نینا عادل کے نام سے جانی جاتی ہوں۔

اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا ادراک کب ہوا؟

میں نے اسکول کے زمانے سے ہی بچوں کے رسائل میں لکھنا شروع کر دیا تھا، تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ چھٹی،

لکھنا لکھنا ایک خداداد صلاحیت ہے، کچھ لوگ پیدا ئیشی لکھاری ہوتے ہیں، کچھ وقت کے ساتھ ساتھ لکھاری بن جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں لکھنے کے جراثیم موروثی طور پہ موجود ہوتے ہیں، مگر ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ خوب صورت لوگ با صلاحیت بھی ہوں، لیکن اگر خوب صورت لوگ خوب صورت خیالات کے مالک بھی ہوں اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تو یقیناً وہ قابل رشک ہوتے ہیں۔

نینا عادل بھی ایک ایسی ہی لکھاری ہیں جن کا بنیادی حوالہ تو شاعری ہے مگر وہ نثر بھی لکھتی ہیں گھریلو مصروفیات کے باوجود ادبی منظر نامے پر موجود ہیں، اور دل موہ لینے والی تحریروں سے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی ہیں

پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔“ اس نے کہا ”میرے پاس ایک اور دینار ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اپنی بیوی پر خرچ کرو۔“ اس نے کہا ”میرے پاس ایک اور دینار ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اپنے خادم پر خرچ کرو۔“ اس نے کہا ”میرے پاس ایک اور دینار ہے۔“ آپ نے فرمایا ”اب تم جیسا چاہو خرچ کرو۔“ (ابوداؤد، نسائی، عن ابی ہریرہ) رسول کریم نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین آدمی کون ہے؟ یہ وہ آدمی ہے جس نے اپنے گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں تھامے رکھا ہے۔ کیا میں تمہیں اس آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں جو درجے میں اس کے بعد ہے؟ یہ وہ آدمی ہے جو چند بکریاں لے کر لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور ان بکریوں میں اللہ کا حق ادا کرتا ہے۔ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بدترین آدمی کون ہے؟ سب سے بدترین وہ آدمی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کیا جاتا ہے لیکن وہ نہیں دیتا۔“ (ترمذی، نسائی، عن عبد اللہ بن عباس)

رسول کریم نے فرمایا: ”جو آدمی تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے تم اسے پناہ دے دو اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرے اس کا سوال پورا کرو اور جو آدمی تمہیں دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کرو اور جو آدمی تمہارے ساتھ احسان کرے تم اس کے احسان کا بدلہ دو۔ اگر تم بدلہ نہ دے سکو تو اس کے حق میں دعائے خیر کرو یہاں تک کہ تم محسوس کرو کہ تم نے اس کو بدلہ دے دیا ہے۔“ (ابوداؤد، نسائی، عن عبد اللہ بن عمر)

رسول کریم نے جب عورتوں سے بیعت کی تو ایک جلیل القدر عورت کھڑی ہوئی۔ اس نے عرض کیا ”اے اللہ کے پیغمبر! ہم تو اپنے والدین، اپنے بیٹوں اور اپنے خاوند پر بوجھ ہیں، ہمارے لیے ان کے مال میں کس قدر حلال ہے؟“ آپ نے فرمایا ”وہ چیز جس کو تم خود بھی کھا سکتی ہو اور ہدیہ بھی دے سکتی ہو۔“ (ابوداؤد، عن سعد) ☆☆☆

تمہیں گالیاں دے اور تمہیں تمہارے ان عیوب کی وجہ سے غیرت دلائے جن کے بارے میں اس کو علم ہے کہ وہ عیوب تم میں ہیں تو جواباً تم اس کے ان عیوب کا ذکر کر کے غیرت نہ دلا نا جن کے بارے میں تمہیں علم ہے کہ اس میں وہ عیوب ہیں اس لیے کہ اس کے گناہ کا وبال اسی پر ہوگا۔“ (ابوداؤد، عن جابر بن سلیم)

میں نے ایک بکری ذبح کر کے تقسیم کر دی پھر رسول کریم نے پوچھا کہ ”اس میں سے کچھ باقی ہے؟“ میں نے جواب دیا کہ ”اس سے صرف کندھے کا گوشت باقی بچا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”کندھے کے گوشت کے علاوہ سب باقی ہے۔“ (ترمذی، عن عائشہ)

وضاحت: جو مال صدقہ کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کے پاس باقی ہے اور جو موجود رہا وہ فانی ہے۔ رسول کریم نے فرمایا، جو مسلمان (ہر قسم کے) مال میں سے اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کرتا ہے تو جنت کے دربان (فرشتے) اس کا استقبال کریں گے۔ ہر فرشتہ اس کو ان انعامات کی جانب دعوت دے گا جو اس کے پاس ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ ”جوڑا خرچ کرنے سے کیا مطلب ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”اگر اونٹ ہیں تو 2 اونٹ اور اگر گائے ہیں تو 2 گائیں۔“ (نسائی، عن ابی ذر) میں نے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول! کون سا صدقہ افضل ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”تھوڑے مال والے کا، جس کا خرچ مشکل سے چلتا ہو اور خرچ کرنے کا آغاز اپنے اہل و عیال سے کرے۔“

(ابوداؤد، عن ابی ہریرہ) رسول کریم نے فرمایا: ”مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے کا دوا ہر ثواب ہے، ایک (ثواب) صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔“

(ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، عن سلیمان بن عامر) ایک صحابی نے رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ”میرے پاس ایک دینار ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”اے اپنے آپ پر خرچ کرو۔“ اس نے کہا ”میرے

ساتویں جماعت میں ہی ہو گیا تھا۔

ادبی ذوق اور مطالعہ کی وجہ کیا تھی؟

ہمارا خاندان ایک ادبی خاندان ہے میری والدہ بھی شاعری کا شوق رکھتی ہیں اور ان کے بزرگ بھی ادبی ورثہ کے حامل تھے یہی چیز ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کا باعث بنی۔

وہ کون سی تحریر ہے جو ادب میں آپ کی شناخت کا باعث بنی؟

نظم کھیل جاری رہے اور افسانہ قاسم کا خدا ایسی تحریریں ہیں جنہیں بے حد پذیرائی ملی۔

کن اصناف میں زیادہ لکھا؟

میں نے کہانیاں، افسانے آزاد نظم اور غزلیں لکھی ہیں، اور ہفتی رہتی ہوں مگر میری پہچان ایک شاعر کے طور پر زیادہ ہے۔

رنگ کونسا پسند ہے اور موسم کیا اچھا لگتا ہے؟

ہر رنگ اور موسم اپنی جگہ خوبصورت ہے۔

موسیقی سے کس حد تک لگاؤ ہے اور کون سے گلوکار پسند ہیں؟

موسیقی سے لگاؤ کے بغیر شاعری کرنا ناممکن ہے، میں جس گلوکار کو سن رہی ہوں اس لمحے وہی اچھا لگتا ہے، لیکن مناؤے کی محرف ہوں۔

پسندیدہ ادیب اور شعراء کون سے ہیں؟

پہلا نام غالب کا لوں گی اس کے بعد تو شاعروں کی ایک طویل فہرست ہے سب ہی کو پڑھا ہے سب ہی اچھے لگتے ہیں دور جدید میں فیض احمد فیض اور مجید امجد نے مجھے بہت متاثر کیا ہے نثر لکھنے والوں میں منو، عصمت چغتائی، اور کرشن چندر اچھے لگتے ہیں۔

موجودہ کن ادیبوں، شاعروں سے متاثر ہیں یا کن کا کام اچھا لگتا ہے؟

اپنے ہم عصروں میں بہت سارے لوگ اچھے لگتے ہیں مگر بظاہر کسی کا بھی ادبی قدامت یا بڑائی نہیں ہے کہ ان کا شمار مشاہیر میں کیا جائے، بہر حال آخری فیصلہ مستقبل کا نفاذ

کرے گا۔

ایسی کوئی کتاب جو بار بار پڑھی ہو؟

ایسی ہی کتابیں ہیں۔

ایسی کوئی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو جس کے پورا کرنے کا بے حد ارمان ہو؟

ابھی تو خواب دیکھے ہیں، دیکھئے کیا گزرے ہے قطرے یہ گہر ہونے تک۔

کوئی یادگار لمحہ زندگی کا؟

جب شادی کے بعد پہلی بار میرے شوہر مجھے اپنے ساتھ ایک ادبی تقریب میں لے کر گئے، وہ لمحہ میرے لئے حیات نو کا لمحہ تھا، ہمارے معاشرے کی نوے فیصد لڑکیاں اول تو گھریلو پابندیوں کی وجہ سے اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کر پاتی ہیں جو ہمت کر سکتی ہیں ان پر شادی کے بعد پابندی لگ جاتی ہے میرے شوہر نے شادی کے بعد میرا بھرپور ساتھ دیا اور آج میں جو کچھ بھی ہوں ان کے بھرپور تعاون کی وجہ سے ہوں۔

موجودہ صورت حال میں کتاب کچھ کی کتنی ضرورت ہے؟

میں کتاب کچھ اور خواندگی کچھ میں فرق سمجھتی ہوں، علم و ادب کا کتاب کے ذریعے پہنچنا ضروری نہیں، اگر علم و ادب انٹرنیٹ، ٹی وی، سی ڈی یا مشاعروں اور محفلوں کے ذریعے بھی پہنچے تو کافی ہے اس وقت کے ایک عام آدمی کو سو سال پہلے کے مقابلے میں علم و ادب سے زیادہ شناسائی ہے، کتاب تو صرف ایک میڈیا ہے اور میڈیا کی اہمیت اور مناسبت کا تعین وقت کرتا ہے آج کے عام آدمی کے پاس کتاب پڑھنے کا وقت کم ہے مگر وہ دیگر ذرائع سے اپنی ادبی و علمی ضروریات پوری کر رہا ہے۔

کیا واقعی ایسا ہے کہ اب کتاب کوئی نہیں خریدتا؟

کتابیں چھپ تو رہی ہیں کم مشہور یا غیر مشہور لوگوں کی کتابیں واقعی کوئی نہیں خریدتا اور جن کو تحفے میں دی جاتی ہیں وہ بھی کم پڑھتے ہیں مگر لوگ اپنی دلچسپی کی کتابیں خریدتے ہیں۔

کیا آج کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا ادب تخلیق ہو رہا ہے؟

ادب جس دور میں بھی تخلیق ہو وہ اپنے دور کے تقاضوں کو ہی پورا کرتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کسی دور میں ادیب ماضی کے تقاضوں کی مطابق لکھتے ہوں، ہاں، ادیب ماضی سے متاثر ضرور ہوتا ہے اور ماضی سے رابطہ ضرور رکھتا ہے جبکہ اچھا ادب کسی حد تک مستقبل کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہے، جیسے ڈیڑھ سو سال پہلے کی کئی غالب کی شاعری آج کے تقاضوں کو بھی پورا کر رہی ہے۔

کیا ادیب یا شاعر معاشرے میں تبدیلی کا سبب بن سکتے ہیں؟

ادیب یا شاعر معاشرے میں تبدیلی نہیں لاسکتے، ادیب معاشرے کا عکاس ہوتا ہے معیار نہیں، یہ الگ بات ہے کہ کوئی ادیب یا شاعر ساتھ ہی قوم کا رہنما یا اصلاح بھی ہو۔ جیسے سر سید احمد خاں، مولانا جالی، اور علامہ اقبال وغیرہ تھے۔

خواتین کے ادب میں کردار کے حوالے سے کیا کہیں گی؟

خواتین معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے ادب میں اپنا کردار ادا نہیں کر رہی ہیں، جو انہیں ادا کرنا چاہیے، ہم اپنے مشہور ادیبوں کی فہرست بنائیں تو خواتین کو ان میں کم ہی جگہ ملتی ہے۔

کیا ادب میں عورت کا حق مارا جا رہا ہے؟

جی نہیں، ایسا نہیں ہے، عورتیں جہاں کہیں بھی اچھا لکھ رہی ہیں ان کو ان کا مقام دیا جا رہا ہے۔

آپ کا کوئی ایسا شعر جو آپ کا بنیادی حوالہ ہو؟

میرا یہ شعر زیادہ پسند کیا گیا:

میں تیرا گھر بنانے میں مصروف تھی مجھ پہ ہستی رہی بے مکانی میری

خواتین کے رسائل کا ادب کے فروغ میں جو کردار ہے اسے کیسے دیکھتی ہیں؟

خواتین کے رسائل ایک مدت سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور ان کو پڑھنے والوں کا ایک بڑا حلقہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ رسائل خواتین کو خود پر مظلومیت طاری کرنے پر مائل کرنے والا ادب چھاپنا کم کریں ان کو خوابوں اور خیالوں کی دنیا سے باہر لائیں اور ان کو معاشرے میں ایک موثر کردار ادا کرنے کے لئے تیار کریں۔

لکھنے لکھانے کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہتا ہے یا کسی خاص موڈ پر منحصر ہوتا ہے؟

باقاعدگی تو نہیں ہے، مگر کوشش ہوتی ہے کہ بیچ میں طویل وقفہ نہ آئے، مصروفیات اور ذمہ داریوں کے درمیان جب بھی فرصت مل جائے، اس میں لکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔

مشاعروں اور ادبی محفلوں میں کس حد تک شریک ہوتی ہیں؟

گذشتہ دنوں آپ انڈیا بھی گئیں، کیا فرق پایا یہاں کی اور وہاں کی ادبی فضا میں؟

ہمارے اور ان کے ادبی ماحول میں زیادہ فرق نہیں ہے، بس یہ ہے کہ ان کے یہاں شاعرات اور ترنم کولازم و طرزم سمجھا جاتا ہے مگر میں نے اپنی تحت اللفظی روایت کو برقرار رکھا۔

آپ کے شوہر کو آپ کی کون سی بات پسند ہے؟

میں گھر کے کاموں کو ادبی مصروفیات پر ترجیح دیتی ہوں اور ادبی حلقے کے لوگوں سے ذاتی حیثیت میں ملنا جلنا کم رکھتی ہوں یہی بات عادل کو پسند ہے۔

محبت زندگی کے لئے کتنی ضروری ہے؟

محبت کے بغیر زندہ ہی کون رہ سکتا ہے۔

کوئی ایسا شعر جو بے حد پسند ہو اور گنگنائی رہتی رہتی ہوں؟

آئینہ تھی میں اس کے ہاتھوں میں اور تھا مجھ میں ٹوٹنے کا ڈر

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

قروش پیلر کی خوشبو

”مت دور رہا کرو مجھ سے ڈالے! مجھ سے تمہاری دوری ایک پل کے لیے بھی گوارا نہیں ہے۔“ اور پھر وہ کیسے مزاحمت کرنی وہ اس کے احتجاج کو خاطر میں لائی کب رہا تھا، اور شاید اس کا اپنا دل بھی یہی گواہی دے رہا



☆.....☆.....☆

وانی ابھی ابھی نہا کے نکلی تھی، بیساکھی کے سہارے چلتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی تھی، نوری ہمہ وقت اس کے ساتھ ہی رہتی تھی، وانیا کو دیکھ کر بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی، وانیا نے اس کی گھبراہٹ شدت سے نوٹ کی تھی۔
”سب ٹھیک ہے نا نوری! تم مجھے دیکھ کر گھبرا کیوں گئیں، چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔“ وانیا نے شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

”نن! نہیں تو... وہ... وانیا بی بی! میں تو بس یوں ہی...!“ زبان نہ تو اس کے لفظوں کا ساتھ دے رہی تھی



نہ حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

”سب خیریت تو ہے ناں، تمہارے گھر میں تو سب ٹھیک ہے؟“ وہ اب ٹاول سے اپنے بال خشک کر رہی تھی، نوری اپنی گھبراہٹ کو کنٹرول کرتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ سے ٹاول لے کر خود اس کے بال خشک کرنے لگی تھی۔

”جی وانیہ بی بی! سب خیریت ہے، وہ اصل میں میرا میاں بیمار پر گیا ہے جی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔“

”ارے تو تم چلی جاؤ، اسے تو اس وقت تمہاری شدید ضرورت ہوگی۔“

”جی میں بھی یہی سوچ رہی تھی کب کرا جاؤں۔“

”ویسے بہت نا انصافی ہو گئی ہے تمہارے ساتھ، مگر خیر میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے تمہیں اور زیادہ دن یہاں ٹھہرنا نہیں پڑے گا۔“ پر سوچ نظر میں سامنے دیوار پر مڑ کر دیکھیں۔

”کیسا فیصلہ وانیہ بی بی؟“ وہ کچھ بتانے ہی والی تھی کہ اندر حرا داخل ہوئی تھی۔

”وانی! ڈالے آ گئی ہے۔“

”جی... کس کے ساتھ؟“ وہ بے سارکھی سنبھالے کھڑی ہو گئی، خوشی اس کے روئیں روئیں سے جھلک رہی تھی۔

”زمیل بھائی کے ساتھ ہے، چلو آؤ۔“

”ہاں ہاں ضرور۔“ وہ حرا کے ساتھ خوش خوشی کرے سے نکلی تھی، پیچھے نوری نے اپنے گریبان سے چھوٹا سا موبائل نکالا اور کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی تھی، وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو ڈالے کو ٹھہرنے سے لگے پایا اور گود میں رضا کو گود میں لیے اس کے بالوں میں آرام آرام سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”السلام علیکم“ اس نے زمیل کو سلام کیا تھا۔

”علیکم السلام!“ زمیل کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تھی۔

”کیسی ہو آپ؟“ اس نے خوش دلی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی، عاتبانہ جان پہچان تو تھی ان کی، عارفین نے بہت کچھ بتایا ہوا تھا، اس چھوٹی سی پیاری سی لڑکی کے بارے میں۔

”جی اللہ کا شکر ہے۔“ وہ مسکراتی ہوئی ڈالے کی سمت بڑھی، ڈالے نے رضا کو گود سے اتارا اور کھڑی ہو کر اس کے گلے سے لگی تھی۔ زمیل نے اپنے دونوں ہاتھ رضا کی طرف بڑھائے وہ قلقاریاں بھرتا ہوا اس کے بازوؤں میں سما گیا تھا، پورا کمرہ خوشگوار ماحول میں تھا۔

”ارے وانیہ بی بی! آج دوپہر کے کھانے میں کیا پکا رہی ہیں آپ لوگ؟“ بھئی! دیکھو کچھ اسپیشل ہونا چاہیے، کیونکہ زمیل ہمارے گھر پہلی بار آئے ہیں بلکہ آپ یوں کریں مجھے ایک لسٹ بنا کے دے دیں، میں مارکیٹ سے لادوں گا سب کچھ، اگر کچھ بڑی میڈ بھی منگوانا ہو تو وہ بھی لادوں گا۔“

”نہیں ریحان انکل پلینز! کسی تکلف میں مت پڑیے، بلکہ میں تو ابھی نکلنے بھی لگا ہوں۔“ ڈالے کی بے ساختہ نگاہ اس کی سمت اٹھی تھی، زمیل نے بھی بغور ان سبز آنکھوں میں دیکھا تھا، ڈالے شیشا کے رہ گئی اپنی اس بے اختیاری پر، نگاہوں کا یہ تصادم نہایت جاندار تھا جو زمیل کو مسکرانے پر مجبور کر گیا، نہایت گہری نظروں سے

اس نے ان جھکی لرزتی پلکوں کو دیکھا تھا۔

”اگر آپ برائے نامیں تو کچھ عرض کر سکتا ہوں؟“ ریحان شیخ نے پر تکلف لب و لہجے میں کہا تھا۔

”ارے اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔“ اس نے مسکرا کر ریحان شیخ کو دیکھا تھا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ اگر آپ کا کام ختم ہو گیا ہو تو ایک، دو دن یہاں بھی رک جائیے۔“

”بالکل درست کہہ رہے ہیں آپ ریحان انکل! کیوں زرمیل؟“ عارفین نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے زرمیل کو دیکھا، بلکہ حرا اور ٹھہرنے نے بھی ساتھ دیا تھا ان کا۔

”اوکے میں آپ لوگوں کی خواہش رو نہیں کروں گا۔“

”یہ بول کہ اپنے دل کی خواہش رو نہیں کرے گا۔“ عارفین نے ہولے سے جھک کر سرگوشی کی تھی، جس پر زرمیل دھیرے سے مسکرا کے ڈالے کو دیکھنے لگا تھا، ان گزرے دو دنوں میں ڈالے اس کے دل کے اتنا قریب آ گئی تھی کہ اب ایک پل کی جدائی بھی ناممکن کی گئی تھی۔

ڈالے وہاں سے اٹھ کر روم میں چلی آئی تھی، دو دن سے اس نے وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے، بس شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان کپڑوں کو اتار پھینکے اپنے جسم سے، اس نے اپنے بیک سے ایک شوخ سے رنگ کا جارجٹ کا سوٹ نکالا تھا، دل اندر سے جانے کیوں اتنا خوش تھا، الگ ہی انداز میں سُرالاپ رہا تھا، چہرہ خوشی سے کسی ادھ بندگی کی طرح کھلا ہوا تھا، ان سبز آنکھوں میں اس قدر چمک تھی، چہرہ کسی چودھویں کے چاند کی مانند روشن تھا، کہ کوئی بھی پہچان سکتا تھا کہ وہ آج بے انتہا خوش ہے، گلابی ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ احاطہ کیے ہوئے تھی، گویا کہ ان گزرے دو دنوں میں اس کی زندگی کا پورا جغرافیہ ہی بدل گیا تھا، وہ نہا کر نکلی ٹاول سے اپنے بال خشک کرنے لگی کہ سامنے نگاہ اٹھی تو دوسری آنکھوں نے اسے مکمل اپنے حصار میں قید کیا ہوا تھا، ڈالے کے قدم وہیں تھم سے گئے تھے، دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور اس سب کی وجہ سامنے سنگل صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ دھرے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے زمیل تھا، زمیل نے بھر پور نگاہ اس کے کھلتے سراپے بڑائی، شوخ سے گلابی رنگ کے اس سوٹ میں اس کی حد درجہ گوری رنگت اس کے ہوش پر باحسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی، وہ جو کچھ دن پہلے اس کے چہرے پر بیزار، جھنجھلاہٹ، غصہ نظر آتا تھا، وہ آج بالکل مفقود تھا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پہلے والی زمانے سے اپنے زندگی سے ناراض ڈالے ہے، زمیل اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آ ٹھہرا تھا۔

”دو دن میں میرے بے انتہا پیار نے تمہارا سراپا نکھار دیا ہے، میری محبت و حاجت نے تمہارے جسم کو ہی نہیں تمہارے دل کو تمہاری روح کو جکڑ لیا ہے اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے اس دل کو میری عادت ہو چکی ہے۔“ اس نے ڈالے کے لمبے کیلے بالوں کی آگے کی ابھی چند لٹوں میں اپنی انگلیاں پھیری تھیں۔

”بولو! میں سچ کہہ رہا ہوں ناں؟“ زمیل اس کی ٹھوڑی پکڑ کے اس کا جھکا چہرہ اپنی انگشت شہادت سے اوپر اٹھائے ان سبز کانچ میں جھانکنے لگا تھا، ڈالے کچھ نہیں بولی تھی بلکہ ان گلابی ہونٹوں پر ایک شرمیلی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی، زمیل نے یہ دلکش منظر بغور خاموشی سے دیکھا تھا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم بھی چاہتی ہو ناں کہ میں یہاں رک جاؤں؟“ ڈالے نے اب بھی کچھ نہیں کہا صرف گھنیری پلکوں کی بازوؤں خسار پر گر کر اقرار کر دیا، اٹھارہ کا یہ انداز دل لوٹ لینے والا تھا، مگر زمیل کو اس وقت

اسے تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔

”بولو!“ وہ ایک قدم اور آگے بڑھا کہ رانچ بھر کا جو فاصلہ تھا وہ بھی مٹ چکا تھا، اس کے سندر سے مکھڑے کو اپنی مضبوط ہتھیلیوں کے پیالے میں بھر لیا تھا، ڈالے کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا، دودن میں اس کی بے باکیوں کے اتنے مناظر دیکھ چکی تھی کہ اب اس سے ہر طرح کی توقع کی امید تھی، دل یوں اور ڈرنے لگا کہ کہیں کوئی آنے جائے۔

”کیا بولوں؟“ بمشکل لبوں سے چند لفظ ہی ادا ہوئے تھے۔

”تم جانتی ہو کہ تمہیں کیا کہنا چاہیے۔“ ذوقی بات اس کے گرد ایک مضبوط دائرہ کھینچ گئی، زرمیل سب جانتا تھا اس کے دل کی بات، پھر بھی اس کے ہونٹوں سے اقرار چاہتا تھا۔

”اوکے اگر تم نہیں چاہتی ہو کہ میں یہاں رکوں تو میں ابھی چلا جاتا ہوں، اس گھر سے۔“ اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کے پیالے سے اس کا چہرہ آزاد کر دیا تھا، ڈالے کا دل یہ سن کر ہی بے چین سا ہو گیا۔

”یہ میں نے کب کہا؟“ بلا ارادہ بے ساختہ اس کے ہونٹوں سے نکل گیا تھا۔

”تورک جانے کا بھی تو نہیں کہاناں۔“

”آپ کیوں ستارہ ہے ہیں مجھے؟“

”اور جو تم ستارہ ہی ہو مجھے۔“ النسا سوال داغا تھا، مگر ان عنابی لبوں پر وہ شرارت سے بھری مسکراہٹ دیکھ چکی تھی، صاف ظاہر تھا کہ وہ صرف ستارہ تھا۔

”مجھے نہیں پتہ، آپ کیا بول رہے ہیں، میں جا رہی ہوں۔“ وہ جھینپ کے مڑنے لگی تھی کہ زرمیل نے اس کی نازک مرمیں کلائی تھامی اور ایک جھٹکے سے اپنے سے قریب تر کر لیا تھا، وہ اس اچانک افتاد کے لیے بالکل تیار نہیں تھی، پوری طرح اس کی مضبوط بانہوں میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

”اب تمہارے جانے کے تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں، تمہارے ہر ایک بڑھتے قدم پر تمہیں میں ہی کھڑا ملوں گا، بولو! مجھ سے چھٹکارہ پاسکو؟“ اس کے شرمائے لجائے چہرے پر اپنی انگلیوں کے گہرے لس کے نشان ثبت کرنے لگا تھا۔

”نہیں۔“ شرماتے ہوئے اس نے اسی کے چوڑے سینے میں پناہ لے لی تھی، اس کا یہ اظہار محبت زرمیل کی دیوانگی میں مزید اضافہ کر گیا تھا، زرمیل نے اس کی روشنی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھ دیئے، ڈالے نے آسودہ ہو کر آنکھیں موند لیں۔

☆.....☆.....☆

سب ہال میں ایک ساتھ بیٹھے خوشگوار ماحول میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، رات کا کھانا تو کھا ہی چکے تھے حرا، وانیہ نے خواہش ظاہر کی سب باہر نکلے جلتے ہیں جسے شمرن نے سختی سے مسترد کر دیا تھا۔

”حالات دیکھے ہیں اچانک کچھ بھی ہو سکتا ہے اس لیے چپ کر کے گھر میں ہی بیٹھو۔“

”ویسے شمرن بھائی! آئیڈیا برا بھی نہیں ہے۔“ عارفین نے اپنی رائے دی تھی۔

”منع کر دیا ناں کو کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی دیکھا تھا کچھ دن پہلے کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ویسے بھی ٹھنڈ بھی بہت ہے۔“

”ہاں ہمارے لیے پریشانی ضرور ہو سکتی ہے، مگر ہم بلاست کرنے والے کو پھر بھی میں سلام پیش کرتا

ہوں۔“ اس نے زرمیل کو محفوظ نظروں سے دیکھا جو اس کا اشارہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

”عارفین! مجھے لگتا ہے تمہارے ہاتھ کا زخم دماغ پر کچھ زیادہ ہی اثر کر گیا ہے، جو اول فول بولے جا رہے ہو۔“ شمرن کو اس کی فضول بات بالکل سمجھ نہیں آئی بلکہ وانیہ اور حرا نے بھی نا بھیجی کے عالم میں اسے دیکھا تھا اور یہی کچھ حال مقوم کا تھا، اس لگا ہوں کی اسکرین پر ایک بار پھر وہ روح فصول منظر گھوم گیا تھا اور اس وقت وہ خود بھی تو کس قدر پریشان ہو گیا تھا۔

”اور شاید کسی کے دل کے زخم بھرے ہوں۔“

”عارفین بھائی! لگتا ہے ٹھنڈ نے آپ کے دل و دماغ پر بہت زبردست ایک کیا ہے۔“ حرا کو بھی وہ جان لیوا منظر یاد آ گیا تھا مگر عارفین مسلسل مسکرا رہا تھا، اس سب کے درمیان زرمیل اور ڈالے بالکل خاموش تھے، وہ جانتے تھے عارفین کی ذوقی باتوں کا مطلب اس کا اشارہ دونوں ہی اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

”اور فی الحال اس ٹھنڈ کا انتظام میں نے کر دیا ہے۔“ ریحان شیخ کارڈیڈور کے دروازے سے اندر ہال میں داخل ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں کوئی بڑا سا شاپر تھا، جسے انھوں نے بیچ میں رکھی کاچ کی ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور نوری کو ایک باؤل اور ڈرے لانے کو کہا تھا، وہ فوراً حکم مانتے ہوئے ایک سیکنڈ میں حکم بجالائی سب ہی کی نظریں اس شاپر پر پڑیں اور جس بھی کہ ریحان شیخ باہر سے کیا لے کر آئے ہیں، انھوں نے وہ پورا شاپر اس کاچ کے باؤل میں الٹ دیا تھا، اس میں بہت سارے چلغوزے تھے۔

”واؤ! ریحان انکل! زبردست یہ تو میرے اور ڈالے کے فیوریٹ ہیں۔“ حرا خوشی سے کھڑی ہوئی اور مٹھی بھر کے چلغوزے لیے ڈالے کے پاس دوبارہ آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”دیری گڈ! تو پھر آج مجھے اس باؤل میں ایک بھی چلغوزہ نظر نہیں آتا چاہیے۔“

”بے فکر رہیں ریحان انکل! ایسی چیزیں کھانے کے معاملے میں یہ دونوں ورلڈ ریکارڈ قائم کر چکی ہیں۔“ عارفین چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

”ویسے ڈالے! عارفین بھائی نے شادی کے بعد بہت زیادہ ہی پر پزے نہیں نکال لیے ہیں۔“ حرا نے ایک چلغوزہ چھیل کے منہ میں ڈال دیا تھا۔

”ہوں.... اور اس کا انتظام بھی ہے میرے پاس۔“

”وہ کیا؟“

”کچھ دیر بعد پتہ چل جائے گا ان کو۔“ اس نے گھور کے عارفین کو دیکھا تھا، شمرن انھی اس نے مٹھی بھر کے چلغوزے سب کو دیئے تھے، مگر مقوم نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔

”ارے کیوں بیٹا! آپ کو پسند نہیں اگر کچھ اور کھائیں گی تو بتائیے میں وہ ابھی منگوادیتا ہوں۔“ ریحان شیخ نے شفقت سے مقوم کو دیکھا تھا۔

”ارے نہیں ریحان انکل! اصل میں بات یہ ہے کہ اسے چھیلنے میں مجھے بہت کوفت ہوتی ہے، ایک منٹ تک اس کو چھیلوحت کر دو اور بالکل ذرا سا نکلتا ہے۔“

”منہ! محنت کا پھل میٹھا بھی تو ہوتا ہے۔“ عارفین نے بہت کچھ جتانے والے انداز میں اسے مسکرا کے دیکھا تھا۔

”عارفین کی یہ بات سو فیصد درست ہے کہ محنت کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔“ ریحان شیخ نے اس کی بات کی تائید

کی تھی۔ مقصود نے کچھ نہیں کہا تھا، صرف خاموشی سے چہرہ جھکا گئی تھی، وہ جانتی تھی کہ عارفین اس سے سخت ناراض ہے اور اگر وہ اسے چھیڑ رہا ہے اس سے مسکرا کے بات کر رہا ہے تو یہ سب وہ ان لوگوں کی وجہ سے کر رہا تھا، عارفین کے دھیان کے سارے دھاگے اس وقت صرف اور صرف مقصود کی سوچوں سے جڑے ہوئے تھے، وہ اچھی طرح جانتا تھا، اس کی سوچ کو اس کے دل و دماغ پر رقم تحریر کو با آسانی پڑھ سکتا تھا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں سونے کی تیاری کرنی چاہیے، رات بھی بہت ہو گئی ہے۔“ ثمرن صوفی پر بے خبر سوتے بلیکٹ میں لیٹے رضا کو گود میں اٹھانے لگی تھی۔

”یار! ابھی تو وہی بچے ہیں۔“ زرمیل نے اپنی کلائی میں باندھی قیمتی بینڈ واچ پر نظر ڈالی۔

”میرے بھائی! ہمارا اعلق انسانوں جیسی مخلوق سے ہوتا ہے، اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہے تو تمہارے لیے وانیہ نے اور والا بیڈروم صاف کر دیا ہے، پھر چاہے تم اور ڈالے پوری رات جاگ کے گزاردو۔“ اس نے ذومعنی لب و لہجے میں دونوں کو دیکھ کر چھیڑا تھا۔

جانی ہوئی ثمرن کے قدم مٹ گئے تھے، دودن ڈالے کا زرمیل کے ساتھ رہنا مجبوری تھا، مگر وہ اب کیسے اس بات کی اجازت دے سکتی تھی، مانا کہ وہ دونوں قانونی و شرعی حق سے میاں بیوی تھے، مگر جو حالات ان کے درمیان پیدا ہو گئے تھے ان سے چھٹکارا پانا اتنا آسان بھی نہیں تھا، جب تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو جاتا تو وہ کیسے ڈالے کو زرمیل کے ساتھ اکیلا چھوڑ سکتی تھی، اور اگر خدا نخواستہ ارشد کو پتہ چل گیا کہ زرمیل ہمارے ساتھ تھا تو وہ ایک قیامت برپا کر دے گا، ثمرن کی تو جان ہی نکال دیتا، اس کے نام سے اس کے اندر ڈر و خوف کی ایک لہری دوڑ گئی تھی۔

عارفین کی بات پر ڈالے کی ٹی گم ہو گئی تھی اس کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے، اتنی سخت سردی میں بھی اس کی ہتھیلیاں جھجک گئی تھیں، اس نے مدد طلب نظروں سے رکی ہوئی ثمرن کو دیکھا تھا، وہ تو عارفین کو مزہ چکھانے والی تھی، مقصود کو اپنے ساتھ اپنے مشترکہ بیڈروم میں لے کر جانی مگر یہاں تو ایسی آتین گلے میں پڑ رہی تھیں۔

”ارے ڈالے! تمہیں ایک چیز دکھانی تھی، ہم نے تمہارے لیے فیشیول سے ایک پیٹینگ خریدی تھی آؤ! تمہیں دکھاؤں۔“

”جی ثمرن بھابی!“ وہ تو تھی ہی اشارے کی منتظر فوراً کھڑی ہوئی اور ثمرن کی جانب بڑھی۔

”ثمرن بھابی! یہ رات کے دو بجے پیٹینگ بیچ میں کہاں سے آ گئی؟“ عارفین کو ثمرن کی منطق زراعی ہی لگی مگر وہ بھی سنی ان کی کرتی ہوئی اندر چلی گئیں، ڈالے دودن تک اس کی جنونی محبت اور بے انتہا پیار کے مناظر دیکھ چکی تھی مگر آج وہ بہت تھکی ہوئی تھی سکون کی نیند سونا چاہتی تھی۔

”میرا خیال ہے رات واقعی بہت گہری ہو گئی ہے اب سونا چاہیے۔“

”ٹوٹے ڈالے کو روکا کیوں نہیں؟“ دھیمے سے شکوہ کیا عارفین نے، جس پر زرمیل نے اسے ایک نظر دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔

”گڈ نائٹ!“ پھر وہ رکا نہیں اور چلتا ہوا اوپر کی جانب قدم بڑھا گیا، عارفین اور حرانے نہایت افسردہ ہو کر جاتے ہوئے زرمیل کو دیکھا تھا، حراما یوں ہو کر کھڑی ہوئی اور اپنے مشترکہ بیڈروم میں چلی آئی، وہ کوئی پانچ منٹ بعد ہی کمرے میں آئی تو ڈالے کو بے خبر سوتے پایا، رضا اس کے پہلو میں بیٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا تھا

اور برابر میں ثمرن سو رہی تھی، وہ ڈالے سے بات کرنا چاہتی تھی مگر جب اسے اس طرح دیکھا تو اس نے بھی اپنا بستر سنبھال لیا تھا۔

وانیہ کو عارفین و مقصود کے درمیان اپنا وجود آ کر ڈسٹ سا لگ رہا تھا سائیڈ میں رکھی اپنی بے سارکھی اٹھائی اور اپنے بیڈروم میں آ گئی تھی۔ عارفین نے مقصود کو دیکھا جس نے چہرہ جھکایا ہوا تھا وہ کھڑا ہوا اور مٹھی میں بھرے چھلے سارے چلنوز سے اس کی جھولی میں ڈال دیئے، مقصود نے سر اٹھا کے دیکھا، عارفین اسے نہایت گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، مقصود سے تادیر ان بوٹی آنکھوں میں دیکھا نہیں گیا، تو اس نے پلکوں کی باڑ رخسار پر گرائی، عارفین پھر وہاں ٹھہرا نہیں اور اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا، مقصود اپنی جھولی میں چھلے چلنوزوں کو غور سے دیکھنے لگی۔

وہ ابھی لیٹی ہی تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی زور سے بجنے لگی، اس نے موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا تو جیسے اس کی روح فنا ہونے لگی ہو، کافی دنوں بعد اس کی کال آئی تھی، کتنے سکون و چین میں اس کی زندگی گزر رہی تھی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی، بالآخر دل دہلانے والا جوتیج آیا تو وہ اندر تک کانپ کے رہ گئی، ناچاچتے ہوئے بھی فون ریسیو کرنا پڑا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے اتنی آسانی سے مجھ سے پیچھا چھڑا لوگی۔“ لب و لہجے میں ہلکا سا غصہ تھا، جسے وہ انگور کر گئی اگر وہ کمزور پڑتی تو وہ اس پر حاوی ہو جاتا، اسے مضبوط رہنا تھا۔

”کیوں فون کیا ہے اتنی رات کو؟“

”کیا مطلب اس فضول سی بات کا محترمہ وانیہ! فریدی! میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی وقت فون کر سکتا ہوں۔“

وانیہ خاموش ہو گئی وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آفریدی نے اس کی خاموشی کی زبان تھوڑی دیر تک ہی سنی تھی۔

”میں نے سنا ہے تمہارے کزنز وغیرہ آئے ہوئے ہیں، مجھے نہیں ملو آؤ گی اپنے گھر آئے مہمانوں سے، آخر کو تمہارا شوہر ہوں اور ویسے بھی بہت دن ہو گئے تم سے ملنے میں کل تم سے ملنے آ رہا ہوں۔“

”نہیں... نہیں... خبر... خبر دار جو آپ یہاں آئے تو“ گھبراہٹ میں زبان لڑھکھڑا رہی تھی۔

”چینج کر رہی ہو مجھے اور اگر چینج کر رہی ہو تو مجھے بہت اچھی بات ہے، مجھے چینج بہت پسند ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تم سے ابھی اور اسی وقت ملنے آ رہا ہوں۔“

”نہیں... میں آپ کو چینج نہیں کر رہی ہوں۔“ کس قدر عاجزی بھری التجا تھی۔

”ویری گڈ! تو پھر میں کل ہی تم سے ملنے آؤں گا وانیہ؟“

”دیکھئے پلیز! میرے گھر میرے مہمان آئے ہوئے ہیں آپ کیوں میرا اقامتا بنانا چاہتے ہیں، آخر یہ سب کر کے آپ کو کیا ملے گا؟“ لب و لہجے میں نمی چھلی ہوئی تھی، وہ روہا سی ہو گئی تھی۔

”تمہیں نہیں معلوم مجھے کیا ملے گا، سکون چینن دل کو راحت ملے گی میرے اندر شندک کے چھینٹے پڑیں گے پورا نہیں تو کچھ تو میرا مقصد پورا ہوگا۔“

”مجھے نہیں معلوم آپ کا مقصد کیا ہے، مگر میں اس وقت صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرے کزنز وغیرہ آئے ہوئے ہیں، پلیز میں آپ سے ریکوئسٹ کرتی ہوں آپ یہاں مت آئیے۔“ دھیمے لب و لہجے میں ریکوئسٹ کرنے لگی اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ وہ ایک اڑیل گھوڑا ہے، ایک نمبر کا مٹ دھرم، ضدی اس لیے وہ اس پر غصہ

کر کے اس کی اتنا کواس کی ضد کو ہوا دینا نہیں چاہتی تھی۔

”اوکے، آپ نے منع کر دیا میں نہیں آ رہا، اب اتنا بھی بتا دیجیے مسز آفریدی! کہ کب آپ سے ملنے آؤں؟“ وہ لطف اندوز ہونے لگا تھا، اس کے عاجزی بھرے لب و لہجے سے۔
”نی اچال تو ابھی مت آئیے۔“ دل تو شدت سے چاہ رہا تھا کہ بول دے کہ کسی کھائی میں جا کر مر جاؤ، مگر مجبور ہو گئی تھی۔

”اوکے پھر بات ہوگی، ابھی میری اس وقت کوئی ضروری کال آرہی ہے، مگر یہ مت سمجھنا کہ تمہیں یا تمہارے باپ کو بھول گیا ہوں، اسی ہفتے ملنے آ رہا ہوں تم سے اور تمہارے باپ سے اور یہ بھی ہو سکتا ہے، تمہیں اپنے ساتھ لے بھی جاؤں۔“ اتنا کہہ کر اس نے موبائل آف کر دیا، مگر وانیہ کے لیے سوچوں کے بہت سے در کھول دیئے وہ جو اس سے فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا، اس وقت اس پل ان چند لمحوں میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ریحان شیخ کو کیا جواب دینا ہے، اس نے موبائل کا سوچ آف کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی، مگر نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی، آفریدی کے آخری جملے نے اس کی نیند اڑا دی تھی، اس کا ڈر و خوف جو کچھ دن کے لیے کہیں جا سوا تھا، وہ آج پھر سے جاگ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”اچھا انکل! اب ہم سب آپ سے اجازت چاہیں گے، جتنے دن یہاں رہے، بہت مزہ آیا، زندگی کے یادگار دن رہیں گے یہ ہمارے۔“ عارفین ریحان شیخ سے بے تکلیف ہوا تھا۔

”اس کا مطلب ہے میں آپ لوگوں کے آنے کا پھر سے انتظار کروں۔“ انھوں نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے سب کو دیکھا تھا۔

”جی ریحان انکل! ہم انشاء اللہ دوبارہ یہاں ضرور آئیں گے، مگر اگلے سال۔“ ڈالے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو بس ٹھیک ہے آپ سب کے جاتے ہی میرا انتظار شروع ہو جائے گا۔“ جس پر سب دل کھول کر مسکرا دیئے، وانیہ نے سب کو اپنی طرف سے کچھ گفتش دیئے، بلکہ وہاں کراچی میں بھی سب کے لیے کچھ نہ کچھ گفتش بھیجوائے۔

”اوکے وانیہ! اللہ حافظ!“ ڈالے، ثمرن، حرا، مقوم سب ہی اس سے باری باری گلے ملی تھیں، جس پر وانیہ کے زکے آنسو بہنے لگے۔

”ارے رو کیوں رہی ہو؟“ ثمرن نے تو اسے پھر سے اپنے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔
”پنگی ہو بالکل! ڈالے کی آنکھیں بھی جھکنے لگیں، وہ بھی آگے بڑھی اور وانیہ کو گلے سے لگایا، ان تھوڑے سے دنوں میں دونوں کی بہت اچھی فریڈ شپ ہو گئی تھی۔

”آپ سب ہنسی خوشی جاؤ، وانیہ! ہنسی خوشی رخصت کریں سب کو آپ خود تو روئے لگیں، اور ڈالے بیٹی کو بھی رلا دیا۔“ ریحان شیخ نے کہا۔

”انکل! آپ جانتے ہیں ان خواتین کے پاس چاہے کسی بھی شے کی کمی کیوں نہ ہو جائے، مگر آنسوؤں کی کمی نہیں ہے ان کے پاس، وہ وافر مقدار میں ہیں ان کے پاس، جب دیکھو جہاں دیکھو نہ موقع دیکھیں گی نہ محل، بس رونا شروع کر دیتی ہیں۔“ زرمیل نے مسکراتے ہوئے ڈالے کو دیکھا اسے

ہوٹل میں گزرے وہ دودن یاد آگئے کس قدر روئی تھی وہ، چپ کراتے کراتے وہ تھک گیا تھا، مگر ڈالے روتے روتے نہیں تھکی تھی۔

”اگرچہ ڈالے پر ہٹ کس رہا ہے تو سو فیصد درست ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص کر ڈالے کو مٹی سے نہیں آنسوؤں سے بنایا ہے، جب دیکھو کوئی بھی کونہ پکڑ لے گی رونے کے لیے۔“ عارفین نے ڈالے کو جان کر چھیڑا تھا، جس پر ڈالے بری طرح گھور کر رہ گئی، عارفین اس کے یوں گھورنے پر زور سے ہنس دیا اور ہنستے ہوئے آگے بڑھا، وانیہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

”خوش رہو، اور ہنسی رہا کرو، اور ایک بات اور مجھے تمہارے فیصلے سے بہت خوشی ہوئی کہ تم لندن جاؤ گی، اپنا علاج کروانے، جب صحت یاب ہو جاؤ تو ہمارے شہر کراچی کو بھی رونق بخشا، ہماری میزبانی میں تم کوئی کمی نہیں پاؤ گی، ریحان انکل! وانیہ کو لے کر کراچی ضرور آئیے گا۔“

”جی عارفین بیٹا! ہم انشاء اللہ بہت جلد آئیں گے۔“ انھوں نے بولے سے کہا، اس طرح یہ سب اپنے سفر کے لیے کراچی روانہ ہو گئے۔ وانیہ ریحان شیخ کے ہمراہ اندر آ گئی۔

”وانیہ بیٹا مجھے آپ کے فیصلے سے بہت خوشی ہوئی ہے، میں بہت پرسکون ہو گیا ہوں۔“ ریحان شیخ نے شفقت سے اپنی لاڈلی چیمٹی بیٹی کو دیکھا تھا۔

”جی بابا! میں خود بھی اپنے فیصلے سے نہایت پرسکون اور مطمئن ہوں، بس جلد از جلد میں اس شہر، اس ملک کو چھوڑ دینا چاہتی ہوں، یہاں سے بہت دور چلی جانا چاہتی ہوں۔“ اس کی سماعت میں آفریدی کی آواز گونجنے لگی۔

جتنی جلدی ممکن تھا، وہ اس آسپ سے چھچھا چھڑا لینا چاہتی تھی۔

”بس میری جان! انشاء اللہ ہم دو، تین دن میں لندن کے لیے روانہ ہو جائیں گے، میں نے تو یہ بھی سوچا ہے کہ جو کچھ تھوڑا بہت بچا ہے، وہ سب وائسٹاپ کر کے ہمیشہ کے لیے لندن شفٹ ہو جائیں۔“

”بابا! یہ تو آپ نے بہت اچھا سوچا ہے، بابا! پھر جلدی یہاں سے مجھے لے کر چلیں، میں یہاں سے اکتا چکی ہوں۔“ اس کا بس چلتا تو ابھی ہی لندن جانے کے لیے روانہ ہو جاتی۔

”دیرین وانیہ بیٹی!“ وہ وانیہ کی جلد بازی پر مسکرائے۔

”آپ تو اس طرح بول رہی ہو، جیسے لندن یہیں ایک اسٹاپ سے آگے ہے۔“

”سوری بابا! میں کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹ ہو گئی تھی۔“ وہ بھی کھل کر مسکرا دی تھی، اس کے چہرے پر خوشی سے بھری مسکراہٹ تھی، ریحان شیخ نے بغور اپنی بیٹی کو دیکھا تھا اکثر ان کے ذہن کی اسکرین پر ایک عکس تیزی سے ابھرتا تھا اور جتنی تیزی سے وہ عکس ابھرتا تھا، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے وہ عکس دھندلا بھی جاتا تھا، اس چہرے کی جھلک نہایت دھندلی سی تھی جو وہ پہچان ہی نہیں پارہے تھے، مگر انھیں ایسا لگتا تھا جیسے اس چہرے سے بہت گہرا تعلق ہے ان کا۔

”کیا ہو بابا! آپ کیا سوچنے لگے؟“ وانیہ نے شدت سے ان کی یہ خاموشی نوٹ کی تھی۔

”آہ... ہاں... نہیں کچھ نہیں۔“ وہ بری طرح چونک کر وانیہ کو دیکھنے لگے تھے۔

”کافی پیسے گئے؟“

”اگر اچھی سیل جائے تو۔“ انھوں نے اپنی سوچ کو بھٹک دیا تھا، اکثر وہ الجھ جاتے تھے جھنجھلا جاتے تھے، مگر اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو بھی جلدی پالیتے تھے۔

”اوکے... میں بتواتی ہوں... نوری!“ وانہ نے پلٹ کر نوری کو دیکھا تھا۔

”جی... جی... وانہ بی بی!“ پیچھے کھڑی نوری بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی تھی، اسی چکر، اسی گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ میں سے موبائل ماربل کے فرش پر گر اٹھا اور محل کر ادھر ادھر بکھر گیا تھا، وانہ کے ساتھ ساتھ ریحان شے بھی اچھبے سے دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے تم اس قدر گھبرا کیوں گئی ہو؟“ ریحان شے نے شک بھری نظروں سے نوری کا گھبرا یا شیشا چہرہ دیکھا تھا۔

”جی نہیں تو بڑے صاحب جی!“ بمشکل اپنے ڈر و خوف کو چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی اور اپنا بکھرا موبائل سینے کی اور اب و احترام سے سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔

”تو پھر جاؤ اور دو کپ گرم کافی لے کر آؤ۔“ ان کے لب و لہجے میں ہلکی سی سختی درآئی تھی۔

”جی بہتر!“ وہ تیزی سے وہاں سے روفو چکر ہوئی تھی مبادا وہ کوئی سوال ہی نہ کر لیتے، آج اگر وہ پکڑی جاتی تو شاید زندہ ہی نہ بچتی۔

”آفریدی سر! آج تو آپ مجھے مروا ہی دیتے۔“ وہ منہ ہی منہ میں ہلکے سے بدبدا کے رہ گئی، پھر جلدی سے چولے پر پانی چڑھایا۔

”پتہ نہیں کیوں بابا! مجھے نوری پر شک سا ہوتا ہے۔“ وانہ نے ریحان شے سے اپنا ڈر بیان کیا تھا۔

”ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، آج تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوا ہے، مگر خیر آج ہی نوری کو فارغ کر دیں گے اور کل انشاء اللہ اجنٹ ویز پر لندن کے لیے روانہ ہوتے ہیں، آپ یوں کریں کہ نوری سے اپنے کچھ ضروری سامان کی پیکینگ کروالیں، پھر آج شام تک اس کا حساب کر کے فارغ کر دیں گے۔“

”جی بابا!“ وہ پرسوج نظروں سے سامنے دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

کتنے ہی گھنٹوں کی تھکان وہ مسافت کے بعد وہ لوگ کراچی اپنے گھر پہنچ گئے تھے۔

”السلام علیکم می!“ حراتو بھاگ کر آسیہ کے گلے سے لگی تھی۔

”ارے یہ تو سر پرانز ہے۔“ انھوں نے حرات کو خود میں سمجھ کر پیار کیا۔

”جی می! ہمارا آپ کو سر پرانز دینے کا ہی ارادہ تھا۔“

”اچھا یہ بتائیے آپ کیسی ہیں؟“

”بالکل ٹھیک اور میرے سب بچے کیسے ہیں؟“ انھوں نے باری باری سب کو گلے سے لگا کر پیار کیا تھا۔

”آپ کے سب بچے بھی بالکل ٹھیک ہیں۔“ زرمیل نے مسکرا کے جواب دیا تھا۔

”اچھا می! میں ذرا فریش ہونے جا رہا ہوں، آپ پلیز ایک کپ گرم کافی میرے بیڈروم میں بھجوادیں۔“

وہ ان کے سر پر بوسہ لیتے ہوئے اپنے بیڈروم کی سمت بڑھا تھا۔

”اور ڈالے میری جان! تم کیسی ہو؟“ زرمیل کو جواب دینے کے بعد انھوں نے پھر سے ڈالے کو گلے سے

لگایا اور اس کی چمتی پیشانی پر پیار کیا۔

”بڑی مائی! ڈالے ٹھیک نہیں ہے۔“ عارفین نے چھیڑا۔

”اللہ رحم... کیا ہوا میری بچی کو؟“ انھوں نے اپنی پھیلی اس کے رخسار پر رکھی اور پریشانی سے بولیں جاتا ہوا

زرمیل رک کر پلٹا تھا۔

”آپ کی بچی کے دماغ کے سارے پرزے ٹائٹ ہو گئے ہیں۔“ زرمیل کی ذمہ داری صرف عارفین اور ڈالے ہی سمجھ سکے تھے، بلکہ عارفین نے تو باقاعدہ قہقہہ بھی لگایا تھا، جس پر ڈالے نے عارفین کو گھور کر دیکھا تھا۔

”ارے باپ رے... میں تو چلتا ہوں میری والدہ مجھے یاد کر رہی ہوں گی، انھیں بھی تو سر پرانز دینا ہے۔“ وہ ڈرنے کی ناکام ایکٹنگ کرتا ہوا مقصوم کو لیے وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا تھا، شرن بھی آسیہ سے مل کر رضا کو لیے اوپر چلی گئی تھی، حرا بھی فریش ہونے اپنے بیڈروم میں چلی گئی تھی۔

”زرمیل! تم مجھے سیریس بناؤ کیا ہوا ہے ڈالے کو؟“

”ارے میری بھولی بھالی می! کچھ نہیں ہوا ہے آپ کی بہو کو، بالکل صحیح سلامت ہے یہ، بلکہ اس نے ہماری حالت خراب کر دی ہے۔“ وہ واپس آیا اور آسیہ کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے نہایت پر شوق نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”بڑی می! میں چلتی ہوں ماما کے پاس۔“

”محترمہ! کب تک مکے میں ڈیرا ڈالے رہنے کا ارادہ ہے، اب بہت ہو گئی سسرال واپس آ جاؤ، اپنے شوہر کے پاس۔“ ڈالے دیکھ کر رہ گئی اسے امید نہیں تھی کہ وہ آسیہ کے سامنے بھی اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھے گا۔

”زرمیل! تنگ مت کرو ڈالے کو، جب اس کا دل چاہے گا یہ واپس آ جائے گی۔“ آسیہ کی زیرک نگاہیں ڈالے کا چہرہ پڑھ چکی تھیں۔

”اور چڑھائیں، اسے سر پر... بھئی! مجھے تو پریشانی ہو رہی ہے نا آخر کب تک آپ میرا خیال رکھیں گی، سو کام ہوتے ہیں میرے، بیڈروم کی صفائی میرے کھانے کی ذمہ داری میرے پکڑوں کی دیکھ بھال اب آپ کی ذمہ داری نہیں ہے یہ، اسے ناں کہ آپ سمجھائیں کہ یہ اپنی ذمہ داری آ کر سنبھالے، مگر آپ اسے مزید ڈھکیل دے رہی ہیں۔“

”بول لیا؟“ آسیہ نے ٹھوڑا سہمی ہوئی نظروں سے ڈالے کو دیکھا یقیناً وہ پریشان کر زرمیل کو جواب دے گی، بارہا انھوں نے اس کی نظروں میں زرمیل کے لیے نفرت، لہجے میں حقارت دیکھی تھی، مگر زرمیل کے اس طرح بولنے پر بھی نہ تو اس کے چہرے پر کوئی نفرت کے آثار تھے نہ انداز میں ناراضی، تو پھر یقیناً معاملہ کچھ بہتر نظر آ رہا تھا، ڈالے کا دل نرم ہونے لگا تھا۔

”ابھی کہاں می! ابھی تو کچھ بھی نہیں بولا، ہاں اگر آپ ادھر ادھر ہو جائیں تو ایک داستان ہے سنانے کے لیے۔“ وہ مستقل اسے چھیڑ رہا تھا، ڈالے نے گھبرا کے پہلے زرمیل کو پھر آسیہ کو دیکھا مبادا وہ درمیان سے ہٹ ہی نہ جائیں، یا پھر وہ ہی اسے زبردستی ہاتھ پکڑ کے بیڈروم میں نہ لے جائے۔

”میں جا رہی ہوں بڑی می! اوپر۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”ہاں بیٹا! ضرور اور آج رات کا ڈر سب میری طرف کریں گے، تمہیں ضرور آنا ہے۔“

”جی!“ اس سے پہلے کہ زرمیل کچھ اور بولتا وہ فوراً سے اوپر کی سمت بڑھی۔

”آ جانا ورنہ مجھے دوسرا طریقہ آزمانا پڑے گا۔“ زرمیل نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی، مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ ہولے سے مسکرا کے آگے بڑھ گئی تھی۔

freedom to live happily!



A-17/B, S.I.T.E Korachi-75700, Pakistan. Ph: 2560911-13, Fax #: (92-21) 2562570-2560911, e-mail: freedomh@yahoo.com

”میرے بیٹے کی مسکراہٹ اور اطمینان بتا رہا ہے کہ بات بن گئی ہے۔“ آسیہ نے دلار سے اپنے کندھے پر ٹھوڑی ٹکائے زرمیل کے گال پر ہاتھ رکھا۔

”جی می! بات بن گئی ہے، سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے، اور انشاء اللہ بہت جلد وہ یہاں نیچے آ جائے گی، میں چاہوں تو ابھی زبردستی لے آؤں مگر اب میں اس کی رضا مندی کو زیادہ اہمیت دینا چاہتا ہوں۔“

”جیتے رہو، میرے چاند! اللہ تم دونوں کو بہت سی خوشیاں دکھائے اور ہمیشہ ایک ساتھ رکھے۔“ انھوں نے دل سے دعا دی تھی۔

”آمین... شہ آمین!“ اس نے مسکرا کے کہا۔

”مگر زرمیل! ارشد کے بارے میں کچھ سوچا ہے، وہ تو بہت غصے میں ہیں، بہن کی محبت میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا انھیں۔“ ان کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزرا تھا۔

”اوہ... می! یہ ارشد نام کا کاٹنا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، نہ ہی میں اس کی کسی فضول بات پر توجہ دیتا ہوں۔“ وہ بے زار سا بولا اور ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر تم یہ بھی تو جانتے ہونا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔“ وہ ”طلاق“ جیسا ناپاک و رزائل لفظ اپنے منہ سے نہیں نکالنا چاہتی تھی، جسے زرمیل اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

”مجھے اس کے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں اس کی سوچ و باتوں کو بے وقوفی کے سوا اور کچھ نہیں گردانتا، میں جانتا ہوں تو صرف اتنا کہ ڈالے میری بیوی ہے اور میرے ساتھ بھی ہے، وہ اپنے بھائی کا نہیں میرا ساتھ دے گی۔“ پر یقین لہجہ تھا، بھروسہ تھا اسے خود پر بھی اور ڈالے پر بھی۔

”اور اب آپ کو مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اب پائیز مجھے گرم کافی بھجوا دیں اور وہ جو آپ نے رات کے ڈنر پر سب کو بلایا ہے تو یقیناً کوئی خاص اہتمام ہوگا، اس لیے ساری پریشانی و فکروں کو ایک طرف رکھیں اور رات کے ڈنر کی تیاری کر دئیے چاہیں تو ہیلپ کے لیے اوپر سے اپنی بہو کو بھی بلا لیں۔“

”ارے اپنی بہو کے لیے تو یہ خاص اہتمام ہے، اسے ہی کچن میں لگا دوں؟“

”چلیں کچھ دن کی چھوٹ ہے، کچھ دن اور آزادی منالے، آپ کی بہو آخر کام تو پھر کچن میں ہی کرتا ہے۔“

”یہ بعد کی بات ہے، مگر میں کوشش کروں گی کہ اپنی بہو کو پھولوں کی طرح رکھوں، کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دوں، شہزادیوں کی طرح رہے گی وہ یہاں۔“

”پھر تو یقیناً میری آپ سے روز لڑائی ہوا کرے گی۔“ اس نے مذاقاً کہتے ہوئے مسکرا کے سینے پر ہاتھ باندھ لیے تھے۔

”مطلب...؟“ آسیہ نے نا سمجھی کے عالم میں زرمیل کو دیکھا۔

”اوہ.... میری پیاری می! ابھی میں ڈانٹ کھانے کے موڈ میں نہیں ہوں، اس لیے یہ بحث کل کے لیے اٹھا کے رکھتے ہیں۔“

”پتہ نہیں کیا کیا بولتے رہتے ہو، مجھے بھی بالکل الجھا دیا ہے، تم چلو میں کافی سمجھوتاتی ہوں۔“ وہ کچن کی سمت بڑھ گئیں اور زرمیل مسکراتا ہوا اپنے بیڈروم کی جانب چلتا چلا گیا۔

”کیسا رہا میرے بچوں کا مخی مون ٹرپ؟“ رابعہ نے مقصوم کو خود سے لگا کر پیار کیا تھا۔

”میرے خیال میں ہم بھی راہوں میں کھڑے ہیں، سارا پیارا گرا اپنی بہو کو دے دیں گی تو بیٹے کے لیے کیا

بچے گا؟“ عارفین نے مذاقاً راجہ کو چھیڑا تھا۔

”ماں کا پیار بھی کم نہیں ہوتا بلکہ اپنی اولاد کے لیے بڑھتا ہی رہتا ہے، اور اگر بیٹے کی اولاد ہو جائے تو اور زیادہ پیار جوش مارتا ہے۔“ راجہ نے عارفین کو متاثری نظروں سے دیکھنے کے بعد مقصوم کو پیار سے دیکھا جس پر وہ بری طرح جھینپ کے رہ گئی، عارفین نے بغور اس کا گلابی ہوتا چہرہ دیکھا تھا۔

”اچھا تو آپ کو ہماری اولاد کا انتظار ہے۔“ وہ محظوظ ہوتا ہوا بولا تھا۔

”ہاں بالکل اور تم دونوں سے زیادہ ہے۔“ انھوں نے مسکرا کے عارفین کو جواب دیا۔

”یعنی کہ آپ کی یہ خواہش جلد از جلد پوری کرنی پڑے گی۔“ ذوقی لب و لہجے میں کہتا ہوا وہ مقصوم کی تو جیسے جان ہی نکال گیا تھا، اس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی، جسے عارفین کے ساتھ ساتھ راجہ نے بھی نوٹ کیا تھا۔

”مقصوم میری جان! طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟“ انھوں نے فکر مندی سے کہتے ہوئے اس کے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔

”جی..... جی امی!“ زبان لڑکھڑاکے رہ گئی تھی۔

”نہیں مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے، سفر بھی تو بہت لمبا کر کے آئے ہو تم لوگ ایسا ہے کہ ابھی جا کر آرام کرو، پھر شام کی چائے پر ملاقات ہوتی ہے، اور ہاں آج رات کا ڈنر بڑی بھائی کے ہاں رکھا گیا ہے، انھوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا ابھی جاؤ کچھ دیر آرام کرو، فریش ہو، میں گرم گرم کافی بھیجواؤں ہوں۔“ دونوں کو شفقت سے دیکھ کر مسکرا کے بچن میں جانے لگیں، وہ بیڈ پر رکھے سوٹ کیس میں سے اپنے اور عارفین کے کپڑے نکال نکال کر وارڈروب میں سیٹ کر رہی تھی۔

”جب طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آرام کرو، بعد میں ہو جائے گا یہ سب۔“ عارفین واش روم سے نکلا تو لیہ سے اپنے بال خشک کر رہا تھا، مقصوم کی نگاہ اوپر اٹھی اور اتنی تیزی سے نگاہ جھکانی پڑ گئی کیونکہ عارفین نے بلیک ٹراؤزر پر کوئی شرٹ یا بنیان نہیں پہنی ہوئی تھی، اس کے کسرتی بازو بہت نمایاں ہو رہے تھے، مری، اسلام آباد وغیرہ کی فضا و ماحول نے اس پر خاصا اچھا اثر ڈالا تھا، یہ تو پیہ تھا کہ وہ بلیک بیٹ ہے مگر اس کی کسرتی باڈی بلڈر جیسی جسامت دیکھ کر یقین بھی ہو گیا تھا۔

”سوئی! تم بہت خوش قسمت ہو۔“ جانے ایکدم یہ خیال کیسے ذہن میں آ گیا۔

”کہاں کھو گئی ہو؟“ اسے خیالوں سے چونکا دیا۔

”نہیں کچھ نہیں، بس یہ چند سوٹ رہ گئے ہیں پھر کام ختم کر کے آرام کر لوں گی۔“ وہ سوٹ ہاتھ میں لیے وارڈروب کی سمت بڑھ گئی، اس کی طرف سے تقریباً رخ پھیر چکی تھی دل جانے کیوں بے اختیار دھڑکنے لگا تھا، یا شاید اداس ہونے لگا تھا۔

”یہ لو، یہ کچھ گفٹس ہیں تم انھیں امی، بڑی مامی، چھوٹی مامی وغیرہ کو اپنے ہاتھ سے دے دینا۔“ بالکل قریب سے عارفین کی آواز پر وہ جیسے ہی پلٹی اس کے یوں پلٹنے پر عارفین کے ہاتھ سے وہ شاپرز کارپٹ پر گر گئے، وہ بری طرح گھبرا کے رہ گئی، عارفین کی اس قدر قربت پر اس کے رہے سبے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

”سو... سوری!“ اس کی اڑتی رنگت اس کا تنفس کا تیز چلنا اس کے دل کی دھڑکنوں کا یوں زور زور سے شور

کرنا، کچھ بھی تو عارفین سے چمپا نہیں تھا، بلکہ وہ مزید لطف اندوز ہونے کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھا کر مقصوم بالکل اس کے حصار میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

”لگتا ہے امی کی خواہش پوری کرنی پڑے گی، انھیں ہمارے بچے کھلانے کا بہت ارمان ہے تو کیا خیال ہے ساتھ دوگی میرا؟“ ایک تو عارفین کا حلیہ دوسرا اس کی بات دونوں نے مقصوم کے جسم سے جان نکالنی شروع کر دی تھی۔

”دیکھئے... آپ... مجھ سے دور رہیں... اور بھولیں نہیں کہ...!“

”نہیں بھولا میں کہ میں کسی کی امانت ہوں، جس میں تم معمولی سی بھی خیانت کرنے کی روادار نہیں ہو، آئی ایم رائٹ؟“ وہ تھوڑا اچھے ہوا تھا اس سے، اور وہ اسلام آباد والی بات کیسے بھول گیا، شاید محبت اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے چاہنے والوں کی ہر تکلیف وہ بات کو درگزر کر دیتے ہیں اور پھر مقصوم اس کے لیے کیا بھی، یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی، بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے گیلا تولیہ اس کے چہرے پر ڈالے وہاں سے ہٹ گیا تھا، مقصوم نے جلدی سے وہ گیلا تولیہ ہٹایا سامنے دیکھا عارفین بیڈ پر بلیٹک اوٹھے سونے کی تیاری کر رہا تھا اس کی رکی سائیں بحال ہوئیں۔

”پلیز لائٹ آف کر دو، مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔“ سپاٹ لب و لہجے میں کہتا ہوا وہ کروٹ بدل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عارفین کا موڈ سوئی کے ذکر پر خراب ہو گیا ہے، مگر وہ بھی کیا کرتی یہ بھی تو سچ تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے عارفین کی زندگی سے چلے جانا تھا، وہ پھر کیوں اپنی آنکھوں میں خواب سجالے، جس کی تعبیر ہی کوئی نہیں تھی، کتنی ہی دیر وہاں کھڑی رہی تھی، جب ٹانگیں سل ہونے لگیں تو وہ دھیرے سے چلتی ہوئی بیڈ پر سوتے عارفین کے قریب آٹھری، کس قدر معصوم لگ رہا تھا وہ سوتے ہوئے، اس سے پہلے کہ وہ اٹھ جاتا وہ وہاں سے ہٹ گئی اور لائٹ آف کیے کمرے سے ہی نکل گئی، جسمانی ٹھکن سے زیادہ ذہنی ٹھکن زیادہ محسوس ہوتی تھی۔

☆.....☆.....☆

”حرا... حرا!“ حرا اپنے روم میں وارڈروب میں اپنے کپڑے سیٹ کر رہی تھی کہ زرمیل چلا آیا، ہاتھ میں کوئی پیکٹ تھا۔

”جی زرمیل بھائی!“ وہ اپنا کام چھوڑے پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔

”یہ لو جلدی سے اوپر ڈالے کو دے کر آؤ، اسے کہنا کہ آج رات وہ اس ڈریس کو پہن کے آئے۔“ اس نے وہ خاک کی پیکٹ آگے بڑھایا۔

”تو بھائی! یہ کام آپ بھی کر سکتے ہیں، مجھے کباب میں ہڈی کیوں بنارہے ہیں؟“ وہ شرارت سے دیکھتے ہوئے چھیڑنے لگی۔

”زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے، جاؤ ورنہ ابھی پٹ جاؤ گی۔“ اس نے شرارت سمجھتے ہوئے ایک چپٹ اس کے سر پر لگائی اور پیکٹ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس کا بازو تھا سے باہر نکلا اور رخ اوپر کی سمت موڑ دیا۔

”زرمیل بھائی! تھوڑا اپنا کمرہ سمیٹ تولوں۔“

”نہیں بعد میں، پہلے میرا کام۔“

”اوف ہو.... آپ بھی پورے دیوانے ہیں“۔ وہ مسکراتی ہوئی اوپر بڑھی۔
 ”ہم.... کیا میں آندر آ سکتی ہوں؟“ ڈالے نہا کر نکلی تھی، اپنے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔
 ”ارے حرا! آڈا جازت کیوں مانگ رہی ہو؟“ ڈالے نے برش ڈرینگ ٹیبل پر رکھا اور حرا کے پاس آئی تھی۔

”بھئی! پہلے تو اپنی امانت پکڑو“۔ اس نے جھٹ وہ خاکی لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔
 ”ارے... ارے... یہ کیا ہے بھئی؟“ وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

”یہ زرمیل بھائی نے تمہارے لیے بھیجا ہے، آج رات کے ڈنر پر اسے پہن کے نیچے آنا، اب میں ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے، اپنا کمرہ سیٹ کر کے رات کی تیاری بھی کر رہی ہے۔“ وہ پھڑکی نہیں یہ جاوہ جا، ہم کہیں وہ واپس ہی نہ کر دے پہلے کی طرح، مگر اس کی سوچ کے برعکس ڈالے کے گلابی ہونٹوں پر مسرور مسکراہٹ رہنکی تھی، ہنر آ نکھوں کی اسکرین پر وہ بیٹے دو دن گردش کرنے لگے، انگ انگ میں عجیب خوشی کی لہر دوڑی تھی، دل سریلی تال میں دھڑکنے لگا تھا اس نے وہ خاکی لفافہ کھولا اس میں سے نہایت قیمتی حسین مہنگا سوٹ نکالا تھا، اس نے پورا سوٹ کھولا، دھانی نیٹ کی خوب گھیر والی فراک جس کے گلے ڈارک گرین ویلوٹ کا کپڑا لگا کر کڑھائی کی گئی تھی، فراک کے پورے بارڈر پر بھی یہی کام تھا، پوری فراک پر گولڈن و سلور چھن ڈالے گئے تھے، اس نے دوپٹہ کھولا پورے دوپٹے پر گرین ویلوٹ کی ایپلک تھی چوڑا دار پاجامے کے ساتھ یہ سوٹ نہایت خوبصورت لگ رہا تھا، زرمیل کی پسند لا جواب تھی، اس نے وہ سوٹ خود سے لگا اور قد آور آئینے میں دیکھا تو خود اپنے آپ سے ہی شرمائی، ایسا لگا جیسے زرمیل سامنے کھڑا اسے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ رات کو سب ڈنر کے لیے تیار تھے، باری باری نیچے آ رہے تھے، راجہ، مقبوضہ عارفین سب سے پہلے نیچے آ گئے تھے، نجمہ اور سلیم احمد بھی رضا کو لیے نیچے آ گئے تھے، فہیم احمد ابھی تک آفس سے نہیں آئے تھے آسیر نے سارے انتظام کروائے تھے۔

”ڈالے! جلدی کرو، سب نیچے پہنچ گئے ہیں“۔ ثمرن نے ڈالے کے بیڈروم کا دروازہ بجایا تھا۔

”ثمرن بھائی! ایک منٹ آرہی ہوں“۔ عجیب سی جھجک و شرم نے اس کو اپنے ارد گرد گھیر لیا تھا، پہلے تو وہ اس قدر حسین نہیں لگی تھی جتنی آج اس وقت لگ رہی تھی، چہرے پر سوائے فیئر اینڈ لولی کے اور گلابی ہونٹوں پر لالہ سی پینک لپ اسٹک، ہنر آنکھوں کو کاجل سے سجائے اس کے علاوہ اور کوئی میک اپ نہیں کیا تھا، بالوں کو آدھ باندھے بانی کے پشت پر کھلے چھوڑ دیئے تھے، جیولری کے نام پر کان میں چھوٹے چھوٹے میچنگ آؤیز نے کھڑکی ناک میں ڈانڈنڈ توڑ پین جس سے چہرہ خوب نکشکارے مارتا تھا، بس یہی دو چیزیں اس کے وجود کی زینت تھیں۔ وہ باہر آئی مگر ثمرن جاچکی تھی، اب نیچے اکیلے کیسے جائے کیونکہ سب سامنے ہی بیٹھے ہوں گے اور یقیناً بالکل سامنے زرمیل بیٹھا ہوگا اس کا انتظار شدت سے کر رہا ہوگا، بالا خر گھبرائی ہوئی دل کو مضبوط کرتی اپنی حالت پر قابو پاتی وہ آگے بڑھی تھی، نگاہیں جھکائے وہ آدھی سیڑھی تک ہی پہنچی تھی، جیسے ہی نگاہ اٹھی بالکل سامنے زرمیل اپنے سرخ کاج میں محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر لیے اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا، بس اس کی ساری ہمت ٹوٹ گئی اس کے قدم وہیں ٹھم گئے دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

”ارے میری جان! آگئی تم.... وہاں کیوں ٹھہر گئی ہو آؤ!“ آسیر اسے دیکھتے ہی خود آگے بڑھیں، سب کی ہی نگاہیں ان کی سمت تھیں، بلکہ عارفین نے تو باقاعدہ ٹھوکا بھی مارتا تھا، زرمیل کے یوں ٹپکتی باندھ کر دیکھنے پر۔

”تو جی اس لیے ڈر گئی ہے“۔ ڈالے کے رک جانے پر اور زرمیل کے یوں چاہ سے بغور دیکھنے پر عارفین نے چوٹ کی تھی، مگر وہ زرمیل ہی کیا جو عارفین کی بات پر کان دھلے۔

”بڑا ہی بے غیرت ہے، بچی ڈر ڈر کے مری جا رہی ہے اور تو گھورنے سے باز نہیں آ رہا“۔

”مسٹر! میں بچی کو گھور رہا ہوں، تجھے کیوں جلن ہو رہی ہے؟“ زرمیل نے دوبارہ جواب دیا۔

”اب سمجھ میں آئی کہ وہ اب تک تیرے پاس آ کیوں نہیں رہی ہے“۔

”کیا مطلب؟“

”مری میں تم دونوں نے دو دن ایک ساتھ ایک ہی بیڈروم میں گزارے تھے ناں، تجھ جیسے جن کے قبضے میں

محض دم سی پری کا کیا حال ہوا ہوگا، اس کا نتیجہ سامنے ہے“۔ عارفین کے لیوں پر دھیمی سی شریر مسکراہٹ تھی، زرمیل

اس کی بات کا مطلب سمجھ کر بری طرح اسے گھورنے لگا تھا۔

”میں بہت سخت جان ہوں، ڈالے کی طرح مجھے اپنی ان بڑی بڑی آنکھوں سے ڈرانے کی کوشش مت

کرنا“۔

”بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ نہ صرف تو سخت جان ہے، بلکہ اول درجے کا ڈھیٹ بھی ہے“۔ زرمیل کے

تھے ہوئے انداز پر عارفین نے جاندار قہقہہ لگایا تھا، اس کے یوں بلاوجہ قہقہہ لگانے پر سب کی نظر بے اختیار اس

پر اٹھی تھی۔

”بیٹا! خیریت تو ہے ناں؟“ سلیم احمد نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا، جس پر وہ کچھ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

”جی چھوٹے ماموں، بس وہ زرمیل نے جو کہ ہی کچھ ایسا نایا تھا۔“

”اچھا یقین نہیں آتا“۔ انھوں نے بے یقین نظروں سے سنجیدہ سے زرمیل کو دیکھا تھا۔

”نہایت ہی خبیث انسان ہے تو“۔ زرمیل نے آہستہ سے دانت پیس کر عارفین کو گھور کے کہا تھا اور اس

سے پہلے کہ وہ مزید نشانہ بنائوں کہ بہانے سے کھڑا ہو گیا تھا، کب کی رکی ہوئی سانس زرمیل کے جانے سے

بجال ہوئی تھی۔

”آج میں نے سارا کھانا ڈالے کی پسند کا بنوایا ہے“۔ آسیر نے دلار سے اسے دیکھا تھا۔

”اٹس ناٹ فیئر بڑی مائی! یہ تو سراسر نا انصافی ہے“۔ عارفین نے کچھ منہ بنا کے کہا تھا۔

”کیسی نا انصافی عارفین بیٹا!“ آسیر نے ناسمجھ نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا۔

”یہی کہ آج کا سارا کھانا ڈالے کی پسند کا بننا ہے“۔

”ارے نہیں عارفین! آپ کو بھی آج کا کھانا بہت پسند آئے گا“۔ وہ تھوڑا گھبرا سی گئیں، وہ نہیں چاہتی تھیں

کہ نادانستگی میں بھی ان کی طرف سے کسی کی دل آزاری ہو۔

”مگر اسٹیل گیٹ تو ڈالے ہوئی ناں؟“ عارفین فل مذاق کے موڈ میں تھا، جان بوجھ کر ڈالے کو اسانے

کی کوشش کر رہا تھا، جس میں ناکام ہی رہا تھا۔

”نہیں چاند! میرے لیے اس گھر کے سارے ہی نیچے اہم اور برابر ہیں بس ذرا ڈالے کی بات کچھ اگ

ہے“۔ انھوں نے مسکرا کے ڈالے کو دیکھا تھا۔

”اب تو مجھے ڈالے سے اور جیسی فیل ہو رہی ہے“۔ عارفین سو فیصد ڈالے کو چڑا رہا تھا، ڈالے جو بڑی

مشکل سے بڑوں کی موجودگی کا خیال کر رہی تھی اس بار بری طرح عارفین کو گھورنے لگی جیسے ثابت سالم ہی نگل

جائے گی۔

”ارے باپ رے ڈالے کو غصے آ رہا ہے۔“ عارفین ڈرنے کی ناکام ایکٹنگ کرنے لگا تھا، ڈالے کے گھورنے پر۔

”عارفین! اگر ڈالے خاموش ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے تنگ کرو۔“ رابعہ نے عارفین کو تنبیہ تھی۔

”اوکے نہیں تنگ کرتا، ورنے بھی یہ ڈیپارٹمنٹ تو کسی اور کا ہے۔“ ڈالے اس کی ذومعنی بات سمجھتی تھی۔

”آج عارفین بھائی ضرورت سے زیادہ بے لگام ہو رہے ہیں، اور ڈالے! اٹو خاموش ہے، کچھ بول کیے نہیں رہی ہے۔“ حرا کو بھی ڈالے کی خاموشی ہنسنے نہیں ہو رہی تھی۔

”یہ سب تو یوں ہی چلتا رہے گا میں کھانا لگوانی ہوں۔“ آسیہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں اور کچن کی جانب جانے لگیں۔

”جاؤ ڈالے! آپ بھی کچھ ہیلپ کرواؤ۔“ نجمہ نے آسیہ کو جاتے دیکھ کر فوراً ڈالے کو حکم دیا، ڈالے

عارفین کو گھورتی ہوئی اٹھی تھی، چہرے کا تاثر بتا رہا تھا جیسے بول رہی ہو آپ کو تو میں بعد میں دیکھ لوں گی، اس کے پیچھے مقصوم بھی کھڑی ہو گئی تھی ثمرن رضا کو سنسنا رہی تھی۔

حرا نے کانچ کی پٹینیں وغیرہ ٹیبل پر رکھ دیں، مقصوم ڈشز میں سالن نکال کر رکھ رہی تھی، جس کی آسیہ بھی

ہیلپ کر رہی تھیں، اتنا بڑا گھر تھا مگر بقول یہاں مردوں کے ملازم سے ہر کام کروالیں سوائے بچن میں کھا

بنانے کے اس لیے بچن کی کوکنگ اس گھر کی خواتین ہی کرتی تھیں۔

”ارے گلاس تو یہ کم رہیں گے ڈالے بیٹا! اسٹور میں گلاس کا ایک نیا سیٹ رکھا ہوا ہے، تم وہ جا کر لے آؤ۔“

آسیہ نے باقی گلاس جمع کر کے ٹرے میں رکھے تو انھیں کم لگے تھے، اس لیے بچن سے ملحق اسٹور میں ڈالے

بھیجا، وہ وہاں چلی آئی۔

”مامی جان! آپ جا کر وہاں بیٹھیے باقی سب ہم کر لیں گے۔“ مقصوم نے آسیہ کے ہاتھ سے ٹرے لی تھی۔

”جی ہاں۔“ وہ اس کو دعائیہ حرا کو کچھ ہدایت دیتی ہوئی ان لوگوں میں جا کر بیٹھ گئیں، حرافرت کی جانب

بڑھی تاکہ ساری سلاد اور میٹھا نکالے۔ ڈالے نے ادھر ادھر نظریں گھمائی تو بالکل سانسے ہی گلاس کا سیٹ نظر

آ گیا تھا، وہ اسے لینے کے لیے آگے بڑھی کہ کسی نے پیچھے سے اسے ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا اور اس کا رخ

اپنی سمت موڑا تھا، وہ کہاں اس اچانک افتاد کے لیے تیار تھی، یہی وجہ تھی کہ زر میل کے پہاڑ جیسے وجود کا حصہ بنی

تھی، وہ خود کو سنسنا رہی تھیں، اور زر میل اسے مزید کھینچنے لگا تھا، اس کے چہرے اس کی گردن پر

دپوانہ وار اپنے جنون و محبت کی ایک نئی تحریر رقم کرتا چلا گیا تھا زر میل کی اس بے باکی پر اس کے ہاتھ پیر پھولنے

لگے تھے، اس کا سانس ٹھہرنے لگا تھا، دل تو جیسے حلق میں آ کر زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، جیسے ابھی باہر آ جائے گا

اس کی نازک جان بہت مشکل میں پڑ گئی تھی۔

”زر... زر میل... چھوڑیں۔“ وہ اپنا بچاؤ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، اپنے دونوں ہاتھ اس

کے سینے پر رکھے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر زر میل پر تو جیسے جنون سا سوار تھا، اسے اپنے

حصار میں مضبوطی سے قید کیے اس پر اپنے پیار کی موسلا دھار بارش کر رہا تھا۔

”آئی کوئی ڈالے... زر میل کو تو سوچ... مت دور جایا کرو مجھ سے۔“

”زر میل! چھوڑیں مجھے، کوئی آ جائے گا پلیز۔“ زبان بری طرح لٹو کھڑا کے رہ گئی تھی، چہرے کی رجھت حد

درجہ سرخ ہو گئی تھی، جیسے وہاں سے ابھی خون جھلک پڑے گا۔

”پہلے وعدہ کرو مجھے چھوڑ کے نہیں جاؤ گی۔“ اس کے کپکپاتے لبوں پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی، وہ پوری

جان سے گھبرا کے رہ گئی، حیا سے شرم کے مارے لگا ہیں نہیں اٹھ رہی تھیں اس کی دونوں ہتھیلیاں زر میل کے

چوڑے سینے پر دھری تھیں وہ جتنا دور ہونے کی کوشش کرتی، زر میل مزید اسے خود میں سمیٹ لیتا۔

”اوکے... آ... آ... آپ مجھے چھوڑیں... پلیز... پلیز... زر میل... میں مر جاؤں گی۔“ اس کی سبز

آنکھیں جھلک پڑیں، ڈر بھی تھا کوئی اس طرف آنے جائے، زر میل نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، پھر اس پر

رحم کھاتے ہوئے آہستگی سے اس کی کمر سے اپنے دونوں بازو بٹائے، مگر اس کے دونوں بازو پکڑ کے اسے اپنے

مقابل کیا تھا۔

”بہت خوبصورت لگ رہی ہو، دیکھ لو مجھ سے رہنا نہ گیا، مگر یہ تو ابھی میرے پیار کی ایک جھلک تھی، آج رات

تم میرے پاس میرے بیلڈروم میں آؤ گی تو بتاؤں گا کہ میرے دل میں تمہارے لیے کس قدر محبت ہے، حالانکہ

مری کے ہونٹ میں اس کا ثبوت دے چکا ہوں، لیکن یقیناً کچھ تو کی رہ گئی ہے میری محبت و چاہت میں کہ تم ابھی

بھی مجھ سے دور ہو، مگر آج رات وہ کی بھی پوری کر دوں گا، ساری فکشی مٹا دوں گا بولو! انہیں جاؤ گی ناں آج؟“

زر میل نے اس کا سرخ چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کے اوپر اٹھایا تھا۔

”ڈالے! گلاس مل گئے؟“ حرا نے وہیں بچن سے ہانک لگائی تھی اور اگر وہ یہاں آ گئی تو وہ تو شرم سے

زمین میں گر جائے گی۔

”آں... ہاں... مل گئے۔“ وہ گلاس اٹھانے کے لیے جانے لگی مگر زر میل نے اسے نہیں چھوڑا۔

”ہوں... اوں... پہلے وعدہ کرو، آج نہیں جاؤ گی۔“

”زر میل! مجھے جانے دیں ورنہ حرا یہاں آ جائے گی۔“

”پہلے پروس؟“ اس نے پر شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر انگلیاں پھیریں۔

”ڈالے!...“ حرا کی پھر آواز آئی تھی، وہ شاید اندر آ رہی تھی۔

”اوکے... پروس... میں نہیں جاؤں گی۔“ ابھی تو جان چھڑانے کو اس کی مانتی ہی تھی، زر میل نے

جھک کر اس کے رخسار پر بوسہ لیا اور ”ٹھیکس“ کہہ کر چھوڑ دیا۔ ڈالے نے تیزی سے گلاس اٹھائے اور بغیر اس

کی طرف دیکھے بچن سے نکل گئی تھی کہ اگر کچھ مڑ کے دیکھے گی تو کہیں پتھر کی نہ بن جائے۔

”یہ... رہے گلاس۔“ پھولی ہوئی سانس میں کہا تھا۔

”ارے یہ نہیں کیا ہوا، تم اس قدر سرخ کیوں ہو رہی ہو، تمہارا سانس اتنا کیوں پھول رہا ہے؟“ حرا کو اس

کی غیر حالت پر تشویش ہوئی تو مقصوم نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

”ارے ہاں ڈالے! سب خیریت ہے ناں؟“ مقصوم نے فکر مندی سے اسے دیکھا اور اس کا شانہ تمام لیا

تھا، اسی اثنا میں پیچھے اسٹور روم کے دروازے سے زر میل برآمد ہوا، آہٹ پر حرا اور مقصوم نے اس سمت دیکھا تھا،

ڈالے تو جانتی تھی کہ پیچھے کون آ کر کھڑا ہوا ہے۔

”ارے زر میل بھائی! آپ اسٹور روم میں کیا کر رہے تھے؟“ حرا نے زر میل کو نا سبھی کے عالم میں دیکھا

تھا۔

”کچھ نہیں میں اپنی پرانی الیم ڈھونڈنے آیا تھا۔“ وہ ڈالے کے برابر میں آٹھرا تھا اس کے اس طرح برابر میں بالکل نزدیک آ کر ٹھہرنے پر ڈالے کے ہاتھ سے گلاس کا سیٹ چھوٹ گیا، کانچ کے چھ کے چھ گلاس ٹوٹ کے ادھر ادھر بکھرتے چلے گئے تھے۔

”ڈالے! آؤ آل رائٹ؟“ حرا اور مقوم دونوں پیچھے ہٹی تھیں، جبکہ ڈالے خود بھی بری طرح گھبرا کے رہ گئی تھی، اتنے گلاس ٹوٹنے کی آواز پر گھر کے سب افراد ہی دیں پن میں جمع ہو گئے، آسیہ تیزی سے ڈالے کے پاس آئی تھیں، وہ معاملہ سمجھ گئی تھیں۔

”ڈالے میری جان! تم ٹھیک ہونا؟“

”جی.... وہ بڑی می....!“ گھبراہٹ کے مارے منہ سے الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔

”ڈالے نہایت افسوس کی بات ہے کہاں دھیان تھا تمہارا، نئے گلاس سارے ہی توڑ دیئے۔“ نجمہ بیگم کو بہت ناگوار گزری تھی ڈالے کی یہ لاروائی انھوں نے سب کے سامنے ہلکے سے ڈانٹ دیا تھا۔

”نہیں نجمہ! تم ڈالے کو بالکل نہیں ڈانٹو گی چیزوں کا کیا ہے ٹوٹی ہیں پھر آ جاتی ہیں، یہی بہت ہے کہ بچی کی جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔“ آسیہ نے سختی سے نجمہ کو ٹوک دیا تھا۔

”تو اور کیا.... آسیہ بھائی! آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں اور پھر کانچ ٹوٹا تو اچھا شگون مانا جاتا ہے، مصیبت مال پر آ جائے جان بچ جائے یہی اچھا ہے۔“ رابعہ بھی شرمندہ شرمندہ ڈالے کے پاس آئی تھی۔

”واہ میرے مولا! ایک نہ شد و شد۔“ عارفین نے پن کی چھت کی طرف چہرہ اٹھایا تھا۔

”مطلب....؟“ ثمرن نے عارفین کو دیکھا۔

”مطلب یہ ثمرن بھائی! کہ ڈالے کے اس نقصان پر ٹھیک ٹھاک گلاس لینی چاہیے۔“

”اور پتہ ہے میرا دل کیا چاہ رہا ہے؟“

”کیا....؟“ اس نے ثمرن کو دیکھا تھا۔

”یہی کہ تمہارے ایک ہاتھ لگا ہی دوں، جب سے ڈالے آئی ہے، تم تب سے ہی بے چاری کو تنگ کیے جا رہے ہو۔“ ثمرن اب کے برداشت نہیں کر سکی اور عارفین کو جھاڑ دیا تھا۔

”اور اس بے چاری کے کام تو دیکھئے۔“ اس نے فرش پر ٹوٹے بکھرے کانچ کے گلاس کی سمت اشارہ کیا تھا، اس بار ڈالے سے برداشت نہیں ہوا اس کی سبز آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر موتی رخسار پر بکھرتے چلے گئے تھے، اب باری سب کی گھبراہٹ کی تھی، بلکہ عارفین تو صحیح معنوں میں ڈر گیا تھا، کچھ بھی تھا مگر اس کا ارادہ ڈالے کو رُلانے کا تھا نہ ہی اس کا دل دکھانے کا۔

”آئی ایم سوری.... ڈالے! آئی سویر.... میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں تھا، میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔“

”عارفین! اسٹاپ اٹ بہت ہو گئی، حد ہوتی ہے مذاق کرنے کی بھی، آخر کو رُلایا ہی دیا ناں ڈالے کو تم نے۔“

رابعہ نے بری طرح عارفین کو ڈانٹ دیا تھا۔

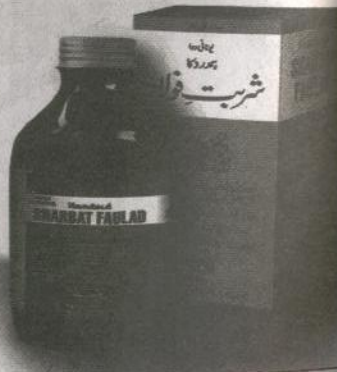
”آئی ایم سوری امی!“ وہ واقعی میں بہت شرمندہ ہو گیا تھا اور شرمندہ شرمندہ ساسر کو جھکائے آنسو بہاتی ڈالے کے پاس آٹھرا تھا۔

(جاری ہے.....)

ہمدرد کا شربت فولاد

بوند بوند میں فولاد

مضبوط رکھے جیسے فولاد



بچوں بڑوں میں سبھی کے لئے نہایت مفید و موثر

ذہنی و جسمانی طاقت کے لئے ہمدرد کا شربت فولاد جس کی بوند بوند میں ہے فولاد کی طاقت۔ خاندان کے ہر فرد کے لئے شربت فولاد جو رکھے دن بھر چاق و چوبند۔

■ بچوں صحت کے لئے

■ بیماری کے بعد کمزوری دور کرے

■ زمانہ حمل میں موثر

ہمدرد

امبر آگن شامل

مکمل ناول

زندگی میلر کا کیت ہے

”ماہر! مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی۔“ اس نے کافی کا کپ ماہر کے سامنے ٹیبل پر رکھا اور خود صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔
”کون سی بات؟“ ماہر آج کا اخبار پڑھنے میں محو تھا، صبح آفس جاتے ہوئے اتنا نام نہیں ہوتا تھا کہ وہ پورا اخبار پڑھ سکے، سو آفس سے واپس آ کر وہ اپنے اس شوق کو پورا کرتا تھا۔



”یہی کہ صدف بھابی اور شائف بھائی کی لڑائی ہر وقت کیوں ہوتی ہے، میں جب بھی ان کی طرف ہوں بس صدف بھابی کے پاس ایک ہی موضوع ہوتا ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟“ اس نے بہت حیرت پوچھا، جیسے میاں بیوی کے درمیان لڑائی ہونا بہت اچھنے کی بات ہو۔

”مسز نیناں ماہر! اب ہر ایک لڑکی کو نیناں کے شو ہر جیسا شخص تو نہیں مل سکتا ناں، صابر و شا کر رہنے لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور۔“ اخبار کے پیچھے سے ماہر کی شرارت بھری آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

”اور کیا نیناں جیسی وائف مل سکتی ہے ہر کسی کو؟“ اس نے سوال کر ڈالا۔

”ہرگز نہیں۔“ ماہر نے برجستہ کہا اور پھر دونوں مسکرا دیئے۔

”لیکن ماہر! پھر بھی کچھ تو وجہ بتاؤ ناں، ان کے اس طرح جھگڑتے رہنے کی؟“ وہ ایسے پوچھ رہی تھی کہ ماہر کے پاس ہر سوال کا جواب ہوگا۔

”یار! ایک ہی وجہ ہے Lack of Understanding۔“ ماہر نے شانے اچکاتے ہوئے نار کہا۔

”حیرت ہے ان کی شادی کو پانچ سال ہو گئے اور ابھی تک ان کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہو پائی اس نے حیرت سے کہا اور کھڑی ہو گئی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“ ماہر نے اخبار کے صفحے رول کیے اور نیناں کی طرف دیکھا۔

”بادشاہ سلامت کے لیے کھانا بنانے کے لیے کچن۔“ نیناں نے مسکرا کر کہا۔

”اوں.... کیا بنا رہی ہو؟“ ماہر نے پوچھا اور وہ اخبار ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا۔

”فش پلاؤ اور آلو کی بھیجا۔“ نیناں نے کہا اور کچن کی طرف چل دی۔

”اوکے تم کھانا بناؤ، میں سلمان کی طرف سے ہو کر آتا ہوں، آج وہ آفس بھی نہیں آیا تھا اور میں گھر باہر سے لاک کر کے جا رہا ہوں۔“ ماہر یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا اور نیناں کچن کے کام میں مصروف ہو گئی،

”کی واپسی رات نو بجے ہوئی، ماہر کو نیناں کھانے کی میز پر انتظار کرتے ہوئے ملی۔

”میں جانتا تھا میری پرنسز میرا انتظار کر رہی ہوگی، سو سلمان کے لاکھ کہنے پر بھی میں نے ڈنروہاں نہیں کیا۔“ وہ کہہ کر کچن میں گیا سنک میں ہاتھ دھوئے اور واپس آ کر چیئر بچھ کر بیٹھ گیا۔

”کھانا تو کب سے تیار کر لیا تھا اور فارغ بیٹھ کر تمہارا انتظار کیا۔“ نیناں پلیٹ میں پلاؤ نکالتے ہوئے بولی۔

”میں جانتا ہوں مگر سلمان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے اس کے پاس بیٹھنا پڑا، سوری یار! آئی رینکلی سوری!“ وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔

”کوئی بات نہیں، اب میں بھی میکے جاؤں گی تو تین کی جگہ پانچ دن رکوں گی، حساب برابر ہوگا ایسے“ نیناں نے اس کی شرمندگی کو زائل کرنے کے لیے بات گھما دی۔

”تو دے.... ایسا نہیں چلے گا۔“ ماہر نے انکار یہ گردن ہلائی، اور نیناں اس کے اس طرح کہنے پر ہنس دی۔

☆.....☆.....☆

”نیناں یار! کہاں ہو؟“ صبح آفس جانے کے لیے وہ تیار ہو رہا تھا، جب اسے میچنگ ٹائی ڈھونڈنے سے

بھی نہیں ملی تو آخر کار نیناں کو آواز دہنی پڑی۔

”چکن میں ہوں، ایک منٹ آئی۔“ چائے کی ٹیبل میں اٹھ بیٹے ہوئے بولی۔

”نیناں! جلدی آؤ.... یہ رو رہی ہے۔“ وہ جھنجھلا گیا تھا۔

”آگئی اب کہو!“ اس نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں پورا کمرہ بکھر اڑتا تھا، پورے بیڈ پر الماری کے سارے کپڑے دھرے تھے، ہر کمر کی ٹائی کا پرٹ پہ پھرنی پڑی تھی، ڈریسنگ ٹیبل پر ہر چیز اڑی پڑی تھی۔

”ماہر! کمرے کا کیا حال کر دیا تم نے، ٹائی نہیں مل رہی تھی تو مجھے بتا دیتے، میں ڈھونڈ دیتی، اب صفائی کرنے میں کتنی مشکل ہوگی۔“ نیناں نے کمرے میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”کمرے کی تم فکر مت کرو، صرف مجھے ٹائی ڈھونڈ دو۔“ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

”اوکے بابا! ابھی ڈھونڈ دیتی ہوں اور کمرے کی فکر کیسے نہ کروں، کیا بوتل کا جن آ کر مجھے کمرہ صاف کر دے گا؟“ وہ الماری کی طرف بڑھ گئی اور اس کی بلیک گرے چپک کی ٹائی تلاش کرنے لگی، جو اس کی گرے شرٹ پر بہت چھتی تھی، تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ٹائی اسے کارپٹ پہ پھرنی ٹائیوں میں سے مل گئی۔

”نیناں! اگر تم نہ ہو تو میری اس پھرنی ہوئی زندگی کو کون سنوارتا؟“ نیناں نے ٹائی اسے تھمائی تو وہ مشکور ہوتے ہوئے بولا۔

”اگر تم نہ ہوتے تو میرا اتنا قد روان کون ہوتا؟ اور ابھی میں ناشتہ بنانے جا رہی ہوں ورنہ ٹائی استری کر دیتی، اب خود پر پس کر لو۔“ وہ یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی، وہ ٹائی لے کر اسٹینڈ کی طرف چلا گیا۔

کانی درگزر ہو چکی تھی، وہ ناشتہ ٹیبل پر لگا چکی تھی، مگر اب تک ماہر نیچے نہیں آیا تھا۔

”ماہر! جلدی آؤ.... تمہیں دیر ہو جائے گی، ناشتہ تیار ہے۔“ نیناں نے اسے آواز دی تو تھوڑی دیر میں ہی وہ آفس بیگ لیے بالکل تیار ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھا۔

”جب آپ جیسی وائف ہو سنا تھا تو دیر کیسے ہو سکتی ہے۔“ وہ اسے ناز سے دیکھتے ہوئے گلے میں جوس نکالنے لگا۔

”اور کچھ...؟“ وہ اسے ناشتہ سرو کرنے لگی۔

”ہاں! بہت کچھ...!“ وہ شرارت سے بولا۔

”ہاں بولو!“ نیناں اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

”کہہ دوں.... پھر نہ کہنا کہ تمہیں شرم آنے لگی ہے۔“ وہ پھر پور شرارت کے موڈ میں تھا۔

”تو ہے ماہر! تم بھی ناں۔“ وہ واقعی شرم سے ہی لال ہو گئی تھی۔

”اس سے پہلے کہ تم لال ٹائٹل ہو جاؤ، میں ناشتہ ختم کر کے چلتا ہوں ورنہ واقعی دیر ہو جائے گی۔“ اس کا مکمل دھیان ناشتے کی طرف ہو گیا، آفس جاتے ہوئے وہ اسے گیٹ تک چھوڑنے آئی، ماہر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

”آئی لوو نیناں! آئی لوو سوچ۔“ ماہر نے اس کے ہاتھ پر پیار سے بوسہ دیا، وہ شرم سے لگانی ہو گئی اور وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔ نیناں خمار میں ڈوبی اندر آئی اور مسکراتے ہوئے کمرے کی طرف آئی کہ کمرے کی صفائی کر دے اور جب کمرے کا دروازہ کھولا تو دم بخود رہ گئی، ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ پڑی تھی، الماری کی

سینک اپنی جگہ پر تھی کوئی کپڑا باہر نہیں تھا، ڈریسنگ ٹیبل ترتیب سے تھا، بیڈ، صوفے، کٹن سب اپنی جگہ پر موجود تھے، ماہر کمرے کی صفائی کر کے گیا تھا۔

”اف تو یہ... تو ماہر نے اتنی دیر کمرے کو صاف کرنے کی وجہ سے لگا دی تھی“۔ وہ خود سے سوال کرنے لگی، اف کتنا خیال رکھتا تھا ماہر، ہر چیز میں ہر بات میں، وہ نہال نہ ہوتی تو کیا ہوتی، ماہر جیسے ہی آفس پہنچا نینال نے آفس کے نمبر پر کال کر دی۔

”دشکر یہ ماہر! ماہر نے جیسے ہی پہلو کیا اس نے کہا۔

”کس لیے؟“ ماہر نے پوچھا۔

”میری زندگی میں آنے کے لیے“۔ نینال نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا، ماہر کو نینال کی اس ادا پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

☆.....☆.....☆

کتنے دن گزر گئے تھے لاریب اس کی طرف نہیں آئی تھی اور نہ ہی کوئی فون کیا تھا، وہ ہر کام سے فارغ ہو کر لاریب کو فون کرنے لگی، فون کرنے پر پتہ چلا کہ لاریب یونیورسٹی ٹرپ پر لاہور گئی ہوئی تھی، اسے حیرت ہوئی کہ لاریب نے اسے کیوں نہیں بتایا؟ گھر میں وہ اکیلی اور فارغ تھی تو اسی کی طرف آ گئی۔

”السلام علیکم امی!“ جیسے ہی اس نے امی کے گھر میں قدم رکھا، امی صحن میں ہی تخت پر بی براجمان تھیں، کچن سے برتنوں کے گرے برسنے کی آوازیں آرہی تھیں، جس کا مطلب تھا صدف بھابی کچن میں مصروف تھیں، ریحان، امی کے ساتھ تخت پر بیٹھا موبائل میں کیم کھینے میں مصروف تھا، اور سنی پودوں کی کیاریوں کے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا۔

”علیکم السلام... آؤ، آؤ نینال!“ امی جو نزدیک کا چشمہ لگائے ایک اسلامی میگزین پڑھنے میں مصروف تھیں، فوراً متوجہ ہو گئیں اور تخت پر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

”اتنے دنوں بعد آئی... اور ماہر کیسا ہے؟“ امی نے دو سوال ایک ساتھ کر دیئے۔

”جی ماہر ٹھیک ہے، اور بس میں مصروف تھی گھر میں اس لیے نہیں آ سکی، میں بعد میں آپ کے پاس آ کر بیٹھتی ہوں، بھابی سے مل لوں“۔ وہ راحت بیگم کو جواب دے کر اندر کچن کی طرف آ گئی۔

”اوہو... بڑے لوگ آئے ہیں آج تو... آؤ بھی نینال!“ صدف نے اس کا مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔

”بڑے لوگ کہاں ہوں بھابی! کیوں شرمندہ کرتی ہیں“۔ وہ ان سے گلے مل کر بولی۔

”تم بہت لگی ہو نینال! صبح میں مجھے تمہاری زندگی پر بہت رشک آتا ہے، کیا مزے ہیں تمہارے اکیلا بندہ، اکیلا گھر، فل آزادی والی زندگی، نہ کوئی روکنے والا، نہ کوئی ٹوکنے والا، بلکہ تمہارا شوہر تو تمہاری ہر بات پر ہی واری صدمے جاتا ہے اور ایک ادھر ہمارے شوہر نامدار ہیں، کوئی بات مان کر نہیں دیتے“۔ ان کا کتھار س شروع ہو گیا، سنک میں برتن دھونے کے ساتھ ساتھ ان کا ولیم بھی فل اسپنڈ میں شروع ہو گیا تھا، نینال نے ایک جھرجھری سی لی۔

”پتہ ہے بھابی! آپ کا مسئلہ کیا ہے، آپ اور شائف بھابی ایک دوسرے کو صحیح سمجھ نہیں پا رہے، آپ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں، آپ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ شائف بھابی کیا چاہتے ہیں اور انھیں

سمجھانے کی کوشش کریں کہ آپ کیا سوچتی ہیں اور کیا چاہتی ہیں“۔ نینال بہت مخلصانہ ہو کر اسے سمجھانے لگی تھی۔

”ارے... اب تم چھوٹی ہو کر مجھے سمجھاؤ گی کہ میرا مسئلہ کیا ہے اور یہ کیسے حل ہوگا؟“ صدف کو تو آگ ہی لگ گئی تھی، اس نے نینال کی بات کا ٹ دی۔

”بھابی! میرا مقصد یہ نہیں ہے، آپ سن تولیں“۔ وہ آرام سے بولی۔

”ارے نینال بیگم! میری بات سنو! تمہاری شادی ہو گئی تو اس کا کیا مطلب ہے کہ تم سمجھدار ہو گئی ہو اور ہم بے عقل ہو گئے ہیں، برانہ ماننا مگر تمہاری اس لیاقت و سمجھداری کے پیچھے ماہر کا ہاتھ ہے، وہی کی معاملے کو سمجھنے میں دیتا اور نہ تم کہاں کی سمجھدار آئی“۔ صدف ہاتھ چانچا کر بڑے انداز سے بول رہی تھی، نینال سمجھ گئی کہ اب ان کے آگے کھڑے رہنا بے وقوفی ہے، سو وہ کچن سے نکل آئی۔

”امی! لاریب یونیورسٹی ٹرپ پر لاہور گئی اور اس نے مجھے بتایا نہیں اور نہ ہی آپ لوگوں میں سے کسی نے خبر دی؟“ وہ تخت پر امی کے برابر بیٹھتے ہوئے شکوہ کر بیٹھی۔

”تم اتنے دن آئی نہیں تو کیسے خبر دیتے؟ کل ہی تو وہ گئی ہے، پچھلے دنوں تو وہ پراجیکٹ بنانے میں مصروف تھی“۔ امی نے رسالہ سائیڈ پر رکھا۔

”تو فون ہی کر دیتے“۔ اس نے ریحان کے ہاتھ سے موبائل کھینچ لیا۔

”یہ تمہارے بھائی اور بھابی نے دماغ خراب کر رکھا ہے اتنے دنوں سے، تو ہم کیا کرتے فون؟“ امی کا اپنا رونا شروع ہو گیا تھا۔

”آئی! فون دیں ناں پلیز!“ ریحان نے التجا کی۔

”ایک شرط پر...!“ اس نے آنکھیں گھمائیں۔

”بولیں...؟“ وہ بے بس کھڑا تھا۔

”رحمت انکل کی دکان کے گول گپے کھلاؤ گے؟“ اس نے بچوں کی طرح کہا۔

”اوکے ابھی لا دیتا ہوں، موبائل دیں“۔ وہ موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر باہر نکل گیا۔

”تو بہ... منخوس ہے یہ موبائل کی لت بھی، ان لڑکوں کی توجان چلی جاتی ہے، سانس پڑ جاتا ہے جو ایک دو منٹ موبائل ان سے جدا ہو جائے“۔ امی جھجھکا کر بولیں۔

”اے! لویا یہاں ان کا بچپنا نہیں جاتا اور چلی ہیں مجھے سمجھانے“۔ کچن میں صحن کی ساری آوازیں جاری تھیں وہ ریحان اور نینال کی باتیں سن چکی تھی باہر آ کر طنز یہ بولی اور مسکرائی۔

”گلتا ہے سنی تمہارے مئی پاپا کی بہت سخت لڑائی ہوئی ہے تب ہی تمہاری مماتی آگ اگل رہی ہیں“۔ وہ سنی کے پاس کیاری کی قریب بیٹھ گئی۔

”ہاں...“ پاپا نے گلاس توڑ دیا اور غصے سے چلے گئے۔ چار سالہ سنی نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں جملہ پورا کیا۔

”خاموش... بدتمیز... جاؤ یہاں سے، اپنا کام کرو“۔ صدف نے غصے سے اسے گھورا تو سنی منہ سورتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔

”تم کیا بچوں سے چہ میگوئیاں لیتی ہو، ڈائریکٹ مجھ سے پوچھ لیتیں تو میں ہی بتا دیتی، آج صبح ہی شائف

سے زبردست لڑائی ہوئی۔“ صدف اسے لٹاڑتی ہوئی خود ہی پوری کہانی سنانے لگی۔

”اور نیناں! اس سے پوچھو کہ کس بات پر لڑائی ہوئی؟“ راحت بیگم کو فٹ سے بولیں۔

”امی! وہ بات آپ کے لیے چھوٹی ہوگی مگر میرے لیے نہیں، اب نیناں! تم خود ہی انصاف کرو، جس ایک ماہ پہلے میں نے شائف سے کہا کہ میرے کزن کی شادی ہے حیدر آباد میں اور میں جانا چاہتی ہوں تو شائف صاف منع کر دیا اور کل لاریب کو لاہور جانے دیا، ایک ہی گھر میں فیصلوں میں اتنا تضاد اتنی ناانصافی، ایک جوان لڑکی کو کیسے یونیورسٹی ٹور پر جانے دیا، جبکہ مجھے فیملی کی شادی میں بھی جانے سے منع کر دیا۔“ اب صدف نے باقاعدہ داستان غم سنانے کے ساتھ ساتھ رونا شروع کر دیا۔

”ہاں امی! یہ تو ناانصافی ہے جب بات اصول کی ہو تو انصاف دونوں طرف ہونا چاہیے۔“ نیناں کا دودھ بھائی کی طرف تھا، صدف نے مزید مسکینی صورت بنائی۔

”اے! بھو! مجھے مت سناؤ، میں نے تمہارے شوہر کو نہیں روکا، تمہیں کہیں بھیجنے سے، اور بات سنو نیناں شائف نے ناحق اسے منع نہیں کیا بلکہ ان دنوں سنی کے پیپر ز چل رہے تھے اور اسے ابھی تو یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوا دیا ہے، پھر اتنی چھٹیاں ہو جاتیں تو بچہ پڑھائی سے جاتا۔“ راحت بیگم نے پورا قصہ کہہ سنایا۔

”امی! سنی پریپ میں ہے کوئی M.B.B.S نہیں کر رہا، جو پڑھائی کا حرج ہوتا۔“ صدف تو ہمیشہ طرح کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی، اسے صرف اپنی دلیل ہی ٹھیک لگتی باقی سب کی فضول۔

”صدف بیگم! تم سے تو بحث کرنا ہی فضول ہے، میں اندر جا رہی ہوں، کھانے کا اچھا سا انتظام کرو، نیناں کو میں ابھی نہیں بھیجوں گی، شام کو ماہر لے جائے گا، لاریب بھی گھر نہیں ہے دل ہولائے جا رہا ہے۔“ راحت بیگم سخت سے اپنے رسالے اٹھا کر کھڑی ہو گئیں اور اندر چل دیں۔

”واہ رے قدرت! اپنی بیٹیوں کی اتنی فکر، میں بھی جواب صدف شائف ہوں، قادر بخش کی اکلوتی بیٹی تھی میری قدر تو نہ جانی شائف کے گھر والوں نے۔“ صدف تو جیسے کسی بھی بات پر شکر کرنا بھول گئی تھی۔

”بھائی! ایسا نہیں ہے آپ غلط کیوں سوچتی ہیں؟ امی اور شائف بھائی نے صرف سنی کے فیوچر کے لیے آپ کو جانے سے منع کیا ہوگا اور کچھ نہیں۔“ نیناں نے اسے سمجھانا شروع کیا۔

”اے! بہن! اب تم مجھے بتاؤ گی کہ صحیح غلط کیا ہے، پہلے تم اپنے بچپن سے تو نکل آؤ پھر مجھے سمجھانا۔“ ریحان گول گپے لے آیا، ان ہی کی طرف اشارہ کیا اور بو بڑائی ہوئی بچن کی طرف چلی گئی، نیناں تو پریشان ہو گئی اس کی باتوں سے۔ یہاں اس کا پورا دن بہت مصروف بلکہ ہلچل میں گزرا، صدف جہاں زبان تیز اور دماغ کی شارٹ تھی وہیں دل کی اچھی بھی تھی، بات دل میں رکھنے کی عادی نہیں تھی، ہر بات کہہ سن بھڑاس نکال کر فریش ہو جاتی تھی۔ اس نے ماہر کو فون کر دیا تھا کہ آفس سے واپسی پر امی کے گھر سے لے

ہوئے جائیں۔ شام کی چائے پر شائف بھائی حالات حاضرہ پر گرجوٹی سے تقریر کر رہے تھے۔

”لو بھئی نیناں! تمہارے بھائی تمہیں حالات حاضرہ سے باخبر کریں گے، جنہیں گھر کی فکر نہیں ہے۔“ صدف نے بیچ میں ٹوکا۔

”صدف! تم تو مجھ سے بات ہی مت کیا کرو، جب کوئی بات کرو گی فضول ہی کرو گی۔“ شائف بھائی تلخ لگے تھے، نیناں نے اپنی ہی دہائی۔

”ہاں تم دونوں! بہن بھائی خوب ہنس لو مجھ پر۔“ صدف کو مزید غصہ آ گیا۔

”بھائی! کون کس پر ہنس رہا ہے؟“ اسی وقت ماہر نے ڈانٹنگ روم میں انٹری دی۔

”دیکھو ماہر! میں تو کہہ دیتی ہوں تم سے اگر تمہارے ہاں بیٹی ہونا تو اس کی شادی مندوں والے گھر میں مت کرنا، زندگی عذاب ہو جائے گی اس کی۔“ صدف تو بہت ہی تلملا گئی تھی، جبکہ نیناں اسے غصے سے دیکھنے لگی کہ کیا کہہ رہی ہے۔

”لیکن بھائی! میری بیٹی بھی تو کسی کی نند ہوگی، اگر اسی چکر میں میرے بیٹے کو رشتہ نہ ملا تو....؟“ ماہر نے شرارت بھری نگاہوں سے نیناں کو دیکھا، وہ شرم سے پانی پانی ہوئے جا رہی تھی، نگاہیں کارپٹ پر دھنس کر رہ گئی تھیں۔

”اور تم بھی سن لو! میں بھی سنی کی شادی بہت سوچ سمجھ کر کرواؤں گا، ایسی لڑکی سے جس کا دماغ تو بے شک تیز ہو مگر زبان کنٹرول میں ہو، اور میٹھی ہو۔“ شائف بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا، اس نے بھی لقمہ دیا۔

”اں سارے زمانے کی برائیاں تو مجھ میں ہی ہیں۔“ وہ اٹھ کر ماہر کے لیے چائے لینے چلی گئی۔

”لیکن یار! یہ تو اس کا جینا بھی حرام کر دے گی، اس کو قاتلو کرنے کے لیے تو ایک تیز بیوی ہونی چاہیے۔“ شائف نے راز دارانہ انداز میں ماہر اور نیناں سے کہا تو دونوں مسکرا کر رہ گئے، واپسی پر وہ بہت چپ چاپ تھی، ماہر نے محسوس کیا۔

”نین! کیا ہوا، اتنی چپ کیوں ہو؟“ سر دیوں کے دن تھے وہ گھر جانے کے بجائے کافی شاپ آ گئے، یہاں آ کر بھی وہ چپ تھی۔

”کوئی بات بری لگی ہے کیا، کسی نے کچھ کہا ہے؟“ کافی کے دھواں اڑاتے کپ کے پیچھے نیناں کا چہرہ دھندلا سا گیا تھا۔

”ماہر! کیا میں اب تک بچی ہوں، نہ سمجھ ہوں، کیا مجھ میں عقل نہیں ہے، تم میرے ساتھ ہو تو تمہارے عکس میں میری ساری خامیاں چھپ جاتی ہیں اور تمہاری ساری خوبیاں عیاں ہو جاتی ہیں، جو مجھے بہت سی باتوں سے بچانی ہیں۔“ اس کی نظریں غیر مرئی لفظ پر مرکوز تھیں، جبکہ ماہر صرف اسی کو دیکھ رہا تھا۔

”سچ کہوں تو میں خود کو تمہارے سامنے بہت حقیر محسوس کرتا ہوں، یہ تمہارا ساتھ اور تمہاری خوبیاں ہیں جو مجھے سب میں ممتاز کرتی ہیں، یہ تمہارا ساتھ ہے جس نے مجھے اتنا اعتماد دیا کہ اگر تم ساتھ ہو تو میں ہر مشکل کا سامنا کر سکتا ہوں، ہر چیلنج سے نمٹ سکتا ہوں۔“ ماہر اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، نیناں کی آنکھوں میں کہیں پانی ٹھہرا ہوا تھا۔

”تو پھر صدف بھائی نے کیوں کہا میں اب تک بچی ہوں اور کبھی مجھ میں عقل نہیں آ سکتی میں کسی کو سمجھا نہیں سکتی؟“ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ وہ سمجھ گیا یہ سب صدف بھائی کی کارستانی ہے۔

”کیوں کہ وہ جیلس ہیں تم سے، تمہاری زندگی سے۔“ ماہر سے رہانہ گیا تو کہہ دیا۔

”نہیں ایسا نہیں ہے، صدف بھائی بہت اچھی ہیں، شاید وہ ٹھیک کہتی ہیں۔“ اس نے آنکھوں کے ہیکے کنارے صاف کیے۔

”اگر وہ اچھی ہیں تو ان کی شکایت کیوں کر رہی ہو؟“ ماہر کو غصہ آ گیا، نیناں کی صدف کی حمایت کرنے پر۔

”تمہیں غصہ آ گیا؟“ نیناں نے اس کی طرف دیکھا، غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔

”ہاں مجھے غصہ آ گیا، اور جو شخص بھی تمہارے خلاف بات کرے گا، مجھے غصہ آئے گا اور بہت آئے گا۔“ وہ آگے دیکھنے لگا، پھر دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ جب وہ گھر لوٹے تو نیناں ڈریس چنچنگ کرنے چلی گئی واپس آئی تو ماہر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑا تھا، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھ کر ٹشو سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

”سوری یار! میں بہت شرمندہ ہوں۔“ وہ شرمندگی سے بول رہا تھا۔

”کیوں؟“ نیناں نے حیرانگی سے پوچھا۔

”میں نے بہت سخت لہجے میں بات کی، مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ وہ دھیرے سے بولا۔

”لو جی، یہ کوئی بات ہے، میں اب کالج کی کڑیا بھی نہیں ہوں کہ اتنی احتیاط سے برقی جاؤں کہ کبیں تمہیں ڈر ہو کہ بات کرنے سے ہی ٹوٹ جاؤں گی۔“ نیناں اسٹول سے کھڑی ہو کر اس کے سامنے آ گئی۔

”ماہر! تمہیں حق ہے تم مجھے کچھ بھی کہہ سکتے ہو، ڈانٹ سکتے ہو۔ اس نے ماہر کی آنکھوں میں دیکھا جہاں صرف نیناں کا ہی عکس تھا۔

”تم اتنی چپ تھیں مجھے لگتھیں میرا اس طرح سے کہنا برا لگا۔“ ماہر نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔

”میں تو اس لیے چپ تھی کہ میں نے تمہیں غصہ دلادیا، اب کچھ بولوں گی تو تمہیں مزید غصہ آئے گا۔“ اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

”یار! تم بولتی رہا کرو، مجھے نیناں ماہر بولتے ہوئے اچھی لگتی ہے۔“ ماہر نے اس کے لبوں پر پیار کا نشان ثبت کر دیا۔

”بولتی تو بند کروادیتے ہو تو بولوں کیسے؟“ وہ شرم سے سرخ ہو گئی تھی اور فضا میں ماہر کا جاندار قبضہ گونج اٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

”نیناں یار! آج میں تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گا، دوستوں کے ساتھ ڈنر ہے، تم ٹائم سے ڈنر کر لینا۔“ آفسر جاتے ہوئے اس نے نیناں سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ ہمیشہ کی طرح فرمانبرداری سے لبریز جواب موصول ہوا تھا۔

”اور ہاں اگر تم بور ہو جاؤ تو امی کی طرف چلی جانا، مگر صدف سے زیادہ بات مت کرنا، تمہاری معصومیت کا بہت فائدہ اٹھاتی ہیں وہ۔“ بایک اشارت کرتے ہوئے بھی وہ تلقین کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے گھر کا کام نٹایا اور بیوی کھول کر بیٹھ گئی، کل ہی امی کی طرف سے آئی تھی، لاریب بھی گھر پہنچ گئی تھی

اور صرف صدف کی رام کہانیاں سننے میں اسے کوئی انٹرسٹ نہیں تھا، کیوں کہ وہ اپنی غلطیوں کو مانتی نہیں تھی، سو اس نے سوچا آج نئی نئی ریسیز نوٹ کی جائیں اور بنائی جائیں سو اس نے مسالہ چیلن آن کیا اور جسر پین لے کر بیٹھ گئی۔

شام تک اس نے نوٹ شدہ ریسیز میں سے دم کباب، عثمانیہ اسٹیمپروسٹ اور چاکلیٹ کسٹریا تیار کر لیا تھا، مگر کھانے والا کوئی نہ تھا، بہت دیر تک وہ ڈانٹنگ ٹیبل پر ماہر کا انتظار کرتی رہی مگر اس نے تو آج لیٹ آنا تھا سو اس سے بھی اکیلے کھانا نہیں کھایا گیا، سب کچھ وہیں چھوڑ کر کمرے میں آ گئی اور بانو قدسیہ کا ٹاول پڑھنے

پڑھتے سو گئی۔

ماہر نے گھر آنے سے پہلے اسے فون کیا تو نیناں سو رہی تھی، اٹینڈ نہیں کیا، صدف لوگوں کی طرف فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ ادھر نہیں گئی، سو سیدھا گھر آ گیا۔ جب گھر پہنچا تو رات کے 12 بج رہے تھے اور نیناں سو چکی تھی، وہ کچن میں گیا تو ڈانٹنگ ٹیبل پر کھانا یوں ہی بڑا تھا۔

”اوہ شٹ... نیناں! نے کھانا نہیں کھایا اور سو گئی۔“ اس نے خود سے کہا۔ دوبارہ کمرے میں آیا نیناں کو جگایا، مگر وہ کچن میں تھی، وہ دوبارہ کچن میں گیا، کھانا فریج میں رکھا، برتن سیٹے اور روم میں آیا۔

”لو جو جانی! ریکل لو جو!“ ماہر نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور لائٹ آف کی، اور کورٹ لے کر سو گیا۔ جب صبح اٹھی تو ماہر اس سے پہلے اٹھ چکا تھا، وہ فریش ہو کر کچن میں آئی تو ماہر ناشتہ بنانے میں مصروف تھا۔

”بس آج کے بعد میں کبھی دوستوں کے ساتھ باہر ڈنر کا پروگرام نہیں بناؤں گا۔“ وہ کچن میں داخل ہوئی تو ماہر نے کہا۔

”کیوں...؟“ نیناں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”اس لیے کہ میں گھر پر نہ ہوں تو تم کھانا ہی نہیں کھاتی ہو، یہ غلط بات ہے۔“ ماہر نے شکوہ کیا۔

”میں تمہارے اور تمہارے دوستوں کی پارٹی اور انجوائے منٹ کے درمیان رخ نہیں ڈالنا چاہتی تھی، کبھی کبھی تو بندہ دوستوں کے ساتھ انجوائے کرتا ہے ورنہ تمہیں تو بس کام، کام اور کام۔“ وہ جواب دے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ تم میرے لیے کتنی اہم ہو، دوست اپنی جگہ مگر تم سب سے بڑھ کر ہو، تمہارے ساتھ میں جتنا خوش ہوتا ہوں اتنا کہیں نہیں ہوتا سمجھیں کم؟“ ماہر نے جیسے اسے تنبیہ کی۔

”سمجھ گئی حضور!“ نیناں مسکرائی۔

”اور ہاں آج سنڈے ہے تم آرام کرو، سارا کام میں کروں گا۔“ ماہر نے بڑے شاہانہ انداز میں کہا۔

”جی نہیں دونوں کریں گے۔“ نیناں نے اس کی آفر مسترد کر دی۔

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔“ وہ مان گیا۔

”چلو آج کامیونو بتاؤ اور ڈنر باہر کریں گے۔“ بہت دن گزر گئے تھے نہ وہ امی کی طرف گئی اور نہ کوئی دہاں سے آیا، بس ایک دو بار فون پر بی امی اور شائف بھائی سے بات ہو گئی تھی، لاریب بھی ٹور سے واپس آ گئی تھی۔

آج وہ کپڑے دھونے کے لیے مشین لگا کر کپڑے دھوئے میں مصروف تھی، جب لاریب اور صدف اس کی طرف آ گئے، ساتھ میں ریحان بھی تھا۔

”آج تم لوگوں نے مجھے کیسے یاد کر لیا؟“ دونوں سے ملنے ہوئے اس نے شکوہ کیا۔

”شکر کرو کہ یاد کر لیا، ورنہ آج کل تو وہ دن ہیں کہ خود سے ملے ہوئے بھی بہت دن ہو گئے ہیں۔“ لاریب نے فلسفہ جھاڑا تھا۔

”تم اتنے خوبصورت و بوجی کی اسٹوڈنٹ ہو یا فلسفے کی؟“ وہ ان سب کو لیے لاؤنج میں آ گئی۔

”قربان جاؤں تمہارے اس Subject پر، لگتا ہے اماں، بھائی کا ڈرنکل گیا ہے دل و دماغ سے۔“
 نیناں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”میری نادان بہن! مجھے محبت ہے خود سے، ہم اپنی محبت میں مبتلا ہیں، ہم کو کسی کی ضرورت نہیں جناب!“
 لاریب تو خود پر مسکرائی تھی۔ ریحان فی وی لگا کر بیٹھ گیا تھا، لاریب مسلسل بول رہی تھی، جبکہ صدف آج بہت چپ تھی۔

”کیا ہوا صدف بھائی! آپ اتنی چپ کیوں ہیں؟“ نیناں سے رہانہ گیا تو پوچھ لیا۔

”سچ نہیں، بس ایسے ہی۔“ وہ کہیں ٹھوکی سی تھی۔

”لگتا ہے بھائی سے کافی دنوں سے لڑائی نہیں ہوئی تو یہی صدمہ کھائے جا رہا ہے بھائی کو۔“ جینل بدلتے ہوئے ریحان نے لقمہ دیا۔ نیناں نے حیرت سے لاریب کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے پوچھا کہ ایسے کیسے ممکن ہے کہ بھائی کی بھائی سے لڑائی نہ ہوئی ہو؟ لاریب نے اثبات میں گردن ہلائی اور جواب دیا۔

”ہاں! اب ایسا ممکن ہو گیا ہے۔“

”لاریب! تم چائے بنا لو، میں بھائی سے بات کرنا چاہ رہی ہوں۔“ نیناں نے صدف کی طرف دیکھا اور صدف کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ لاریب نے کچن کا رخ کیا جبکہ ریحان Ten Sports میں گم ہو گیا۔

”بھائی! بتائیں ناں کچھ تو ہوا ہے؟“ نیناں نے صدف کو کرید، اس کے سادہ سے چہرے پر ہلاکی معصومیت تھی۔

”تم ناحق پریشان ہو رہی ہو نیناں! ایسا کچھ نہیں ہے بس دل گھبرا رہا تھا، اس لیے تمہاری طرف آ گئے۔“
 صدف نے انگلیاں جٹاتے ہوئے بات بنائی جبکہ چہرہ کوئی اور داستان سنار تھا۔

”بہت اچھا کیا یہاں آ کر، مگر کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہی ہیں، یا بتانا نہیں چاہتیں۔“ نیناں اس کے چہرے کو مسلسل کھوج رہی تھی، صدف خاموش رہی مگر اس کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی بھر آیا، پھر وہ واقعی نیناں کے گلے لگ کر رونے لگی، نیناں تو گھبرا گئی، صدف کو اپنے کمرے میں لے آئی، تاکہ آسانی سے بات ہو سکے۔

”صدف بھائی! پلیز روئیں مت، بتائیں ہوا کیا ہے؟“ وہ ان کی آنکھوں سے آنسو صاف کرنے لگی۔

”نیناں! شائف بدل گیا ہے۔“ وہ رونے کے درمیان بولیں۔

”نہیں صدف بھائی! ایسا نہیں، آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ نیناں نے اس کے وہم کو نالٹا چاہا۔

”ایسا ہی ہے نیناں! مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔“ صدف نے نفی میں گردن ہلائی، رونے کی وجہ سے اس کی ناک اور آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

”ایسا کیا کیا انھوں نے جو آپ کو ایسا لگا؟“ نیناں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور جاننے کی کوشش کی۔

”شائف اب مجھ سے بات ہی نہیں کرتا، میں جتنی بحث کر لوں وہ آگے سے جواب ہی نہیں دیتا، جب بھی آفس سے آتا ہے مٹی سے بھی نہیں کھیلتا، صرف وہ ہوتا ہے اور اس کا موبائل، ہر وقت موبائل پر لگا رہتا ہے اور مسکراتا رہتا ہے پتہ نہیں کسے کال اور تیج کرتا ہے۔“ صدف نے پوری کہانی ایک ہی سانس میں سنائی۔

”تو آپ ان کا موبائل چیک کر لیں، ساری حقیقت سامنے آ جائے گی۔“ نیناں نے اسے آسان حل

بتایا۔
 ”یہ بھی کر کے دیکھ لیا، دو بار شائف کا موبائل چیک کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے موبائل پر Lock لگا رکھا ہے، یہ بھی ایک بہت بڑی تبدیلی ہے، ورنہ شائف کبھی موبائل کو لاک نہیں کرتا اور پہلے تو اس کا موبائل ادھر ادھر پڑا رہتا تھا، اور اسے فکر نہ ہوتی تھی، اور اب تو موبائل کو خود سے الگ ہی نہیں کرتا۔“ صدف بے چینی سے کھڑی ہو کر ٹپکنے لگی تھی۔

”یہ کیا ہو گیا ہے شائف بھائی کو، وہ ایسے تو نہیں کرتے تھے۔“ نیناں بھی کھڑی ہو گئی۔

”میں اب کیا کروں نیناں! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، تم میری مدد کرو پلیز۔“ صدف اس کے ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے بولی۔

”ہاں بھابی! میں بالکل آپ کی مدد کروں گی، میں گھر آؤں گی اور دیکھوں گی کہ آخر معاملہ کیا ہے۔“
 نیناں نے اسے دلا سہ دیا۔

”شکریہ نیناں! پلیز میرا یہ کام کر دینا۔“ صدف واقعی بہت پریشان تھی۔

”ڈونٹ وری، جو مجھ سے ہوا میں ضرور کروں گی۔“ نیناں نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔

”لیڈیز! اگر آپ کی مینٹنگ پوری ہو گئی ہو تو آ کر چائے پی لیں۔“ اسی وقت لاریب نے کمرے میں انٹری دی تھی۔

”بھابی! اب اس کے لیے بھی کوئی لڑکا دیکھیں، بہت پرکھل آئے ہیں اس کے۔“ نیناں نے لاریب کو چھیڑا۔

”اتنی جلدی مجھے کیوں پھنسا رہی ہو، ابھی تو ہمیں دنیا تخیل کرنی ہے۔“ لاریب پر بھی کہاں اثر ہونے والا تھا۔

”تم جا کر اپنے شوہر کو تخیل کرنا، دنیا کو تخیل کرنے کا کام، ہم کسی اور کو دے دیں گے۔“ نیناں بھی موڈ میں تھی، وہ تینوں لاؤنڈ میں آ گئے۔

”اوہو.... بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔“ ماہر بھی جلدی گھر آ گیا تھا، لاریب نے سب کو چائے سرو کی، ریحان ریوٹ سائینڈ ٹیبل پر رکھ کر ماہر سے اٹھ کر ملا۔

”ماہر بھائی! ہم بڑے کہاں آپ سے پورے چھ سال چھوٹا ہوں۔“ ریحان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں بھئی! تم تو ابھی ننھے کا کے ہو۔“ ماہر کی بجائے لاریب نے جواب دیا۔

”اف.... اب لا حاصل بحث شروع مت کر دینا، جلدی چائے ختم کرو، گھر چلو شائف آنے والا ہوگا۔“
 صدف کو شائف کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

”آپ کو کب سے شائف کی فکر لاحق ہونے لگی؟“ ماہر نے حیرت سے صدف کو دیکھا، صدف شرمندگی کے مارے کھڑی ہو گئی تو لاریب اور ریحان کو اٹھانے پڑا۔

”ارے ایسے نہیں آپ لوگ ڈنر کیے بنا نہیں جاسکتے۔“ ماہر ان کے راستے میں آ گیا۔

”ہمیں دیر ہو رہی ہے۔“ صدف کو پریشانی نے گھیر لیا۔

”کبھی کبھی تو آپ لوگ ہمارے گھر کو روتے جھپٹتے ہیں، ایسے نہیں چلے گا اور ویسے بھی آپ ایک فون گھر پر کر دیں تو گھر والے آپ کے دیر سے آنے پر شکر کے نفل پڑھیں گے۔“ ماہر تو آج مکمل مزاح کے موڈ میں تھا

یا گزشتہ ہونے والی نیناں کی انسلٹ کا بدلہ لے رہا تھا، نیناں یہ سمجھنے سے قاصر تھی پھر ماہر نے گھر خود ہی فون کر کے بتا دیا کہ یہ لوگ لیٹ آئیں گے، سو انھیں بیٹھنا پڑا۔

”آج تم مکمل ٹائم بھائی اور لاریب کو دو، چکن میں سنبھالنا ہوں، آؤ جوان! تمہیں کام پر لگانا ہوں۔“ ماہر انھیں فری ٹائم دیتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور ساتھ میں ریحان کو لے لیا، وہ بھی چکن کی طرف خوشی چلا گیا۔ صدف نے حسرت اور شک سے پہلے ماہر اور پھر نیناں کو دیکھا، کتنی محبت تھی ان دونوں میں، ماہر کو کتنا خیال تھا نیناں کا، صدف کے دل میں چھین کی ہوئی۔

”بھائی! ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، تالی دونوں ہاتھوں سے بجاتی ہے، آپ نے محسوس بھی نہیں کیا ہوگا کہ ماہر کے آتے ہی نیناں نے ان کے ہاتھ سے بیک لیا، پانی دیا اور پھر کمرے میں جا کر ان کے کپڑے بھی نکال آئی۔“ آپ نے بھی ایسا رویہ اختیار کیا شائف بھائی کے ساتھ؟ وہ بے چارے تو آپ کی ایک مسکراہٹ کو ترس گئے۔ لاریب ان کی نظروں کا زاویہ پہچان چکی تھی تب ہی فوراً جتا دیا۔

”ہاں تم بھی سب کی طرح مجھے ہی غلط سمجھتی ہو۔“ صدف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”لاریب! ابھی چپ رہو، میں گھر آؤں گی پھر بیٹھیں گے اس معاملے سے۔“ نیناں نے اسے چپ کر وا دیا۔

”نیناں یار! میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ چندا! دن میں کپڑے مت دھونا، لائڈری بھجوا دو، تمہیں سردی برداشت نہیں ہوتی، پھر بھی تم نے مشین لگا لی؟“ ماہر چکن میں ریحان کو کام پر لگانے کے بعد روم میں جا کر کپڑے چھینچ کر آیا تھا اور اب نیناں کے سامنے ناراض کھڑا تھا۔

”سوری ماہر! بس میں فارغ تھی تو میں نے سوچا کپڑے ہی دھولوں۔“ اس نے معذرت کرتے ہوئے کان پکڑے۔

”اور اب تو بس تھوڑے سے رہ گئے ہیں جلدی دھل جائیں گے، میں ابھی دھو آتی ہوں۔“ وہ اسی وقت کھڑی ہو گئی۔

”خبردار! جو یہاں سے انھیں، کوئی ضرورت نہیں ہے اب دھونے کی، جو رہ گئے ہیں انھیں رہنے دو، کل آ کر آفس سے میں دھولوں گا۔“ ماہر نے حکم سنایا تھا۔

”ماہر! کیا تم عورتوں والے کام کرتے ہوئے اچھے لگو گے؟“ صدف کی تو حیرت سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

”کیوں بھائی! جب آپ عورتیں ہم مردوں کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے ہر وہ کام کر سکتی ہیں جو مرد کرتے ہیں تو ہم مرد، عورت کا ساتھ دیتے ہوئے ان کا کام کیوں نہیں کر سکتے؟ یہ پورا دن گھر پر ہوتی ہے میری ہر بات کا خیال رکھتی ہے، میرے مزاج کو سمجھتی ہے، میری سوتی ہے، مانتی ہے تو پھر میں اس کی مدد کیوں نہیں کر سکتا؟ اور ویسے بھی جب میں بیچکر تھا تو اپنا ہر کام خود کرتا تھا، کوئنگ، صفائی، کپڑے دھونا، تو اب کیوں نہیں کر سکتا؟“ ماہر تو ایک ہی ساتھ شروع ہو گیا تھا، نیناں کے قریب آ کر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بس بولے جا رہا تھا۔ لاریب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جبکہ صدف تو دم بخود تھی، کتنا پیار اور خلوص جھلک رہا تھا ماہر کی ہر بات سے نیناں کے لیے۔

”اور بھائی! سچ پوچھیں تو جو مزہ ساتھ مل کر کام کرنے اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور دکھ سکھ کو بانٹنے

میں ہے وہ کسی بات میں نہیں، آپ بھی کبھی شائف بھائی کو قریب سے سمجھ کر دیکھیں آپ کی زندگی کا حاصل ہوگا وہ دن۔“ لبوں پر مسکراہٹ بچاتے ہوئے ماہر نے بات ختم کر دی اور صدف کو دیکھا، نیناں تو بس شرمیلیں مسکراہٹ لبوں پر لیے خاموش تھی، صدف سے کچھ نہ بولا گیا۔

”ماہر بھائی! ہمیں وہاں چھسنا کر خود یہاں آ گئے۔“ چکن سے ریحان کی آواز آئی تو ماہر خوش دلی سے ہنستا ہوا کچن کی طرف چل دیا۔

”نیناں! ماہر تمہیں چاہتا ہے نا؟“ صدف نے حسرت سے کہا اور غور سے نیناں کو دیکھا کہ آخراں میں ایسی کیا خوبصورتی تھی، جو صدف میں نہیں تھی، گندمی رنگ، براؤن آنکھیں، شولڈر سے تھوڑے نیچے بال، درمیانہ قد، بس متناسب سراپا تھا پھر بھی ماہر اتنا عاشق تھا نیناں کا۔

دو گھنٹے کی کوشش کے بعد بالآخر ریحان اور ماہر چکن سے کامیاب نکلے تھے، سب نے خوشگوار مموڈ میں ڈنر کیا تھا اور پھر ڈنر کے بعد صدف لوگوں کی سواری اپنے گھر کو لوٹی۔

نیناں نے صدف بھائی سے آنے کا کہا تو تھا مکرانے دنوں کے بعد بھی وہ جانیں پائی۔ گاؤں میں زمینوں کا مسئلہ آ گیا تھا، بابا سائیں نے ماہر کو فون کیا تھا کہ وہ چند دنوں کے لیے گاؤں آ کر مسئلہ نمٹا جائے، ماہر نے نیناں سے پوچھا تو نیناں نے فوراً اجازت دے دی اور کہا کہ بابا نے بلایا ہے تو ضرور جانا چاہیے، ضرور کوئی ضروری کام ہوگا۔ ماہر گاؤں جاتے ہوئے نیناں کو صدف لوگوں کے ہاں چھوڑ گیا۔

”ویسے نیناں! تمہیں ماہر کو ایسے نہیں جانے دینا چاہیے تھا، آج کل مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔“ صدف نے کہا تھا۔

”بھائی! مجھے ماہر پر پورا بھروسہ ہے، میں اعتماد کرتی ہوں اس پر، اور مجھے یقین ہے وہ میرا اعتبار کبھی نہیں توڑے گا۔“ نیناں کی آنکھیں ماہر کے دیئے ہوئے یقین سے چمک رہی تھیں۔

”آپ بتائیں بھائی ٹھیک ہوئے؟“ نیناں نے بات بدلی، وہ دونوں صدف کے کمرے میں تھیں جبکہ اماں صحن میں دھوپ سیک رہی تھیں، ریحان کالج اور لاریب پونیورسٹی، سنی اسکول اور شائف آفس میں تھا۔

”کہاں بھی! میں تو اب ان کے اس رویے کی عادی ہوئی جا رہی ہوں، مجھے تو حیرت ہوتی ہے، تمہارے بہن بھائی اور ماں پر، سب ہی شائف کا بدلتا روپ دیکھ رہے ہیں مگر کوئی اس سے پوچھ نہیں رہا۔“ صدف اپنا رونا لے کر بیٹھ گئی۔

”آپ فکر نہ کریں، میں آج شام بات کرتی ہوں۔“ نیناں اسے تسلی دے کر اماں کے پاس صحن میں آ گئی، بہت دن گزر گئے تھے اماں سے باتیں کیے ہوئے۔

”امی! جب آپ سب لوگ بھائی کے بدلتے روپ کو دیکھ رہے ہیں تو بھائی کو ٹوکتے کیوں نہیں، ان سے کچھ پوچھتے کیوں نہیں؟“ اس نے سب سے پہلے امی سے بات کرنے کی کٹھالی تھی۔

”دیکھو نیناں! شائف کے اس رویے کی ذمے دار صدف خود ہے، جب یہ لڑتی، جھگڑتی تھی، ہر وقت کی فضول بحث کرتی تھی تب ہم اسے سمجھاتے تھے یہ سنتی تھی بھلا جواب شائف نے گا؟ یہ ایک شادی شدہ عورت ہے اور اسے خود احساس ہونا چاہیے کہ شوہر محبت کا بھوکا ہوتا ہے، شوہر کا خیال رکھنا، اس کی عزت کرنا بیوی کی پہلی ترجیح ہونی چاہیے، مگر اس عورت نے تو ماؤ زندگی میں کوئی سبق ہی نہ سیکھا، اب جو ہو رہا ہے اسے ہم نہیں روک سکتے۔“ اماں نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ہری جھنڈی دکھادی تھی، وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر اپنے

اور لاریب کے مشترکہ کمرے میں آگئی تھی، اور شدت سے شام ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

لاریب یونیورسٹی سے آئی تو نیناں کو اپنے کمرے میں دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئی، انھوں نے ساتھ لے لیا، بہت سی باتیں کیں، شام کی چائے ان ہی باتوں کے دوران پی اور تب تک شائف بھائی بھی آ گئے۔ نیناں سے مل کر وہ سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے اور واپس نہیں آئے، صدف ان کو کمرے میں ہی چائے دے آئی، جبکہ پہلے جب بھی نیناں آتی تھی شائف بھائی اس کے پاس بیٹھتے، بہت ساری باتیں کرتے، مگر اب تو وہ بہت غلٹ میں لگ رہے تھے، صدف نے آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا تو نیناں فوراً اٹھ گئی اور صدف کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

”بھائی! کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟“ نیناں نے دروازہ ناک کیا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئے، موبائل اب بھی ان کے ہاتھ میں تھا، پھر سائیڈ پر رکھ دیا۔

”مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ وہ ان کے سامنے صوفے پر ٹک گئی۔

”اگر تم صدف کے حوالے سے بات کرنے آئی ہو تو مت کرنا۔“ انھوں نے سیٹ انداز میں کیا۔

”بھائی! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، آپ کا ایک چار سال کا بیٹا ہے، اس کے مستقبل کے بارے میں سوچیں۔“ نیناں نے بلا تہید بات شروع کر دی۔

”کیا ایسا کر دیا میں نے، جس سے میرے بیٹے کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے؟“ انھوں نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

”آپ سب جانتے ہیں، مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔“ نیناں نے بھی ذرا سخت لہجے میں کہا۔

”اچھا تو تم اس کی وکیل بن کر آئی ہو؟“ وہ طنز یہ مکرانے۔

”جو بھی سمجھیں مگر آپ کو جواب دینا ہوگا۔“ نیناں نے شانے اچکا ئے۔

”نیناں! میں تنگ آ گیا ہوں اس عورت سے، اس نے اس گھر میں میرا سانس لینا بھی مشکل کر دیا تھا، میں مرد ہو کر بھی سب سہتا گیا کہ کبھی نہ کبھی تو اسے احساس ہوگا، مگر نہیں، اسے کبھی احساس نہیں ہوا، خود غلط ہوتے ہوئے، اپنی غلطی کو ماننے کی بجائے ہمیشہ مجھے لتاؤڑتی رہی، میری ضرورتوں کا اس نے کبھی خیال نہیں رکھا، اس نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے کیا چاہیے، مجھے کیا پسند کیا نا پسند ہے، میں کیا سوچتا ہوں؟ ہمیشہ مجھ پر ہر بات مسلط کرتی گئی، بس اب اور نہیں، میں اور برداشت نہیں کر سکتا۔“ وہ بے چینی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے تھے، انھیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اپنے درد کو ایک جملے میں سمیٹ لائیں۔

”نیناں! کیا تم نے خود نہیں دیکھا کہ اس کا رویہ ہمیشہ میرے ساتھ کسار رہا ہے، وہ جانتی ہی نہیں کہ بیوی کے شوہر پر اور شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہوتے ہیں؟ یا وہ جانتا نہیں جاہلی، شاید وہ اکلوتی رہی ہے اس لیے اسے اپنے میکے میں اپنی چلانے کی عادت رہی ہے، اس نے مجھے کبھی سمجھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔“ شائف ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

”میں تو اب خود کو پہچانتا ہی نہیں، دیکھو کیا میں ایسا تھا، میرے چہرے کی ساری ہنسی ساری خوشی صدف نے چھین لی ہے، تم اور ماہر بھی تو ہو، تمہاری شادی کو دو سال ہو گئے ہیں، مگر آج تک تمہارے درمیان چھوٹی سی بھی لڑائی نہیں ہوئی، کتنا انڈر اسٹینڈنگ کیل ہے تم دونوں کا، ماہر بہت لگی ہے جسے تمہارے جیسی سمجھدار بیوی ملی اور تم بھی لگی ہو کہ تمہیں ماہر جیسا خیال رکھنے والا احساس کرنے والا شوہر ملا۔“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے

بٹ کر نیناں کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔

”شاید تم نہیں جانتیں آفس کی تیاری میں خود کرتا ہوں، اپنے کپڑے خود پر لیں کرتا ہوں، اپنے جوتے خود پالش کرتا ہوں، واپسی پر مجھے ویلکم کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، جیسے ہی گھر میں قدم رکھو تم نہ ہونے والا لڑائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ہاں ایک مہربانی کر دیتی ہے کہ کپڑے دھو دیتی ہے، ورنہ اگر میں دیر سے گھر لوٹوں تو کھانا بھی خود ہی گرم کر کے کھاتا ہوں۔“ وہ اپنے آپ پر مسکرایا، جیسے اب وہ شکست خوردہ ہو چکا ہو، بہت بے بس اور لاچار، بہت عجب سا وہ محسوس کر رہا تھا۔

”بھلا یہ بھی کوئی شادی شدہ زندگی ہے، اس سے تو بہتر تھا میں شادی ہی نہ کرتا۔“ وہ بہت مایوس تھا، نیناں کو بھائی پر ترس آنے لگا، کیسی زندگی جی رہا تھا اس کا بھائی، سوچنے کا مقام تھا۔

”اور یہ جو میں کر رہا ہوں ناں، جسے تم لوگ مشکوک حرکات سمجھ رہے ہو۔“ شائف نے موبائل کی طرف اشارہ کر کے نیناں کو دیکھا۔

”اسے خود فریبی کہتے ہیں، میں خود کو فریب دے رہا ہوں، اس گھر سے، صدف سے دور ہونا چاہ رہا ہوں، اور کوئی راستہ نہیں میرے پاس، اس خود فریبی کے علاوہ۔“ شائف نے آخر میں تسلیم کر لیا، اس کے لہجے میں برسوں کی حکمت در آئی تھی، وہ بہت ٹوٹا ہوا، بہت مجبور لگ رہا تھا۔ شاید اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو نیناں سے چھپانے کی کوشش میں سر جھکا گیا، نیناں سے وہاں مزید نہیں بیٹھا گیا، تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکلی، دروازے پر صدف کو کھڑے پایا، جس کا مطلب تھا وہ سب سن رہی تھی، نیناں اپنے کمرے میں آئی تو صدف بھی اس کے پیچھے آ گئی۔

”بھائی! بھائی نے جو کہا وہ غلط تو نہیں ہے، یہ آپ بھی جانتی ہیں اور ہم بھی۔“ وہ بیڈ پر بیٹھی تھی، صدف اس کے پاس ہی کارپٹ پر بیٹھ گئی تو وہ بھی بیڈ سے اٹھ کر کارپٹ پر آ بیٹھی، لاریب الماری سیٹ کرنے میں مصروف تھی۔

”بھائی! کچھ رشتے ضرورت کے ہوتے ہیں کچھ مجبوری کے اور کچھ محبت کے۔ اور شادی کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے اسے ضرورت اور مجبوری میں بدل دینا ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے اگر ہم محبت کے رشتوں کو مجبوری میں بدل دیں گے تو اس میں کھانا ہمارا ہی ہے۔“ صدف کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے بولنے لگی۔

”ہر رشتے کو نبھانے کے لیے احساس کا ہونا ضروری ہے، جب تک آپ سامنے والے کو احساس نہیں دلائیں گی کہ وہ آپ کے لیے کتنا اہم ہے تو وہ بھلا آپ کی قدر کیسے کرے گا، جب آپ اس کا خیال نہیں رکھیں گی تو وہ آپ کا خیال کیسے رکھے گا؟“ وہ کہتے کہتے رکی، لاریب بھی اسے توجہ سے سننے لگی۔

”دوسروں کے دل میں گھر بنانے کے لیے پہلا اصول اس شخص کی Care کرنا ہے اور آپ نے بھائی کا کبھی خیال نہیں رکھا، کبھی اسے اور ان کے درمیان میچور انڈر اسٹینڈنگ بننے نہیں دی، نہ انھیں آپ نے سمجھا اور نہ انھیں موقع دیا کہ وہ آپ کو سمجھ پائیں، کسی بھی تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے تعلق کے اس پودے کو محبت کی چاشنی کی کھاد، اعتماد کے پانی اور احساس کی فضا میں پروان چڑھانا چاہیے، اگر ان میں کوئی ایک چیز بھی کم ہوئی تو ایسے تعلق بہت جلد اپنی موت آپ مر جاتے ہیں اور ہم سمجھ بھی نہیں پاتے کہ ہم سے غلطی کہاں ہوئی۔“ نیناں نے صدف کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں پر چن لیا، جو گالوں پر بہنے لگے تھے۔

”آپ خود کو، اس گھر کو، اپنے رشتے کو ایک موقع دیں، بھائی کی خاطر خود کو بدلنے کی کوشش کریں، اگر آپ شائف بھائی سے محبت کرتی ہیں تو اس کا اظہار کریں، انھیں اس چاہت کا احساس دلائیں، ہر طرح سے ان کا خیال رکھیں، اگر آپ واقعی خوشیوں بھری زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو اپنے رویوں سے ناگواری اور کوفت کے احساس کو نکال دھکیلیے، خوشی کو محسوس کیجیے۔“ نیناں کتنا ٹھیک بول رہی تھی، اس کی باتیں صدف کے دل کو لگ رہی تھیں، اور دل سے ٹیس بھی اٹھ رہی تھی کہ اتنی چھوٹی ہوتے ہوئے وہ اسے رشتوں کو نبھانا سکھارہی تھی۔

اس صدف بیگم کو جو ہر معاملے میں خود کو ایک سپرٹ سمجھا کرتی تھی۔

”اور یقین مان لیے بھائی! جب آپ شائف بھائی کو سمجھنے کا آغاز کر دیں گی، تو یہ آپ کی سب سے اچھی Hobby بن جائے گی، آپ انھیں جاننے کی ابتدا تو کریں، آپ خوشی محسوس کریں گی ان کی ہر عادت کے بارے میں جان کر، اور انھیں مزید جاننے کی جستجو بھی پیدا ہوگی۔ آپ ان سے ان کی اور اپنی اچھی یادیں شیر کیا کریں اور ان کے دکھ کو بھی بانٹیں، انھیں احساس دلائیں کہ آپ ہر وقت ان کے ساتھ ہیں ان کے دکھ سکھ میں، ان کے اچھے برے حالات میں، تو یقین مان لیے آپ انھیں جیت جائیں گی، آپ شائف بھائی کو خیر کر لیں گی۔“ نیناں کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں، اس کے لہجے کا اعتماد صدف میں جیسے منتقل ہو رہا تھا، لاریب ان دونوں کے پاس آ گئی۔

”واہ رے میری بہن! تو تو بیدہ آ پابنتی جا رہی ہے، کیا مشورے ہیں یا! میں خوش ہوئی۔“ لاریب نے نیناں کے گالوں پر چٹکی بھری۔

”کیوں ہاں ہم اپنی ویب سائٹ بنالیں "Expert wife with Naina Mahir" کے نام سے۔“ لاریب نے ایک اور چٹکلا چھوڑا۔

”شٹ اپ!...“ نیناں نے اس آئیڈیا کو ریفیوٹر کر دیا۔

”میں سیریس ہوں یا! لاریب نے سنجیدگی سے کہا تو نیناں نے اپنا چہرہ گھمالیا۔

”نیناں! اگر میں یہ سب کروں تو کیا شائف ٹھیک ہو جائے گا؟“ صدف نے پوچھا۔

”آپ یہ سب کریں تو شائف بھائی کے اچھے بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔“ نیناں کے بجائے لاریب نے جواب دیا۔

”نیناں! تم واقعی بہت بڑی ہو گئی ہو، مجھے تم سے سیکھنا چاہیے، میں تو اب تک تمہیں پہلے والی صدی اور بے وقوف سی نیناں سمجھتی تھی، جو صرف ماہر کی محبت کے زعم میں مبتلا ہے، جس کی ساری خامیاں ماہر کی محبت کے پردے میں چھپی ہوئی ہیں، مگر نہیں نیناں! میں غلط تھی۔“ صدف نے نیناں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے اور محبت سے بولی۔

”میں اس نیناں کو تو جانتی تھی جو شادی سے پہلے میری منہ تھی، مگر میں اس نیناں ماہر سے واقف نہیں تھی جس نے شادی کے بعد خود کو Change کر لیا تھا۔“ صدف سچ میں اس کی بہت مشکور تھی۔

”ہاں بھائی! شادی کے دن رخصتی کے وقت ہی میں پرانی نیناں کو نہیں اسی گھر میں دفن کر گئی تھی، نئے گھر اور اپنے ہمسفر کے ساتھ میں نے نئی نیناں کے سفر کی ابتدا کی، میں ماہر کو اتنا نہیں جانتی تھی جتنا شادی کے بعد جانا، میں نے خود کو ماہر کے سانچے میں ڈھال لیا، جیسا وہ چاہتا تھا میں ویسی بن گئی اور آپ یقین مان لیے اس کے سانچے میں ڈھل کر میں بہت مطمئن ہوں، اسے خوشی دے کر میں بہت خوش ہوں، جب بھی میں اس کی

کوئی بات مانتی ہوں، اس کے چہرے پر تو س قزوح کے سارے رنگ کھل جاتے ہیں اور ان سب رنگوں میں میرا عکس ہوتا ہے، اس گھر کی نیناں کی اپنی زندگی تھی، اور اب کی نیناں کی بھی بہت خوشحال زندگی ہے، اور یہ صرف ایک دوسرے کا احساس کرنے اور ایک دوسرے کا مان رکھنے کی وجہ سے ہے۔“ ماہر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے نیناں کے چہرے پر شرم و حیا کے کئی رنگ آ کر ٹھہر گئے تھے، لب آپ ہی آپ ہنس دینے تھے، صدف اور لاریب اسے رشک سے سن رہی تھیں۔

”اوئے ہوئے...! قربان جاؤں کتنی بدل گئی میری بہنا۔“ لاریب کے اندر پھر شرارت جاگی۔

”نیناں! میں بھی کل صبح سے نئی صدف کے نئے سویرے کی ابتدا کروں گی، دعا کرنا کامیاب رہوں اور تمہارا بہت بہت شکریہ!“ صدف اس کے گلے لگ گئی، دونوں بہنوں نے اسے دعا دی، نئے سفر کی ابتدا کے لیے اور صدف ان کے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف آ گئی۔

”کتنے دن روگو؟“ لاریب دوبارہ الماری کی طرف چلی گئی۔

”تین چار دن، جب تک ماہر آتا ہے۔“ اس نے نارٹلی جواب دیا، اسی وقت نیناں کے فون کی گھنٹی بج اٹھی، ماہر کا فون تھا، نیناں کے چہرے کی مسکراہٹ لاریب سمجھ گئی۔

☆.....☆.....☆

نیناں کی صبح شائف بھائی کے شور سے ہوئی، وہ کسی بات پر صدف پر چلا رہے تھے، اس نے باہر نکل کر دیکھا تو وہ بھرپور غصے میں تھے۔

”تم یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں میرا بہت خیال ہے، بہت فکر کرتی ہو تم میری؟“ ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ برہم بھی تھے، حالانکہ صدف نے ناشتے پر اچھا خاصا انتظام کیا تھا صرف شائف کا حراج ٹھیک کرنے کے لیے۔

”میرے آگے آئندہ یہ ناک مت کرنا۔“ وہ کرسی کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور کمرے کی طرف چلے گئے، آفس بیگ اور بایک کی چابی اٹھانے کے لیے، صدف ان کے پیچھے گئی تو پھر صدف کو ڈانٹ دیا، وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔ نیناں دوبارہ اسے کمرے میں آ گئی، الماری سے سوٹ نکالا اور واش روم چلی گئی۔

جب تک وہ تیار ہو کر ڈائننگ روم میں آئی سنی اسکول، ریحان کالج اور شائف بھائی آفس جا چکے تھے، بھابی نے اس کے اور لاریب کے لیے ناشتہ لگایا، اماں اپنی پسندیدہ جگہ کن میں تخت پر براجمان ہو چکی تھیں۔

”تمہارے بھائی نہیں سدھرنے والے،“ صدف کی زبان پر پھر شکوہ پچلا، وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

”آپ بہت نہ ہاریں، کوشش جاری رکھیں ٹھیک ہو جائیں گے، آپ کی محبت ان کا دل جیت لے گی۔“ نیناں نے انھیں تسلی دی، ایسے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

”ارے لڑکیوں! دیکھو ذرا کون آیا ہے؟“ امی نے کچن سے ہی آواز لگائی تو لاریب اٹھ کر گئی، جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا گلہ دستہ تھا۔

”واؤ...! کتنے فریش پھول ہیں۔“ صدف نے فوراً تعریف کی، لال گلاب اور سفید موہے کے کس پھولوں کی کلیاں تھیں کافی بڑا بو کے تھا۔

”مگر یہ ہے کس کے لیے، اور کس نے بھیجا ہے۔“ صدف نے دوسرا سوال کر دیا۔

”آیا تو نیناں کے لیے اور بھیجی کس نے ہے، یہی چیک کر رہی ہوں۔“ لاریب بو کے کوٹھل رہی تھی، اسے درمیان میں ایک کارڈ نظر آیا، اس نے نکال کر کھولا۔

”اوہو.... جان ماہر!“ لاریب نے آنکھیں گھما کر نیناں کو دیکھا اور مسکرائی، نیناں نے فوراً اس کے ہاتھ سے بو کے لیے لیا اور کارڈ بھی اچک لیا۔

”دیکھو تو کتنی بے چین ہو رہی ہے ابھی ایک ہی دن ہوا ہے جناب کو گئے ہوئے اور بے قراری سہی نہیں جا رہی۔“ لاریب مسکرائے جا رہی تھی، نیناں مسکراتے ہوئے بو کے اٹھا کر کمرے میں آ گئی، عین اسی وقت ماہر کا فون بھی آ گیا۔

”لو جی، لڑکی مگی کام سے۔“ لاریب نے پیچھے سے ہانک لگائی اور وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئی۔

”کویو نین!“ جیسے ہی اس نے ہیلو کہا تھا ماہر کی پیار سے بھری آواز ابھری۔

”شکریہ! بہت خوبصورت پھول ہیں۔“ شرمیں مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

”ہاں... مگر تم سے کم۔“ بڑے فخر سے کہا گیا۔

”مگر تم تو لڑکانہ میں ہو تو کسی طرح بھیجے؟“ نیناں نے بو کے بیڈ پر رکھا اور حیرت سے پوچھا۔

”یار! لڑکانہ میں ہوں، دوسری دنیا میں نہیں، اور ویسے بھی اگر میں دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں، اپنی چاہت کے اظہار کے لیے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھاتا رہوں گا اور ان پھولوں کے ذریعے اپنی محبت کا احساس تم تک پہنچاتا رہوں گا۔“ ماہر کا ایک ایک لفظ نیناں کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔

”شاباشی دو ٹوٹو Tohfay.com کو دو۔“ ماہر مسکرایا۔

”کیوں؟“ نیناں نے برجستہ پوچھا۔

”وہ اس لیے کہ Tohfay.com نے ہی اس کام کو اتنا آسان بنایا ہے ویب سائٹ پر جاؤ گفٹ سلیکٹ کرو، جسے بھیجتا ہے اس کا ایڈریس ڈالو، آن لائن ان کے اکاؤنٹ میں پیسے ڈالو اور یہ آپ کے پیاروں تک آپ کے لکھنے پہنچا دیتے ہیں اور ان لکھنے کے ساتھ پہنچ جاتی ہیں چاہنے والوں کی چاہتیں اور احساس بھی۔“ ماہر نے پورا لہجہ بھری دے دیا تھا۔

”اوائے ہوئے کیا بات ہے Tohfay.com کی۔“ نیناں نے شاباشی دی۔

”اور میری کوئی بات نہیں؟“ ماہر مصنوعی ناراضی سے گویا ہوا۔

”ہر بات آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتی ہے صاحب! ساری باتیں ہی تو آپ کی ہیں، اور کیا چاہیے آپ کو؟“ نیناں نے دوبارہ بو کے بیڈ سے اٹھایا اور چہرے کے پاس لائی اور ان پھولوں کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

”اگر آپ کی باتیں ختم ہو گئی ہوں تو ذرا باہر آ جائیے، آپ سے دودو ہاتھ کرنے ہیں۔“ لاریب نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

”اوکے نین! تم اس سے دودو ہاتھ کرلو، جب تک میں بھی اپنے یہاں کے کچھ کام نمٹا لوں اور شام میں امی اور بابا سے بھی بات کروا دوں گا۔“ ماہر نے لاریب کی آواز سن لی تھی۔

”اور ہاں! جیت تمہاری ہی ہونی چاہیے۔“ ماہر نے اسے تسلیہ کی۔

”لیکن اگر مقابلہ محبت ہوئی، تو محبت کے ہاتھوں ہار سکتی ہوں۔“ نین نے دھیرے سے کہا۔

”ہاں! میں تو بھول ہی گیا، محبت میں تم ہمیشہ ہار جاتی ہو۔“ پتہ نہیں ماہر نے ایسا کیوں کہا تھا۔

”اس لیے کہ سامنے والا جیت جائے اور محبتوں میں خود کو ہار دینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے صاحب!“ نین نے بڑے مزے سے کہا تھا، پھر فون رکھ کر باہر آ گئی، جہاں صحن میں چٹائی بچھائے لاریب اور صدف لڈو کے ساتھ موجود تھیں۔

”مانا کہ تم لڈو کی بہت شاطر کھلاڑی ہو، مگر محبت نے تمہارا دماغ کافی خراب کر دیا ہے، اس لیے اب تم اتنی بہتر نہیں کھیل سکو گی اور اس بار تو میں ہی جیتوں گی اور تم دونوں مجھے الگ ٹریٹ دو گے۔“ لاریب نے اتراتے ہوئے خود ہی فیصلہ سنا دیا تھا۔

”جی نہیں، آپ کی سوچ بالکل غلط ہے میں اب بھی لڈو کی بہترین کھلاڑی ہوں، یہ الگ بات ہے کہ میں ماہر سے ہمیشہ ہار جاتی ہوں۔“ نیناں کی بات کو لاریب تو نہ سمجھی مگر صدف اچھی طرح سمجھ گئی، اسے نیناں اور ماہر کی اس قدر انڈر اسٹینڈنگ بہت رشک آتا تھا۔

”ویسے نیناں! تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں ماہر کو اکیلے نہیں جانے دینا چاہیے تھا، تمہیں بھی اس کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔“ صدف کے دل میں شک سا کوندا، تینوں نے اپنے کلرز بانٹ لیے تھے۔

”کم آن بھائی! میں شکی بیوی نہیں ہوں اور ہمیشہ وہی عورتیں شوہروں پر شک کرتی ہیں، جن کے اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے، مجھے خود پر اور اپنی محبت پر پورا اعتبار ہے۔“ چھکا پھینکتے ہوئے نیناں نے کہا۔

”مگر آج کل مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا اپنے بھائی کو ہی دیکھ لو۔“ صدف تو شائف ہی کی شکایت لے کر بیٹھ گئی۔

”مجھے ماہر پر پورا بھروسہ ہے اور جہاں تک بھائی کا معاملہ ہے وہ بالکل الگ ہے۔“ نیناں نے پراعتماد ہو کر ماہر کا دفاع کیا تھا۔

”اور بھائی! جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس پر اعتبار کرتے ہیں، اور جب آپ اعتبار ہی نہ کریں تو مطلب آپ اس سے محبت ہی نہیں کرتے۔“ اب کی بار لاریب نے لب کشائی کی۔

امی تخت پر کر وشیہ سے سوئر بننے میں مصروف تھیں۔

”امی! ہمارے گھر تو کوئی چھوٹا بچہ نہیں اور اس گھر کا واحد بچہ بیس سی بھی بڑا ہو گیا ہے، تو آپ کس کے لیے اتنا جھوٹا سوئر بن رہی ہیں؟“ لاریب نے انھیں بھی باتوں میں آ لیا۔

”بھئی! نیناں کے گھر بھی تو خوشی آئے گی ناں، سو بنائے جا رہی ہوں جو بن جائے۔“ امی مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”لو جی! خوشی کا اتنا پتا نہیں یہاں پہلے ہی سے تیار یاں.... گڈ جاب!“ لاریب طنزیہ مسکرائی، اسی وقت صدف کی ایک گونی، نیناں کی گونی سے مار کھا گئی۔

”لڑکیوں! کھیل کود ہی کرتی رہو گی یا کھانے پکانے کی بھی کوئی فکر ہے؟“ امی نے انھیں لتاڑا۔

”امی! ایک موٹا چشمہ لگوالیں، ہم کھیل تو رہے ہیں مگر کوئی نہیں رہے۔“ لاریب اپنی گوٹیوں کو ٹھکانے لگانے پر مصروف تھی، ساتھ میں زبان بھی چل رہی تھی۔

”لڑکی! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، یہاں سے جونی ماری تو چہرے پر نشان چھوڑ جائے گی۔“ امی بھی بھلا

کہاں چھوڑنے والی تھیں، سنا دیں تو نیناں اور صدف کی ہنسی نکل گئی۔

”ہنس لو، خوب ہنس لو مجھ پر تم پر بھی وقت آئے گا۔“ لاریب منہ بسورنے لگی۔

”بالا خرڈیڑھ کھٹنے کی مسئل کو کشوں کے بعد آج کا کھیل لاریب یوسف کے نام ہوا۔“ لاریب تو خوش سے ناچنے لگی تھی اور اسے خوش دیکھ کر نیناں خوش تھی اور صدف افسوس کر رہی تھی اپنی ہار پر۔

”تو نیناں ماہر! کیسا لگ رہا ہے مجھ سے ہار کر؟“ لاریب اس کے سامنے چٹکی بجا کر بولی۔

”تم سے ہار کر تمہاری ہنسی کو جیتا ہے سو بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ نیناں نے بہت گہری بات کی تھی کوئی بھی نہ سمجھا۔ اسی وقت ننی کی اسکول وین کا ہارن بجا اور گھر پر بانوائیک ہنگامے نے دستک دی، صدف کو فوراً بچن کی فکر نے ستایا۔

☆.....☆.....☆

روز ہی شائف صدف کو کسی نہ کسی بات پر ڈانٹ دیتا تھا، مگر اس بار صدف بھی بہت تھل مزاجی سے شائف کی ساری کڑواہٹ، غصے، ناراضی کو برداشت کر رہی تھی اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کسی بھی طرح مگر شائف یوسف کو منا کر رہی رہے گی۔

ڈنر کرنے کے بعد لاریب، نیناں اور صدف لاؤنج میں آ گئے، لاریب کی فرینڈز کے بھائی کی شادی ہوئی تھی، جس کی تصویریں وہ یونیورسٹی لے کر آئی تھی اور لاریب گھر لے آئی تھی، وہی سب کو دکھا رہی تھی۔

”بھابی! ایک کپ چائے پلا دیں۔“ لاریب نے فرمائش نامہ جاری کیا۔

”لاریب! آج تم چائے بناؤ، میں دیکھ رہی ہوں ہر کام تم نے بھابی پر ہی چھوڑ رکھا ہے، ہڈیوں میں زنگ لگ جائے گا تمہاری، ایسا نہ ہو تم کام کرنا ہی بھول جاؤ اور ذرا چائے بنا کر پلاؤ تو دیکھیں کہ تمہیں چائے بنانا یاد بھی ہے یا نہیں۔“ نیناں نے اسے اچھا خاصا لٹاؤ دیا تھا۔

”نیناں میڈم! آپ کو اپنا وقت یاد نہیں، جب بھابی لڑلڑ کر تم سے بہ شکل ایک ہی کام کروا پاتی تھیں اور تم ڈھیٹ بنی جاتی تھیں، مجھے نہیں آتا، نہیں کروں گی۔“ لاریب نے اسے شادی سے پہلے کا اس کا وقت یاد دلایا۔

”ہاں سب یاد ہے اور میں کچھ بھولی نہیں، وہ زندگی کا ایک دور تھا، جو ختم ہوا، مگر اب شادی کے بعد ہر کام میں اسے گھر کا خود کرنی ہوں۔“ نیناں نے صفائی پیش کی۔

”یعنی تمہیں زنگ نہیں لگتا ناں...؟ مجھے بھی نہیں لگے گا، میں بھی سسرال جا کر کوئی تیر مار ہی لوں گی۔“

حسب معمول اس نے بات ہنسی میں اڑا دی۔

”مگر لاریب! نیناں میری کافی ہیلپ کر دیا کرتی تھی، مگر تم تو بہت ڈھیٹ ہو۔“ صدف کے لبوں پر شکوہ چلا۔

”مطلب سارے قصور ہی ہمارے ہیں، اوکے لیڈر! آپ جیت گئیں، میں ہار گئی، جارہی ہوں چائے بنانے، اب خوش؟“ وہ دونوں کے سامنے ہاتھ نچاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”بہت خوش...!“ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا، لاریب منہ بتاتی چکنی کی طرف چلی گئی، اسی وقت لاریب کے موبائل میں میسج ٹون بجی، لاریب اپنا موبائل سائڈ ٹیبل پر ہی چھوڑ گئی تھی۔ نیناں نے غیر ارادی طور پر اس کا فون اٹھا لیا اور میسج کھول لیا، سالار کا میسج تھا۔

”وفا بھی ہے جفا بھی ہے

نیہ کی لا مبریری اینڈ فری سگ پوائنٹ

سراؤنڈ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے

منے اور پرانے ڈائجسٹوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے

== دکان نمبر 13 صدر بازار ہری پور ==

بنناؤ کیا نہیں ہے

اس دنیا میں

مگر تم خود کو سنبھال رکھنا

میرے نام ہونے تک

مختصر سی نظم مگر اس نظم میں کسی کے جذبات کی پوری عکاسی ہو رہی تھی، اسے حیرت ہوئی لاریب اس سے کوئی بات چھپاتی نہیں تھی، تو پھر یہ کون تھا، جس کے بارے میں لاریب نے کبھی ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اسی سوچ میں گم تھی جب لاریب چائے کی ٹرے لے کر آ گئی۔

”کسی کی کال آئی تھی کیا؟“ اس کے ہاتھوں میں اپنا موبائل دیکھ کر لاریب نے پوچھا۔

”نہیں میسج تھا۔“ نیناں نے موبائل اسے واپس دیتے ہوئے کہا اور ٹرے سے چائے کا ایک کپ اٹھا لیا۔

”لاریب! تم نے اپنے لاہور ٹرپ کی تصویریں تو دکھائیں نہیں؟“ صدف کو اچانک یاد آیا۔

”ابھی دکھا دیتی ہوں USB لے آؤں اپنی۔“ لاریب دکھانے کو فوراً تیار ہو گئی۔

”ابھی نہیں کل دیکھیں گے۔“ نیناں نے ٹالا تو وہ شانے اچکا کر اپنا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

”یار لاریب! چائے تو تم نے شاندار بنائی ہے۔“ صدف نے سچے دل سے تعریف کی۔

”اب آپ زیادہ مسک نہ لگائیں، اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ میری چائے کی تعریف کر کے ہمیشہ کے لیے چائے بنانے کی میری ڈیوٹی لگا دیں گی تو آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں۔“ لاریب نے تو بہت آگے تک سوچ لیا تھا۔

”لاریب بیگم! خاطر جمع رکھو، تمہارے حوالے سے کوئی خوش فہمی میں اپنے پاس نہیں رکھتی۔“ صدف نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

”اوکے ڈیزیز! رات کافی ہو گئی ہے اب سونا چاہیے۔“ نیناں اپنا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

نیناں بے چینی سے لاریب کا انتظار کر رہی تھی۔ لاریب نے کچن میں سارے برتن سمیٹ کر رکھ دیئے، تو صدف جا کر دھونے لگی، لاریب کمرے میں آ گئی تصویریں وغیرہ لے کر اور ریمان کو اس کا لیپ ٹاپ دے آئی۔

”لاریب! یہ سالار کون ہے؟“ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی نیناں نے فوراً ہی پوچھ لیا۔

”کک... کون؟“ لاریب نے پلٹ کر دیکھا وہ اس اچانک حملے سے گھبرا گئی تھی۔

”سالار حیدر...!“ نیناں نے اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کی۔

”آ... ہاں...! کسی کے میسج نہیں پڑھا کرتے۔“ لاریب کو یاد آیا اس کا فون نیناں کے ہاتھ میں تھا۔

”ہاں اب تو بڑھ لیا سو بتاؤ۔“ نیناں نے فوراً مان لیا۔

”یہ بھی عشق کی گلی کے ایک مسافر ہیں۔“ لاریب صوفے پر نیم دراز ہو گئی تھی۔

”بہت چھپی رستم ہو تم تو۔“ نیناں نے شکوہ کیا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے، وہ کرتا ہے مجھ سے محبت، مگر میں تو نہیں ناں، سو ضروری نہیں تھا بتانا۔“ لاریب نے بہانہ تراشا۔

”ہو سکتا ہے تم بھی انٹرنلڈ ہو، مگر تم قبول نہ کر رہی ہو اس حقیقت کو؟“ نیناں نے اسے کھوجنے کی کوشش کی۔

”یار نیناں! مجھے ایسے لوگ بہت برے لگتے ہیں جو خود کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے اور دوسروں پر Depend کرتے ہیں۔“ لاریب کنگش کا شکار تھی۔

”کیوں کیا ہوا ایسا؟“ نیناں اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

”مردوں کو تو ایسا ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی سے محبت کریں یا اپنانا چاہیں، تو سارے فیصلے اپنے دم پر کریں، یہ نہیں کہ محبت بھی کر لی، اظہار بھی کرتے پھر رہے ہیں اور جہاں اپنانے کی بات آئی وہاں یہ شرط کہ جب تک لڑکی نہ اظہار کر لے، تب تک مزید ایک قدم آگے نہ بڑھائیں۔“ لاریب جیسے بھری بڑی تھی۔

”تو....؟“ نیناں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

”تو یہ ہے کہ لاریب یوسف باز آئی محبت سے، جس میں مجھے اپنی خودداری کا سودا کر کے کسی کے آگے جھکنا پڑے، کیا جب سالار حیدر نے محبت کی تھی تب مجھ سے پوچھ کر کہی تھی جواب میرے اظہار خیال کا طالب ہوا بیٹھا ہے؟“ وہ سخت سے بولی اور آخر میں سر جھٹک دیا۔

”مجھے تو لگتا ہے محبت کی یہ آگ تمہارے اندر بھی کہیں نہ کہیں جل رہی ہے، مگر تم اسے اپنی انا کے ہاتھوں اظہار کو لیوں تک آنے کا موقع نہیں دے رہی۔“ نیناں نے بھی اپنا تجزیہ پیش کر دیا تھا لاریب نے اسے چونک کر دیکھا۔

”محبت ایک اچھا جذبہ ہے کسی شخص کی محبت تب تک بہت اچھی ہوتی ہے جب تک وہ آپ کی خودداری سے نہیں ٹکرائی، وہ آپ کو ایسی باتوں اور چیزوں کے لیے مجبور نہیں کرتی جو آپ نہ چاہتے ہوں، جہاں محبت آپ کی خودداری سے کھیتی ہو وہاں محبت کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن اگر.....!“ پتہ نہیں نیناں اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی کہتے کہتے رکی۔

”اگر محبت خوددار ہو کر آپ سے ملے، آپ کی عزت نفس کا بھی اسے پاس ہو تو پھر ایسی محبت کی قدر کرنی چاہیے اور خود بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لینا چاہیے۔“ نیناں نے جو سمجھانا تھا سمجھا دیا تھا اور صوفے سے اٹھ کر بند پر آگئی اور نیم دراز ہو گئی، جس کا مطلب تھا اب وہ سونا چاہ رہی ہے۔ جبکہ لاریب وہیں بیٹھی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

نیناں جب تک میسر رہی صدف اور شائف کی لڑائیوں میں کچھ کی آگئی تھی، اب یہ تھا کہ شائف بھائی بھی چپ رہنے لگے، اگر کسی بات پر زیادہ غصہ آ جاتا اور صدف کو ڈانٹ دیتے تو صدف برداشت کرتی تھی اور مکمل عمل مزاحمتی اور مستقل مزاجی سے شائف کا ہر طرح سے خیال رکھنے میں جاتی ہوئی تھی۔ اب وہ خود آفس نکلنے سے پہلے ان کا بچ بکس تیار رکھتی تھی، ٹائم پر ان کے کپڑے پر لیس ہوتے، آفس سے واپسی پر فوراً چائے پیش ہوتی، ان کا ہر سامان سلیقے سے اپنی جگہ پر ملتا اور سب سے بڑھ کر بحث سے گریز کرنے لگی تھی، یہ اس کا مثبت رویہ گھر میں بھی اچھی تبدیلیاں لا رہا تھا، اب ہر وقت نہ چیخ و پکار ہوتی اور نہ برتنوں کے اٹخ پٹخ کی آوازیں، سب ہی بڑے سکون میں تھے۔ مگر لاریب کی زندگی میں نہیں پچھل جی تھی جس کا مقابلہ وہ اکیلے کر رہی تھی۔

میکے میں یادگار دن گزار کر نیناں پیادیس آگئی تھی، امی اور بابا نے اس کے لیے بہت سے گفٹس اور گاؤں کی سوغاتیں بھیجی تھیں، دونوں بڑی بھابیوں نے بھی نیناں کے لیے سندھی کڑھائی والے بہت خوبصورت سوٹ بھیجے تھے، روٹین کی زندگی پھر رواں دواں ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس دن اتوار تھا جب ماہر جلال بھی گھر پر تھا اور ناشتہ بنا رہا تھا، جبکہ نیناں کی آج کاموں سے چھٹی تھی، صدف، شائف اور لاریب آگئے، یہ ان کی زندگی کا پہلا موقع تھا جب صدف کے ساتھ شائف اس کے گھر آیا تھا، اکیلا تو کئی بار آچکا تھا مگر صدف کے ساتھ کسی نہیں آیا تھا، اور یہ بہت سر پرانزنگ تھا ماہر اور نیناں کے لیے۔

صدف کے چہرے پر بھی گلال کھلے ہوئے تھے، ضرور کچھ نیا ہوا تھا، نیناں کو جاننے کی جستجو تھی، شائف بھی بہت ہشاش بشاش تھا، برسوں بعد ان کے چہرے پر خوشی چمکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، برسوں کی ٹھکن جیسے اتر گئی تھی۔ حسب توقع ماہر نے شائف کو کچن میں مدعو کر لیا تھا اور لیڈ بر کوفری ہینڈ دے دیا تھا۔

”نیناں! میں تمہاری بہت مشکور ہوں، میری زندگی میں آج جو بھی بدلاؤ آیا ہے تمہاری وجہ سے آیا ہے، آج میں اور شائف دونوں اپنی زندگی میں جتنا خوش ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں تھے، ہم نے اب صحیح معنوں میں اپنے آپ کو تلاش کیا ہے اور اس تلاش میں ایک دوسرے کو پایا ہے۔“ صدف اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے کہہ رہی تھی، اس کے ہر لفظ سے خوشی و طمانیت پھوٹ رہی تھی وہ سچ میں نیناں کی بے حد مشکور تھی۔

”بھائی! خوشیاں تو ہمارے آس پاس ہی ہوتی ہیں بس ان کا احساس اپنے اندر جگانا ہوتا ہے، انھیں تراشنا ہوتا ہے اور آپ نے وہ ہنر پایا ہے جن سے خوشیوں کا احساس جاگ اٹھے، مجھے بہت خوشی ہے آپ دونوں کو ایک ساتھ اور خوش دیکھ کر۔“ نیناں نے پورے غلو سے لے کر کہا تھا اس کی آنکھیں جھکوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

”بھائی! خوشیاں ایک کلک کے فاصلے پر ہوتی ہیں، آپ کلک تو بہت کر رہی تھیں، مگر غلط کر رہی تھیں، اب کے آپ نے صحیح کلک کا راز جان لیا ہے۔“ لاریب بھی بھلا کہاں پیچھے رہنے والی تھی اس نے اس گفتگو میں اپنا کردار بھی ادا کیا، اسی اثنا میں ماہر اور شائف نے بریک فاسٹ جواب تو بخش ہی بن چکا تھا، ٹیبل پر لگا دیا اور انھیں آواز دی، خوشگوار ماحول میں سب نے ناشتہ کیا اور پھر لاؤنج میں آکر کبھی نہ ٹھمنے والا باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

”ماہر! تم یوں سمجھو کہ میں اپنی شادی شدہ زندگی کی خوشیوں کو اب جینے لگا ہوں، پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو ایک خوفناک خواب تھا جو گزر گیا، اور سچ بات تو گھر کی خوشی ایک سمجھدار اور معاملہ فہم عورت ہی کی وجہ سے ممکن ہوتی ہے اور جب یہ خصوصیات عورت میں نہ ہوں تو وہی گھر جہنم بن جاتا ہے۔“ شائف نے کھلے دل سے کہا تھا صدف ایک پل کے لیے شرمندہ نظر آئی اور اسے اپنا گزشتہ رویہ یاد آ گیا، اور پھر دوسرے ہی پل خوش دلی سے مسکرا دی۔

”اور ہمیں تو یہ سمجھدار اور معاملہ فہم عورت شادی کے پہلے ہی دن سے دستیاب ہو گئی تھی اور سچ مانیں تو شائف بھائی کا میاب زندگی کا راز ایک دوسرے کو سمجھنے، خیال کرنے اور سپورٹ کرنے میں ہے، اکیلے اکیلے

جینا انسان کو مزید تنہا کر دیتا ہے، مل کر رہنے سے دکھ بھی سکھ بن جاتے ہیں۔ ماہر محبت پاش نظروں سے نیناں کو دیکھ رہا تھا، جبکہ نیناں کی نگاہیں لاریب کو کھونج رہی تھیں۔

”کیوں ماہر بھائی! بھول گئے آپ شادی سے ایک ماہ پہلے آپ کی نیناں سے لڑائی ہو گئی تھی اور آپ نے رشتہ ختم کر دینے کی بات کر دی تھی تب یہ سمجھار لڑکی کی خصوصیات یاد نہیں رہی تھیں؟“ لاریب، نیناں کے مسلسل گھورنے پر گھبرا گئی تھی، اس لیے اس پر بات ڈال دی۔

”لاریب! کچھ تو شادی سے پہلے میں نے تمہاری بہن کو جانا ہی نہیں تھا یہ ایک بند کتاب تھی میرے لیے، سمجھ نہ آنے والی مشکل سی پزلر کی کتاب، شادی سے پہلے میں سمجھتا تھا میں نیناں کو اچھی طرح جانتا ہوں، مگر شادی کے بعد میں نے جانا میں تو نیناں کو جانتا ہی نہیں، شادی کے بعد میں نے اسے حرف حرف جانا اور اسے پہلے والی نیناں سے مختلف پایا۔“ ماہر ایک ہی سانس میں بولے گیا، نیناں کی توجہ لاریب سے ہٹ گئی تھی۔

”شادی سے پہلے یہ بہت ضدی تھی، بس اپنی کرنے والی، بس اسی بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں رشتہ ختم کر دوں، مگر میں اب سوچتا ہوں میں کتنا نادان تھا اگرچہ میں ایسے کر دیتا، تو آج زندگی کا حاصل میرے پاس کچھ نہ ہوتا، اب میں سوچتا ہوں اس وقت کی نیناں بھی ٹھیک تھی، منگنی اتنا مضبوط رشتہ نہیں ہے، اس رشتے کی بنیاد پر لڑکی، لڑکے کی ہر غلط بات بھی مانے یہ ٹھیک بات نہیں ہے۔“ ماہر آج بڑی حقیقت پسندی سے اپنی ماضی کی غلطیوں کا سامنا کر رہا تھا۔

”ہاں مجھے بہت غصہ آتا تھا نیناں پر کہ یہ اپنی مرضی کیوں کرتی ہے، میری کیوں نہیں مانتی، یہ تو شادی کے بعد بھی یہی کرے گی میرے ساتھ، مگر میری سوچ غلط ثابت ہوئی، شادی کے بعد نیناں نے مجھے شکایت کا ایک موقع نہیں دیا، اس نے خود کو میرے سانچے میں ڈھال لیا، میری مرضی کے خلاف کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا، جہاں میں غلط کرتا ہوں وہاں مجھے سمجھاتی ہے، خوشی، ہم مل کر جیتے ہیں اور دکھ میں میرے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔“ ماہر کے لہجے میں نیناں کے لیے صرف اور صرف پیار اور غلوں تھا وہ بڑی شدت سے نیناں سے محبت کرتا تھا اور نیناں بھی اسی شدت سے اس کی محبت کا جواب دیتی تھی، سب ہی رشک سے نیناں اور ماہر کو دیکھ رہے تھے، شائف کے موہاں کی اسی وقت ٹون کی تو وہ فون سننے لاؤنچ سے باہر آ گئے۔

”اور سچ میں لاریب! میں پہلے بھی احمق تھا اب بھی احمق ہوں اور تمہاری بہن کل بھی ذہن تھی اور آج بھی ذہن ہے، ہم مرد جھوٹی انا کے قیدی ہوتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ ہم ہی ٹھیک ہیں باقی سب غلط، مگر نیناں کے سامنے تو میں نے اپنی انا کے بت کو اپنے پیروں میں رکھا، اور مجھے یہ تسلیم کرتے ہوئے بالکل عار محسوس نہیں ہوتی کہ میری زندگی میں جتنی خوشیاں، آسودگیاں اور طمانیت ہے یہ سب نیناں ماہر کی وجہ سے ہے۔“ آخر میں ماہر نے نیناں کی محبت کو سلام کیا تھا اور اس کا شکر گزار تھا کہ اس نے ماہر کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا تھا۔

”اوتے ہوئے... قربان جاؤں آپ دونوں کی لوائسوری پر۔“ لاریب تو واری صدتے ہو گئی، صدف نے نیناں کے کاندھے کو تھپتھا کر جیسے اسے شاباشی دی۔ شائف لاؤنچ میں داخل ہوا اور سب کو اپنے گھر چلنے کا حکم دے دیا، ماہر اور نیناں نے وجہ پوچھی۔

”گنہگار خالہ کا فون تھا، لاریب کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں اس لیے ہمیں گھر جانا چاہیے۔“ انھوں نے غجلت میں جواب دیا، نیناں نے چونک کر لاریب کو دیکھا تو اس نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے، جیسے اسے

کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ ماہر اور نیناں بھی ان کے ساتھ آئے، ریحان نے تو لاریب کے خوب ریکارڈ لگائے مگر وہ بھی ڈھیٹ تھی، ڈٹ کر جواب دے رہی تھی۔

شام کو وہ لوگ لاریب کو دیکھ کر کبھی چلے گئے، لڑکا انجینئر تھا اور تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی چھوٹی والی سینڈائیز کی اسٹوڈنٹ تھی، والد ریٹائرڈ فوجی تھے اور ماں ہاؤس وانف۔

وہ لوگ پہلی ہی ملاقات میں لاریب کو پسند کر کے اپنی رائے ”ہاں“ میں دے گئے تھے، شائف بھائی نے سوچنے کا وقت مانگ لیا تھا، رات کو واپسی پر ماہر اور نیناں اپنی پسندیدہ جگہ آ گئے تھے، کافی کا آرڈر دے کر ماہر کچھ سوچنے میں مصروف تھا جبکہ نیناں کے حواسوں پر لاریب طاری تھی۔

”کیا ہوا نیناں! کچھ پریشان لگ رہی ہو؟“ ماہر نے اس کا چہرہ پڑھا جہاں پریشانی کے آثار تھے۔

”ہاں میں تھوڑا لاریب کی وجہ سے...“ وہ کہتے کہتے رک گئی۔

”اس کی فکر کرنے والے آ گئے ہیں، تمہارا ایک عدد غریب شوہر ہے تم بس اس کی فکر کیا کرو۔“ ماہر نے مسکینی شکل بنا کر کہا تو نیناں کو ہنسی آ گئی۔

”ہنستی رہا کرو یا راتم بس ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو، کسی کی فکر مت کیا کرو، سب کی فکر کرنے والے موجود ہیں، اماں کہہ رہی تھیں اب کی بار گاؤں آؤں تو اکیلے نہ آؤں، تمہیں ساتھ لے کر آؤں۔“ ماہر نے اسے بتایا۔

”ہاں میں چلوں گی، بہت عرصہ ہو گیا ہے سب سے ملے ہوئے۔“ اس نے بھی فوراً ہائی بھر لی۔

”یار! تم میرے گھر والوں کا کتنا خیال رکھتی ہو، مجھے پتہ بھی نہیں ہوتا اور تم آئے دن ان کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجتی رہتی ہو، یہ تو میں اس بار گیا تو مجھے بھائی نے بتایا، تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔“ وہ اس کا مشکور ہوا جا رہا تھا۔

”کب سے اماں اور بابا لوگ تمہارے گھر والے ہو گئے، کیا وہ میرے گھر والے نہیں ہیں؟ کیا میں اور تم الگ الگ ہیں؟“ اس نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر دیا۔

”یہ سب ہمارے گھر والے ہیں، اور اپنے گھر والوں کا خیال ہم خود ہی رکھتے ہیں اور ہمیں ہی رکھنا چاہیے، اینٹوں کا خیال رکھنے کے لیے ہمیں نہ کسی کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ وضاحت کی۔“ ویٹر کافی کے کپ پر کھ گیا تھا، نیناں چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی۔

”دھینکس آلات نیناں! تمہیں نہیں پتہ تمہیں پا کر میں کتنا خوش ہوں۔“ ماہر نہال ہوئے جا رہا تھا بے حد مشکور و ممنون تھا۔

”ویسے لڑکا مجھے اچھا لگا تمہارا کیا خیال ہے؟“ واپسی پر ماہر نے اس سے پوچھا۔

”اوں... ہاں اچھا ہے، آگے تو شائف بھائی پر ہے کیا فیصلہ کرتے ہیں۔“ اس نے بے دھیانی میں جواب دیا۔

”خیر تو ہے ناں، شام سے دیکھ رہا ہوں تمہارا داغ کہیں اور ہے اور تم کہیں۔“ ماہر سے رہانہ گیا تو بالآخر پوچھ ہی لیا۔

”ارے نہیں ایسا کچھ نہیں، آج کا دن بہت مصروف گزارا اس لیے تھک گئی ہوں۔“ اس نے گردن کو بل دے ہوئے بہانہ تراشا، ماہر نے گھر کے سامنے بائیک روکی اور گیٹ کا لاک کھولنے لگا۔

”ٹھیک ہے اب تم آرام کرنا اور صبح جلدی اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنے لیے خود ناشتہ بنا لوں گا یا

آفس میں کرلوں گا، تم آرام سے اٹھنا۔“ کمرے تک آتے آتے ماہر نے نیناں کو بہت سی ہدایات دے دی تھیں۔

”ٹھیک ہے صاحب! جو آپ کا حکم۔“ اس نے بھی ماہر کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح وہ واقعی بہت دیر سے اٹھی تھی، جب وہ جاگی تو ماہر جلال آفس جا چکا تھا، کچن اور کمرہ بھی سمیٹ کر گیا تھا، اسے ماہر پر ڈھیروں پیار آ گیا، اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور لاؤنج میں آ گئی، کل اس نے لاریب سے بہانے سے فون لے کر سالار حیدر کا نمبر اپنے نمبر پر توجہ کر دیا تھا۔ ابھی آرام سے بیٹھ کر اس نے اپنے میسجز میں سالار کا نمبر تلاش کیا اور اپنے موبائل میں محفوظ کیا۔ گھر کی صفائی کرنے کے بعد اپنے لیے ہلکے پھلکے لچ کی تیاری کرنے لگی، کیونکہ اچھا خاصا اہتمام تو وہ ڈنر میں ہی کیا کرتی تھی۔ وہ روٹی بنا رہی تھی جب صدف بھائی کی کال آ گئی، وہ لاریب کے رشتے کو ہی ڈسکس کر رہی تھیں، وہ بس ان کی ہاں میں ہاں ملائی رہی، کال بند کرنے کے بعد اس نے سچ کیا، ظہر کی نماز پڑھی اور پھر ہر کام سے فارغ ہو کر سالار کو کال کی۔

”میں نیناں ماہر بات کر رہی ہوں، لاریب یوسف کی بہن، آپ سالار ہیں؟“ اس نے اپنا تعارف کروانے کے بعد پوچھا۔

”جی میں سالار ہوں، آپ کیسی ہیں؟“ وہ فوراً سے پہچان گیا، لاریب کے حوالے سے وہ اسے جانتا تھا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں، کیا آپ کو پتہ ہے لاریب کے رشتے کی بات چل رہی ہے؟“ نیناں چاہتی تھی کہ سالار یہ سب جانتا ہو، اس کی بے خبری میں کچھ نہ ہو۔

”اچھا... تو آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟“ وہ بالکل انجان بن گیا، نیناں نے موبائل کو ایسے گھورا جیسے حیرت سے سالار کو گھور رہی ہو اور وہ سامنے کھڑا ہو۔

”کیوں... کیا آپ کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟“ نیناں نے حیرت سے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ اس نے شانے اچکائے جیسے خود کو سامنے والے پر عیاں نہ کرنا چاہ رہا ہو۔

”خیر سالار حیدر! آپ کو اس بات سے فرق پڑتا ہے یا نہیں پڑتا، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ محبت صرف ایک بار ہمارے دل پر دستک دیتی ہے اگر ہم اس کی آواز سن لیں تو ہمارا راستہ خوشیوں سے بھر دیتی ہے اور اگر نظر انداز کر دیں تو پھر عمریں گزر جاتی ہیں پھر ان ہی راستوں کو تلاشتے ہوئے مگر منزل مل کر نہیں دیتی۔“ وہ جوش میں کہتی ہوئی دوپل کے لیے رکی، سالار اسے بس حیرت سے سن رہا تھا، وہ بھلا اس کے دل کا حال کیسے جانتی تھی۔

”سوا گرجت آپ دونوں کے بیچ کہیں ہے تو آپ دونوں کو بڑھ کر اسے تمام لینا چاہیے، لیکن اگر انا کے ہاتھوں اسے بھیٹ چڑھا دیا تو انا تو جیت جائے گی مگر محبت مار جائے گی، اور محبت کو نہیں ہارنا چاہیے۔“ آخر

میں اس نے بڑے سکون سے کہا اور اسے ورطہ حیرت میں ڈال کر فون بند کر دیا، سالار گہری سوچوں میں کہیں ڈوب گیا تھا، ایک طرف لاریب کے لیے اس کے دل میں صرف محبت ہی محبت تھی، جس محبت کے ہاتھوں وہ اسے پانا چاہتا تھا، یہ محبت ہی ہے جو جو بوب کو دل میں کھودینے کا ڈر رکھتی ہے اور یہ ڈر سالار کے دل میں بھی تھا،

مگر یہ ایک انا کہ وہ چاہتا تھا کہ لاریب بھی اس کے جذباتوں کو اسی شدت سے محسوس کرے اور اظہار کرے، جیسے وہ چاہتا تھا۔ لاریب بھی اسے بتائے کہ اس کے دل میں سالار کا کیا مقام ہے، مگر صرف اس ایک اظہار کی

خواہش میں دھیرے دھیرے ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ لاریب سے دور ہو رہا تھا۔

اف یہ اک انا

کہ جس کے ہاتھوں

بہت سے دل ٹوٹے

تو بہت سے بے گھر ہوئے

نیناں اسے سوچنے کے لیے بہت سی باتیں دے گئی تھیں اور ان سب میں ضروری تھی محبت، جو اس کے دل میں لاریب کے لیے تھی، جسے کھودینے کا احساس ہی قاتل تھا وہ عجب دور سے گزر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

نیناں اور ماہر شاپنگ کے لیے ”آشیانہ“ آئے تھے تو واپسی پر سوچا شائف بھائی لوگوں کی طرف سے ہو کر جائیں، اچانک سے انھیں دیکھ کر سب ہی خوش ہو گئے۔

”واہ بھئی! بڑی شاپنگ ہو رہی ہے۔“ سب سے پہلے صدف بھائی نے ہی حملہ کیا تھا۔

”دیکھو بھئی! ہمیں اپنی شاپنگ تب ہی دکھانا جب ہمارے لیے بھی کچھ لانی ہو، ورنہ دل جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ لاریب نے شاپنگ شاپرز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”پھر تو رہنے ہی دو، واقعی تمہارا دل جل جائے گا۔“ نیناں نے شاپرز سائینڈ پر کھدائیے لاریب منہ بسور کر رہ گئی۔

”مگر میں تو دیکھوں گی۔“ صدف نے سارے شاپرز اپنے سامنے رکھ لیے اور کھولنے لگی۔ ماہر، شائف کے ساتھ باتوں میں لگ گیا تھا، امی بھی ان کی شاپنگ دیکھنے لگیں۔

”اوئے میں مر جاؤں... کتنی خوبصورت سینڈل ہے۔“ لاریب نے سینڈل اپنے ہاتھوں میں لے لی،

پنک اینڈ وائٹ پرلر کی نازک سی سینڈل تھی، جو واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”کسی کی محبت تو تمہیں مار نہ سکی ایک سینڈل سے کیا مر گئی۔“ نیناں نے اس کے کان میں کہا تھا لاریب نے ان سنی کر دیا۔

”کیا لاریب کی شادی کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دی ہیں؟“ صدف نے سب کچھ سمیٹ کر دوبارہ بند کر کے رکھ دیا۔

”کیوں بھئی! جب تک لاریب کی شادی نہ ہو تب تک میری بیگم شاپنگ نہ کرے؟“ ماہر نے صدف کی بات سن لی تھی، نیناں کے بجائے ماہر نے جواب دیا۔

”ہاں جی! آپ تو بس اپنی بیگم کا ہی سوچیں، یہ نہیں سوچتے آپ کی ایک عدد غریب سالی بھی ہے، اس کے لیے بھی ایک شام غیناؤں کا سوٹ لے آتے یا پھر اسٹائلو کی ایک سینڈل ہی سہی۔“ لاریب نے مسکینی سی شکل بنا کر کہا تو سب گھٹی آ گئی۔

”میری غریب سالی! تمہارے لیے ہمیشہ کا بندوبست کر رہے ہیں کیا یہ کافی نہیں؟“ ماہر نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ گئی۔

”شائف! کیا جواب دیا لڑکے والوں کو؟“ ماہر نے اگلا سوال شائف سے کر دیا۔

”ہاں میں نے کافی معلومات کروائی ہیں، لڑکے اور اس کی فیملی کی، اچھے لوگ ہیں، سلجھی، پڑھی لکھی فیملی

ہے، میں کافی مطمئن ہوں، ایک دو دن میں فون کر کے ہاں کر دیں گے پھر طے کر لیں گے جب بھی آکرنا چاہیں۔“ شائف نے کافی تفصیل سے جواب دیا تھا، نیناں نے لاریب کو دیکھا، اس کے چہرے پر سایہ سا آکر رک گیا، نیناں نے اپنا سر جھکا، یہ محبت بھی عجب ہے، مان کر نہیں دیتی۔

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ لاریب سے وہاں بیٹھنا دو بھر ہو گیا تھا، چائے کے بہانے کھڑی ہو گئی نیناں اسے یوں جان چڑھا کر جاتے دیکھتی رہی، مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں، ماہر بار بار کھڑی دیکھ رہا تھا اسے گھر جانے کی جلدی تھی، شاید تھک گیا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا، امی نماز پڑھنے چلی گئیں تو ماہر اور شائف بھی مسجد جانے کے لیے کھڑے ہو گئے، مگر اسے جاتے جاتے اشارہ کر گیا کہ جب تک ہم واپس آئیں تو رہنا اور اس نے اچھے بچوں کی طرح گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

ماہر نے آفس سے چھٹی کر لی تھی، نیناں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، ماہر اسے اسپتال لے جا رہا تھا، جب شائف کا فون آ گیا کہ شام میں دعوت کا اہتمام ہے چند مہمان آ رہے ہیں، وہ لوگ بھی ضرور آئیں، ماہر ہاں بھری مگر ساتھ میں یہ بھی کہا کہ وعدہ نہیں کرتا اگر نیناں کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو ضرور آئیں گے۔

”کون مہمان آ رہے ہیں؟“ نیناں نے نقاہت سے پوچھا، ماہر نے اسپتال کے سامنے بائیک روکی۔

”پتہ نہیں پارا! میں نے تفصیلات نہیں پوچھیں، ابھی تو صرف تمہاری فکر سر پر سوار ہے، تمہیں ذرا بھی پرواہ نہیں ہے، کہا بھی تھا کپڑے مت دھویا کرو، تمہیں سر دیاں سوٹ نہیں کرتیں، پھر بھی دھوئے بیٹھ گئیں، کرنا اب بخار۔“ ریشمشن سے کارڈ بنوانے سے لے کر ڈاکٹر روم پہنچنے تک ماہر کی ڈانٹ جاری تھی۔

”سوری...!“ اس کے لہجے میں شرمندگی واضح تھی۔

”سوری سے کام نہیں چلے گا، آئندہ ایسی حرکت دوبارہ نہ ہو، تمہیں پتہ ہے ناں میں کتنا کانٹیس ہوں تمہارے لیے۔“ ڈاکٹر کو سامنے پا کر وہ بالآخر چپ ہوا تھا، ڈاکٹر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی جس کا مطلب تھا وہ ان کی گفتگو پوری دیکھ چکی ہے سن چکی تھیں۔ چپک اپ کے بعد ڈاکٹر نے چند دوائیاں لکھ دی تھیں اور ساتھ احتیاطی تدابیر بھی۔ موسم چنچ ہونے کی وجہ سے موسمی بخار تھا اور کچھ ٹھنڈ بھی لگ گئی تھی۔ واپسی پر اس نے ضدی کہ شام کے بجائے ابھی ہی امی کی طرف جانا ہے، سو ماہر کو اس کی ماننا پڑی جبکہ وہ چاہتا تھا کہ گھر چل کر آرام کر لے اور شام کو طبیعت بہتر ہو جائے تو امی کی طرف آئیں، کیونکہ یہاں تو اس نے آرام نہیں کرنا تھا جب وہ امی کے گھر پہنچی تو امی اور لاریب تخت پر موجود کسی بحث میں ابھی ہوئی تھیں، شائف آفس، ریحان کالج اور سنی اسکول گیا ہوا تھا، جبکہ صدف بھابی ساس اور نند کو چپ کر دانے کی کوششوں میں تھیں۔ دروازے پر دستک کی آواز سن کر صدف بھابی نے دروازہ کھولا تھا، انھیں سامنے دیکھ کر وہ ہڑبڑا گئی تھیں، وہ لوگ اندر آ گئے۔

”کیا ہو گیا خیریت تو ہے؟“ ماہر نے آگے بڑھ کر پوچھا تھا۔

”امی! آپ سن لیں اور شائف بھابی تک بھی پہنچا دیجیے گا، یہ میرا آخری فیصلہ ہے، میں کوئی موسم کی گز نہیں ہوں کہ مجھے چاہے جس طرف موڑ دو، یہ کوئی طریقہ ہے ایک کے بعد ایک رشتہ منہ اٹھانے آ رہا ہے اور میں شوپیں کی طرح سب کے سامنے پیش ہوئی رہوں، مجھ سے مزید یہ کیٹ واک نہیں ہوگی، میں دوبارہ اب کسی کے سامنے نہیں آؤں گی، مجھے اپنی عزت نفس پر اس طرح سے حملہ قبول نہیں۔“ لاریب شدید غصے میں

”امی! ذرا تم جا کر اس لڑکی کو سمجھاؤ، شاید تمہاری بات ہی سمجھ آ جائے۔“ امی نے نیناں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا، نیناں اثبات میں سر ہلاتی کھڑی ہوئی، نیناں کے ساتھ صدف بھابی بھی اندر آ گئیں۔ دونوں نے کمرے میں قدم رکھا تو لاریب نے کمرے کا حشر کر رکھا تھا، ڈریسنگ ٹیبل کا سارا سامان کارپٹ پر دھرا تھا، صوفے کے کٹن پورے کمرے میں بکھرے تھے، بیڈ شیٹ بیڈ سے ہٹ کر کونے میں پھینک دی گئی تھی اور لاریب خود کارپٹ پر دوڑاؤں ہو کر بیٹھی تھی اور آنسو بہا رہی تھی۔

”لاریب! یہ اتنا سنجیدہ معاملہ بھی نہیں کہ تم اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہو۔“ نیناں اور صدف اس کے برابر ہی بیٹھ گئی تھیں۔

گروہ صیب کے لیے چھوڑا گیا نصیب

”مشکوٰۃ... مشکوٰۃ!“ صاعقہ اسے آواز لگاتی ہوئی
پورے گھر میں پھر کاٹ رہی تھی۔

”مشکوٰۃ! کہاں ہو یا رلو... ادھر بیٹھی ہو، کب
تمہیں آوازیں دے رہی ہوں، کہاں گم تھیں تم؟“

دماغ خراب ہے، جو اتنی کڑک دھوپ میں اٹھکیاں کر
رہی ہو، کہاں گم ہو، میں کچھ بول رہی ہوں۔“ اس کی نان
اسٹاپ گفتگو کے جواب میں کچھ سننے کو نہ ملا تو صاعقہ کو غصہ
آ گیا۔

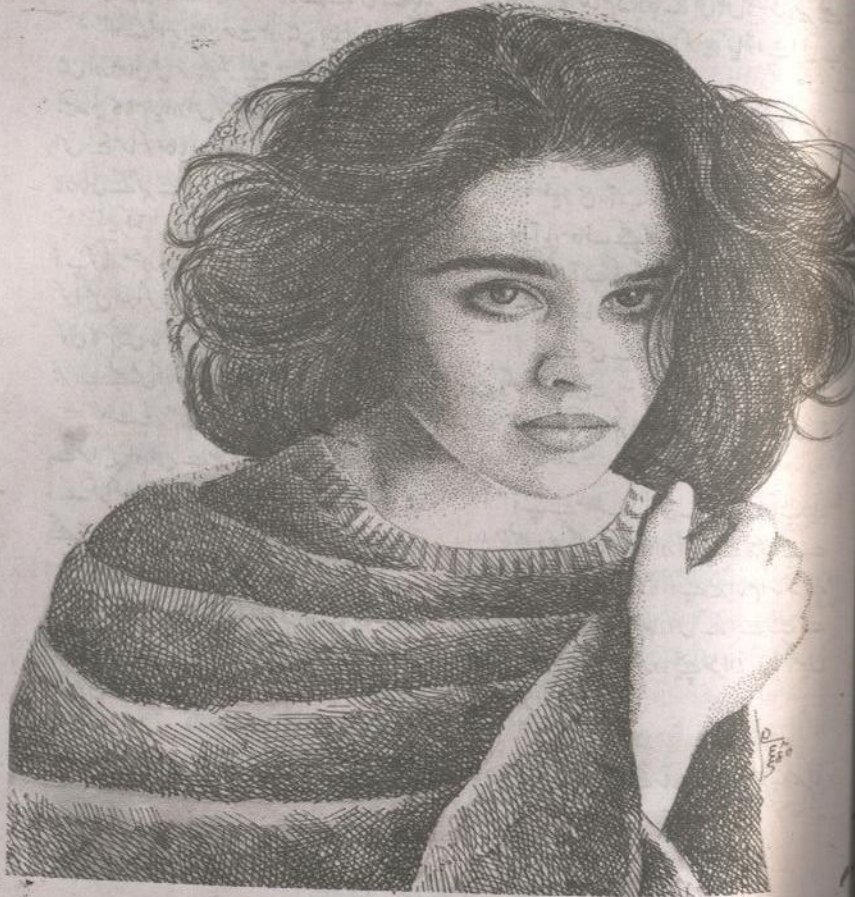
”کیا ہے تمہیں کبھی مجھے اکیلا بھی چھوڑ دیا کرو، پلیز
مجھے شور شرابہ قطعی پسند نہیں ہے۔“ مشکوٰۃ کچھ جھنجھلاہٹ
کے ساتھ گویا ہوئی۔

”مجھے پتا ہے کہ پسند نہیں پر پسند تھا تو ناں، اب کسی
ایک کے لیے تم دنیا سے نظریں چرائے کیوں بیٹھی ہو، تم
جیسے لوگ جو اپنے حق کے لیے نہیں لڑتے تو وہ ہمیشہ ایسے

ہی رہتے ہیں پھر۔“ صاعقہ قدرے تلخ لہجے میں بولی۔
”اف... چھوڑو مجھے، تم بتاؤ کیوں آواز لگا رہی
تھیں؟“ مشکوٰۃ نے اپنے لہجے کو ہشاش بشاش بناتے
ہوئے پوچھا۔

”میں یہ کہنے آئی تھی کہ آج حذیفہ بھائی اور اسما بھی
آ رہے ہیں۔“ اس نے گویا بم بلاسٹ کیا تھا اور یہ خبر واقعی
اس کے لیے کسی بلاسٹ سے کم نہ تھی۔

”کیوں؟“ اس نے فٹ سے سوال کیا۔
”ایسے ہی شادی کے بعد ملنے آ رہے ہیں، خالو نے
تو کہا بھی کہ دعوت کے بعد آنا، پروہ مانے نہیں، اچانک



آنے کا پروگرام بنالیا۔“ صاعقہ نے بتایا۔

”اچھا میں کیا کروں، مجھے کیوں بتانے آئی ہو؟ وہ جب آئیں تو کہہ دینا میں گھر پر نہیں ہوں، یا کچھ بھی کہہ دینا پلیز! میں ان کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”میں کچھ نہیں جانتی خالہ جان کا حکم ہے کہ مشکوٰۃ بیگم آج کا میونہ تیار کریں گی اور خاص طور سے تورمہ بنائیں گی کہ حذیفہ بھائی کو آپ ہی کے ہاتھ کا تورمہ پسند ہے۔“ صاعقہ نے پیغام پہنچایا۔

”تم تحقیق کیوں نہیں ہو یا! مجھ میں اب اتنی برداشت نہیں ہے کہ ان کا سامنا کر پاؤں، پلیز یا! تم سما سے کوئی بھی بہانہ کر دو پلیز!“ مشکوٰۃ نے بے بسی سے کہا۔ ”اوکے تم پریشان مت ہو، میں ہینڈل کر لوں گی، میں اور بھائی مل کر کچھ کر لیتے ہیں۔“ صاعقہ نے اپنی جیٹھانی کا نام لیا اور اس کو ٹہلی دلا کر چلی گئی اور نبھانے کیسے اس نے ماما کو منایا اور وہ آج پھر اک دفعہ مایوس اور نارسائی کے گہرے دلدل میں کود پڑی۔

”میرا خیال ہے آپ کی نظریں کافی ویک ہیں، میرا آپ کو نادر مشورہ یہ ہوگا کہ فوراً کسی معالج سے معائنہ کرائیں اور اگر اس سے بھی افادہ نہ ہو تو ان آنکھوں کا کوئی کام نہیں جا کر کچھ بنا کر کھلیں۔“ اس نے غصے میں بھرے لہجے میں کہا تو سامنے کھڑا اسامہ حیرت زدہ رہ گیا۔ ”واٹ یو ر مین محترمہ! ایک تو بھری محفل میں مجھ سے عکرائیں اور اوپر سے میری ڈریس کی واٹ لگا دی، کوئلڈ ڈرنک گرا کر اور آگے سے آپ کی ہٹ دھرمی کمال کی ہے مجھے ہی بے نقطہ سنانے میں مصروف ہیں۔“ اسامہ نے اس سے بھی زیادہ غصے سے کہا۔

”ہاں تو آپ کو کس نے کہا تھا کہ مجھ سے پنگالیں۔“ اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی شاہ میر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسامہ کی طرف مڑا۔

”سوری یا! یہ میری بہن ہے، سوری! یہ ویسے بھی

ہاف مینٹل ہے، میں ابھی آیا۔“ اس سے معذرت کر کے ہوئے وہ اس کو کھینچ کر اپنے ساتھ لے گیا اور قدرے خاموش جگہ پر جہاں لوگ اکا دکا تھے اس کو چھوڑا۔ ”کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ شاہ میر بھائی! آپ نے مجھے بولنے کیوں نہیں دیا؟ ابھی دو منٹ میں سدھار دیتی محترم کو۔“ اس نے مزید کچھ کہنا چاہا پر شاہ میر نے اس کو مومنہ نہ دیا۔

”چپ رہو، بدتمیز! خود تو سدھر جاؤ پہلے، غلطی کی جو تمہیں ساتھ لے کر آیا، کہا بھی تھا مشکوٰۃ سے ساتھ چلے کر پران کو تو آنا نہیں تھا اور تم... تمہیں ضرور آنا تھا، ہر کام میں پنگا ڈالنے کے لیے اب چپ چاپ یہاں بیٹھو گی، تم جب تک تقریب کا اختتام نہ ہو جائے گی ناں؟“ شاہ میر غصے سے کہتے ہوئے اسے وہاں چھوڑ کر چلا گیا تو اسے اپنی بے قدری پر رونا آ گیا۔

اسامہ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس لڑکی کو روتا دیکھ کر وہ اس کے پاس چلا آیا۔

”ایکسکیوز می، آپ کے امپورٹنٹ کام میں دخل دینے چلا آیا، معاف کیجئے گا، دیے اگر آپ پوزیشن ہو کر دیکھیں تو غلطی آپ کی بھی تھی اور میری بھی، پر میری تھوڑی کم تھی۔“ اسامہ نے ہمدردانہ انداز اختیار کیا۔

”آپ سے کسی نے ہمدردی نہیں مانگی، یو کین گو۔“ وہ چہرہ گھما کر بیٹھ گئی۔

”آپ کم از کم نام تو بتائی سکتی ہیں اپنا؟“ اسامہ نے کہا۔

”آپ سے مطلب؟“ اس نے تڑخ کر جواب دیا۔ ”نہیں کچھ بھی نا کرنا ہوا اور آپ نے پہنچانے سے انکار کر دیا تو یہ نام کام آئے گا، ویسے میرا نام اسامہ ہے اور آپ کا؟“ اس نے پوچھا، اس نے اسے غصے سے دیکھا اور وہاں سے چلی گئی اور وہ پیچھے کھڑا اس کی آنکھوں کے آنسوؤں میں الجھ گیا۔

☆.....☆.....☆

”ذرا تصویر سے ٹوکل کے سامنے آ میری محبوبہ، میری

محبوبہ! ابھی اس کا سر مکمل ہونے ہی نہ پایا تھا کہ بیچ میں ہی عارف نے ٹوک دیا۔

”یار! تم کس محبوبہ کی بات کر رہے ہو، میں کنفیوژ ہوں، شاکی، رباب کی، رمل کی، حدیقہ کی یا کل والی ام ہانی کی۔“ عارف نے ہنستے ہوئے دریافت کیا۔

”تم اپنا کام کیا کرو، ہر وقت میری پرستائی سے جلتے ہو، کبھی بھی جو تم مجھے خوش نہیں دیکھ سکتے۔“ رضوان نے مصروفی غصے کا اظہار کیا۔

”اے چل نہ تو کیا جھٹتا ہے افریقہ کے بندر! تیرے پاس لڑکیاں تیری پرستائی کو کچھ کرتی ہیں؟ اے! تجھ میں ہے کیا؟ سڑے ہوئے نمائش، کچے امرود، کالے بیگن، وہ تجھ پر نہیں تیرے والد پر مرنی ہیں، سمجھا کیا۔“ عارف نے اس کا مذاق اڑایا۔

”اے چل ناں! جس پر بھی مرتی ہیں، ٹو میری اب ڈائریکٹ بے عزتی کر رہا ہے، ہاں! بس بہت ہو گیا تیرا، اب ایک لفظ بھی بولنا ناں تو تیرا سر دیوار سے مار دوں گا میں۔“ رضوان نے کہا۔

”کر لے شو قپورا، پھر مجھ سے بچ جائے گا کیا؟ اس ٹوٹے ہوئے سر کے ساتھ تیرا منہ توڑ دوں گا۔“ عارف نے بھی خالی دھمکی دی۔

”بھرم مائٹ پیٹلا خالی، ٹو نے کیا میں نے دیکھا۔“

رضوان نے کہا۔ اس طرح کی چھوٹی موٹی لڑائی ان سب لوگوں کا خاصہ تھی، یہ محبت بھری ٹوک جھونک ان سب کو جوڑے ہوئے تھی۔

مصطفیٰ صاحب کے تین بھائی تھے، سب سے بڑے وہ خود تھے، اس کے بعد دلنواز، پھر حبیب اور پھر رزاق۔ مصطفیٰ صاحب جب جوان ہوئے تو ان کے ماں باپ ان کے سر پر تین بھائیوں کی ذمہ داری دے کر خود دنیا سے چلے گئے اور اس ذمہ داری کو انہوں نے بخوبی نبھایا، اپنی شادی کی، اپنے بھائیوں کی کروائی اور ایک مثالی خاندان کا نمونہ دیا، جس میں عائشہ بیگم نے ان کا بھرپور ساتھ دیا، مصطفیٰ صاحب کے چار بچے تھے، سب سے بڑا قیوم، پھر

توقیر، اس کے بعد 2 بیٹیاں عشاں اور مشکوٰۃ۔ قیوم اور عشاں کی شادی ہو گئی تھی اور عشاں کا ایک بیٹا تھا ذوالقرنین۔ توقیر کی بات عائشہ بیگم کی بہن کی بیٹی صاعقہ سے ملے تھی، توقیر اپنی بڑھائی پوری کرنے لندن گیا تھا اور شادی اس کی واپسی پر بھی، اس کے بعد دلنواز صاحب ان کے تین بچے تھے۔ بڑے دو بیٹے ایک عارف دوسرا شاہ میر اور چھوٹی بیٹی ام ہانی تھی۔ اس کے بعد حبیب صاحب ان کے تین لڑکے تھے سب سے بڑا حذیفہ، پھر آفتاب اور پھر نوفل۔ حبیب صاحب سب سے الگ رہتے تھے ان کی شادی مریم بیگم سے ہوئی تو مریم ان کے گھر میں سیٹ نہیں ہو بائیں اور آئے دن کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آ کر مصطفیٰ صاحب نے ان کو الگ رہنے کا مشورہ دیا، ان کے بعد رزاق صاحب تھے، جن کا صرف ایک ہی بیٹا تھا، رضوان۔ رضوان اور عارف ہم عمر ہونے کے ساتھ دوست بھی تھے۔ مشکوٰۃ اپنے کزن حذیفہ کو پسند کرتی تھی، ماں کی اپنے گھر والوں سے دوری کے باوجود حذیفہ، نوفل اور آفتاب اپنے دو بھائیوں سے کافی اٹل تھے، حذیفہ کا زیادہ سے زیادہ وقت مشکوٰۃ سے بات کرنے میں گزرتا تھا، اور مشکوٰۃ کو پتہ ہی نہ لگا کہ کب وہ اس کے دل کے اندر چپکے سے براہمان ہو گیا، اسے ہر وہ چیز پسند ہوتی جو حذیفہ کو اچھی لگتی تھی، غرض کہ وہ محبت کی گہری کھائی میں اتر گئی تھی، پر اس بات سے بے خبر تھی، اس کو اس بات کا بھی ادراک نہ تھا کہ وہ اس کو اچھا لگتا ہے تو کیوں؟ اسے تو صرف اتنا پتہ تھا کہ اس سے بات نہ ہو تو وہ بے چین ہو جاتی تھی۔

☆.....☆.....☆

”ہائے اللہ! عشاں! آبی! یہ آپ کا بیٹا کتنا تیز ہوتا جا رہا ہے، کیا کھلا رہی ہیں آج کل اسے، میں کسی کام سے سامنے والوں کے گھر گئی مجھے پتہ ہی نہ چلا یہ محترم وہاں بیٹھی بیٹی کے پاس پہنچ گئے اور تو اور اسے کس بھی کر کے آگئے، وہاں سب اتنا ہنس رہے تھے۔“ مشکوٰۃ نے ہنستے ہنستے کہا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”بدتمیز! کیا مطلب ہے آخر تمہارا؟ میرا بیٹا تمہاری

طرح لفنگا نہیں ہے، ادھر آؤ نین! ماما کے پاس۔ عشاں نے اس کو اپنے پاس بلایا تو وہ اس کے پاس چلا آیا۔

”السلام علیکم! مشکوٰۃ وہاں سے جانے ہی لگی تھی کہ آواز پر رک گئی اور اس کے چہرے پر قوس و قزاح کے رنگ بکھر گئے۔

”علیکم السلام! آج آپ کی سواری باد بہاری نے ہمارے گھر کیسے رونق بخشی؟“ اس نے جھٹ سوال کر ڈالا۔

”کیوں یہاں آنے کے لیے کسی وجہ کی ضرورت ہے؟ اور میں صرف نہیں آیا ہاں سے اور لوگ بھی آ رہے ہیں، سب کو ساتھ لے کر آ رہا ہوں۔“ حذیفہ نے جواب دیا اس سے پہلے کہ مشکوٰۃ کوئی اور سوال کرتی نوفل، آفتاب، عارف، شاہ میر، رضوان اندر آ گئے، ان کے ہاتھ میں بیٹ بال دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ آج کی شام اسے آرام کا موقع قطعاً نہیں ملے گا، تو وہ فوراً وہاں سے بھاگنے کو مڑی۔

”ارے، ارے! زکو! کہاں جا رہی ہو؟“ ایک ساتھ آواز آئی، تو اسے مجبوراً رکنا پڑا۔

”آج ہم یہاں کھیلے آئے ہیں۔“ نوفل نے کہا تو وہ کچھ نہ بولی بس بے بسی سے حذیفہ کو دیکھا، تو حذیفہ نے نگاہ گھمائی۔

”اور یہ ام ہانی کہاں ہے؟ اسے بھی بلاؤ اور عشاں آپی! آپ بھی آجائیں، نین کو اس کی نانی کے حوالے کر کے، اور بھائی کہاں ہیں میں بلا کر لاتا ہوں۔“ آفتاب کہنے کے ساتھ ہی چل پڑا تو وہ بھی مجبوراً میدان میں آ گئی۔

”چلو پارٹنر بناؤ، اپنے اپنے۔“ رضوان بولا، تو حذیفہ نے اس کی طرف نگاہ کی جو منہ پھلائے کھڑی تھی، اس کو اس پر ترس آ گیا اسے کھیلتا نہیں آتا تھا جس پر تمام لوگ انجوائے کرتے تھے۔

”میری پارٹنر مشکوٰۃ بنے گی، کیوں مشکوٰۃ! ٹھیک ہے ناں؟“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا تو عارف نے بھی اس

کی طرف دیکھا جو خاموش تھی، ام ہانی وغیرہ آچکے تھے ایک بھر پور میچ کا آغاز ہونے والا تھا، 2-2 تیس بنائی گئی تھیں۔

گیند کی طرف دوڑتے ہوئے مشکوٰۃ کا پاؤں پھسلا اور وہ گرنے کے قریب ہی تھی کہ عارف کی مضبوط ہانپوں نے تھام لیا، اس کی آنکھیں بند تھیں اور عارف محویت سے اسے دیکھ رہا تھا، جواب اس کی ہانپوں کے گھیرے میں کھڑی تھی، پھر اس نے آنکھ کھولی اور دھیرے سے الگ ہو گئی، یہ منظر حذیفہ نے بھی دیکھا تو اسے عجیب لگا۔

میچ پھر اشارت ہو گیا اور تقریباً مغرب سے پہلے ختم ہوا، تو حذیفہ نے مشکوٰۃ سے کہا۔

”مشکوٰۃ! چلو آؤ کس کریم کھانے چلتے ہیں۔“ تو وہ ریڈی ہو گئی، آؤ کس کریم کی تو وہ ویسے بھی دیوانی تھی، فوراً تیار ہو گئی۔ حذیفہ نے آؤ کس کریم پارلر کے سامنے گاڑی پارک کی اور وہ دونوں نکل آئے، وہ بے دھیانی میں چل رہی تھی کہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرنے لگی، حذیفہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیا کرتی ہو مشکوٰۃ! دیکھ کر، ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت سنبھالنے کے لیے کوئی موجود ہو۔“ حذیفہ نے کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

”چلو چلیں ہاتھ دو۔“ اس نے کہا تو اس نے ہاتھ نہ دیے۔

”کیا ہوا ہاتھ دو۔“ پھر زبردستی خود ہی پکڑ کر آگے بڑھ گیا اور وہ چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

اس دن کے بعد کافی دن تک مشکوٰۃ کی حذیفہ سے ملاقات نہ ہوئی، نہ ہی فون پر بات چیت، وہ اس سے ناراض تھی اور چاہتی تھی کہ وہ اس کو منائے پر اسے تو جیسے اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی، 15 دن سے زیادہ ہونے لگے تھے، انہی دنوں صاعقہ ان کے گھر چھٹیاں گزارنے آئی ہوئی تھی، دونوں میں گہری دوستی تھی۔

ایک شام وہ کافی گرم مٹی پودوں کو تک رہی تھی کہ

”کیا مسئلہ ہے ایک تو ہمیں چین نہیں ملتا۔“

مشکوٰۃ نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

”مجھے چھوڑو، اپنی بتاؤ کافی دن سے دیکھ رہی ہوں مجھے! کہیں کوئی ہوئی رہتی ہیں، خیریت تو ہے؟ کہیں عشق و شوق میں تو نہیں پڑ گئی ناں، اوئے راجو پیار نہ کر، دل ٹوٹ جاتا ہے۔“ صاعقہ نے کہنے کے ساتھ ہی گنگنا کر اسے چھیڑا۔

”سوری یہ جا کر راجو کو بولو مجھے نہیں، کیونکہ میں راجو نہیں ہوں، بائے واوے یہ تم کب سے ٹکا مارنے لگی ہو؟“ مشکوٰۃ نے کہا۔

”جب سے تم کو دیکھا۔“ ابھی وہ گنگنا ہی رہی تھی کہ عارف نے آکر ان کی بات کو اختتام کا رخ دیا۔

”ہائے گر لڑا! کیا ہو رہا ہے، اتنے خوبصورت موسم میں؟“ عارف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں سوچ رہی ہوں اتنے خوبصورت موسم میں اتنی خوبصورت جگہ اتنی خوبصورت لڑکیوں کے درمیان آپ جیسے کارٹون کا کیا کام ہو سکتا ہے؟“ مشکوٰۃ نے کہا تو عارف کو غصہ آ گیا۔

”اوہ! مس میڈونا کی جانشین! خود تو جیسے بڑی خوبصورت ہو تم۔“ عارف نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”ہاں وہ تو ہے۔“ مشکوٰۃ نے اک ادا سے کہا۔

”ویسے ایک راز کی بات... کان ادھر کرو، کافی دنوں سے سوچ رہا ہوں کہ دوں پر موقع نہیں ملا، ادھر آؤ ذرا۔“ عارف نے جس بھرے انداز میں کہا تو اس کے ساتھ ساتھ صاعقہ کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

”ایک بات بتاؤ آج کل تم کافی اداس اداس لگتی ہو، میں نوٹ کر رہا ہوں حذیفہ کافی دن سے آیا نہیں ہے، لگتا ہے بات وات بھی نہیں ہوئی ہے اور کوئی نہ کوئی تو چکر ہے بھی! اس کے نام پر تمہارے چہرے پر انرجی سیور روشن ہو جاتا ہے۔“ عارف نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

”چلیں ناں! ایویں بڑے آئے کچھ نہیں ایسا

ویسا۔“ مشکوٰۃ نے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا تو وہ دونوں کھیل بن گئے۔

”اوہ... ہم سے کیا رازداری، بتا دو کچھ تم، مدد ہو جائے گی پیغام ہی پہنچا دیں گے ہم۔“ صاعقہ نے کہا تو عارف نے گانا گایا:

بھلا کون ہے وہ ہمیں بھی بتا دو
یہ تصویر اس کی ہمیں بھی دکھاؤ
عارف نے اس کو چھیڑا تو وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

☆.....☆.....☆

مشکوٰۃ نے موبائل چیک کیا نوٹیج آئے تھے، پر ان میں سے ایک بھی اس کا نہ تھا، وہ اداس ہو گئی۔

”نجانے کیا ہو گیا ہے حذیفہ بھائی کو، بہت بڑی رہنے لگے ہیں آج کل، نجانے کیوں ان کو میری ناراضی کی ذرا پرواہ نہیں ہے۔“ اس نے دکھ سے سوچا پھر ایک میچ بھیجا فوراً ہی ریپلائی آ گیا وہ خوش ہو گئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”کیسی ہو، پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟“ حذیفہ نے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں اور پیپر ختم ہو گئے ہیں تو چھٹیاں چل رہی ہیں، آپ بتائیں آپ کہاں مصروف ہیں کوئی بات چیت نہیں ہے۔“ مشکوٰۃ نے چھوٹے ہی دریافت کیا۔

”وہ دراصل میرے پیپر ز قریب ہیں، فائنل سسٹر ہے ذرا بڑی ہوں۔“

”ذرا نہیں آپ کافی بڑی ہیں، اتنے کے مجھ سے بات کرنے کا مجھی وقت نہیں ہے آپ کے پاس۔“ مشکوٰۃ نے ٹھکھ کیا۔

”کر تو رہا ہوں۔“ حذیفہ نے کہا۔

”وہ تو میں نے میچ کیا جب آپ کا ریپلائی آیا ورنہ تو...!“ مشکوٰۃ نے کہا۔

”تو ہر وقت کیا ضروری ہے کہ میں میچ کروں، آپ کے ہاتھ میں کیا تکلیف ہے جو آپ نہیں کر سکتیں؟“ حذیفہ نے کہا اور کافی ٹائم بعد اس نے حذیفہ سے لوگ

جیت کیا تھا وہ کافی خوش تھی۔

”کیا بات ہے بھئی! آج تو رخ یار کی تجلیاں ہی الگ ہیں۔“ صاعقہ نے کہا اگلے دن ناشتے کے بعد جب وہ دونوں روم میں آئیں تو صاعقہ بولی۔

”لگتا ہے کل حذیفہ بھائی جان سے بات ہوئی ہے۔“ اس کے کہنے پر وہ مسکرانے لگ گئی۔

”یار! اب پھوٹ بھی دو قسم سے، پوری گھٹی ہوئی بھی۔“ صاعقہ نے چڑکھاتو مشکوٰۃ نے کہنا شروع کیا۔

”پتہ نہیں یار! کیا ہو گیا ہے مجھے ہر وقت حذیفہ بھائی دماغ پر سوار رہتے ہیں، ان سے بات نہ ہو تو کچھ اچھا نہیں لگتا۔“ مشکوٰۃ نے کہا، تو صاعقہ سوچ میں پڑ گئی۔

”مشکوٰۃ! کیا ان کے رویے سے ایسا لگتا ہے کہ وہ تم میں انٹر سٹڈ ہیں؟ یا پھر کچھ اور ایسا جو عام سے ہٹ کر ہو؟“ صاعقہ نے پوچھا۔

”پتہ نہیں مجھے ان کا نہیں پتہ۔“ مشکوٰۃ نے جواب دیا۔

”پر مجھ کو کیا لینا دینا میں تو اپنا کہہ رہی ہوں ناں۔“

”نہیں یار! یہ بی تو تشویش کی بات ہے کہ اگر تمہاری پسندیدہ کٹرفرنہ ہے تو تم صرف ایک سرباب کے پیچھے بھاگ رہی ہو، دیکھو اگر وہ سچ میں تم سے پیار نہیں کرتے تو

مشکوٰۃ! پلیز لوٹ آؤ، اس راہ کی کھٹائی تم کو توڑ دے گی، جب محبت میں ملن نہ ہو تو زندگی ادھوری لگتی ہے۔“ صاعقہ نے اسے سمجھایا تو وہ سوچ میں پڑ گئی، اس کو اب یہ بات

تنگ کیے دے رہی تھی کہ اگر جو صاعقہ نے کہا ہے وہ سچ ہو گیا تو...؟

☆.....☆.....☆

”حذیفہ بھائی کی شادی ان کی کزن سے طے پا گئی ہے، مہریم چائی نے ان کی بات کچی کر دی ہے۔“ شاہ میر نے آکر اطلاع دی اس کے ساتھ نونہل بھی تھا، لاؤنج میں ایک جزییشن براجمان تھی، مشکوٰۃ یہ خبر سن کر شاکہ تھی، عارف نے اور صاعقہ نے اس کی طرف دیکھا جس کا چہرہ اس کے اندر کی کیفیت کا غماز تھا۔

”کب ہوئی... میرا مطلب ہے تمہیں کیسے پتہ۔“ جھوٹ بول رہے ہوں؟“ عارف نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

”نہیں بھائی! مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی، یہ ہے نونہل اس سے پوچھ لیں۔“ شاہ میر نے کہا، تو نونہل نے اس کی بات کی تصدیق کی۔

مشکوٰۃ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور صاعقہ بھی اس کے پیچھے گئی عارف نے اس کے دکھ کو اپنے دل پر محسوس کیا، وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور گھر سے باہر نکل گیا، مشکوٰۃ نے کمرے میں آکر روم کا گیٹ بند کر دیا، صاعقہ اس کو آواز دیتی رہی، اس نے گیٹ نہ کھولا، اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے بدن سے روح نکال دی ہو، اس کو سانس نہیں مل رہا تھا، اچانک ہی کمرے میں ٹھٹھن بڑھ گئی اور اس کی آنکھ کھل گئی اس نے فوراً لائٹ آن کی، اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا، کچھ دیر پہلے کا خواب اسے یاد آ گیا۔

”نہیں...!“ اس نے زور سے کہا تو صاعقہ کی آنکھ بھی کھل گئی۔

”کیا ہوا مشکوٰۃ! تم ٹھیک تو ہو، کیا ہوا بولو؟“ صاعقہ نے جلدی جلدی پوچھا تو وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور سارا خواب بتایا، وہ پریشان تھی اپنی کزن کی کیفیت پر، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے اس کو تسلی دے، پھر اس نے کہا۔

”کچھ نہیں ہوا مشکوٰۃ! یہ بس خواب تھا تمہارا اور کچھ نہیں، بس تم پریشان مت ہو، سب ٹھیک ہوگا، انشاء اللہ!“ صاعقہ نے اس کو تسلی دی اور لائٹ آف کر دی۔

☆.....☆.....☆

”رات کے دو بجے وہ اپنے کمرے میں کھڑا اونٹو سے چاند کو دیکھ رہا تھا، اس نے بڑے کرب سے اپنے ہاتھ دیوار پر مارے اور سوچنے لگا۔

”کیا مجھے میری محبت مل پائے گی، بچپن سے جس چہرے کو نگاہ میں رکھا بڑے ہو کر پتہ لگا کہ وہ میرا ہونی نہیں

سکتا۔“ وہ جس سے پیار کرتا تھا وہ کسی اور سے پیار کرتی تھی، اس کے دل میں درد بڑھتا جا رہا تھا، وہ رات اس نے انگاروں پر بسری تھی۔

☆.....☆.....☆

ایک دفعہ پھر حذیفہ اور اس کی بات جیت بند ہو چکی تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ نجاب نے کیا غلطی ہو گئی ہے جو وہ ایسا کر رہا تھا۔

”احسان نہ کر ان جذبوں کا نظروں سے گرا بے شک لیکن جینا بھی مجھے دشوار لگے اتنا تو نظر انداز نہ کر“ وہ گارڈن میں بیٹھی تھی، موسم نہایت ہی خوشگوار ہو رہا تھا، اس کا ذہن صرف ایک ہی شخص کو سوچے جا رہا تھا، نا چاہتے ہوئے بھی حذیفہ اس کی سوچوں کا حصہ بنتا جا رہا تھا۔ وہ لاکھ اس کے تصور سے خود کو دور کرتی خود کو اتنا ہی قریب پاتی تھی، دن یہ دن اس کی سوچوں کی لگام اس کے ہاتھوں سے نکل رہی تھی، اسے لگ رہا تھا کہ ان سوچوں نے کسی دن اسے پاگل کر دینا ہے، حذیفہ کی اتنی انکوریٹس اس کو بے کل کیے دے رہی تھی، کچھ دن پہلے کا خواب اس کو یاد آ گیا وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”اگر یہی سچ ہوا تو وہ کیا کرے گی؟“ اس کے آگے سوالیہ نشان تھا جس کا جواب فی الوقت تو اس کے پاس نہ تھا، سوچوں کی گرداب سے بچنے کے لیے اس نے جنن میں کچھ ٹرائی کرنے کا سوچا اور راہ فرار اختیار کی، صاعقہ جنن میں ہی تھی اس کو دیکھا تو مسکرا دی۔

”بھائی جی! کیا کر رہی ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”یہ بھائی کس کو کہہ رہی ہو تم ہاں؟“ صاعقہ نے چڑکھاتو پوچھا۔

”نہیں... اور کے کہوں گی۔“ اس نے جواب دیا۔

”پڑ گئی مجھ سے۔“ صاعقہ بولی، اس سے بات کرتے ہوئے اس کا ذہن کسی قدر بہت گیا تھا، اس نے سکون کی سانس لی اور صاعقہ سے ایک دفعہ پھر باتوں میں لگ گئی۔

تو قیر بھائی کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی، اور وہ ہمیشہ کے

لیے واپس آ رہے تھے، اتوار کی صبح ان کو آنا تھا، صاعقہ ہفتے کے دن ہی چلی گئی تھی، پورے گھر میں ہانچل تھی، لڑکیاں اور خواتین نت نئی ڈشز بنانے میں مصروف تھیں تو لڑکے اپنے ڈریس کی فکر میں مصروف، ہر کوئی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا تا کہ تو قیر کے آنے سے پہلے سارے کام ختم ہو جائیں۔

”مجھے بھی ساتھ لے چلو ناں؟“ مشکوٰۃ نے التجائیہ انداز میں معصومانہ شکل بناتے ہوئے شاہ میر اور رضوان سے کہا۔

”جی نہیں تمہاری شکل دیکھ کر تو قیر بھائی کو 440 والٹ کا کرنٹ لگ جائے گا اس سے بہتر ہے گھر میں رہ کر کام دام کرؤ۔“ شاہ میر نے کہا تو مشکوٰۃ برے برے منہ بناتی ہوئی ناراض چہرہ لیے وہاں سے چلی گئی۔

تقریباً 1 بجے کے قریب تو قیر کی سواری گھر میں داخل ہوئی، خواتین اپنا کام پہلے ہی ختم کر چکی تھیں، لہذا تو قیر کو ویلکم کرنے کے لیے آکھڑی ہوئیں۔ مشکوٰۃ اور ام ہانی تو تو قیر کے دائیں بائیں بیٹھ گئی تھیں، اب گھر میں صرف یہ دو لڑکیاں رہ گئی تھیں اس لیے بھائیوں کا سارا پیار اٹھاتی تھیں، تو قیر کو تو مشکوٰۃ دل و جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، تمام گھر والے تو قیر کو پیش پر دونوں دل دے رہے تھے جو اس سے ہضم نہیں ہو پارہی تھی۔

”کیا بات ہے بھئی! بندہ ذرا دور رہے تو قدر بڑھ جاتی ہے، ورنہ پہلے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں تھا۔“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے سب کو چھیڑا۔

”اٹھو الو یار! جتنے خمرے دکھانے ہیں اور اٹھوانے ہیں اب اس کے بعد تو تمہارا پیروں میں بیڑیاں ڈالنے والی ہیں، پھر تو تمہیں خمرے اٹھانے پڑیں گے۔“ عارف نے کہا تو سب ہنس پڑے۔

”اجی ہم بھی بعد شوق یہ بیڑیاں پہننے کو تیار ہیں، ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ تو قیر نے کہا۔

”ہاں تم تو وہی ڈرا سے باز۔“ قیر نے کہا۔

”تھینک یو بڑے بھائی!“ تو قیر نے سر کو جھکا کر کہا۔

”بھائی! آپ میرے لیے کیا لائے ہیں؟“ مشکوٰۃ نے تو قیر سے پوچھا۔

”میں اپنی پیاری سی بہن کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور پیار لایا ہوں۔“ تو قیر نے مشکوٰۃ کو کس کرتے ہوئے کہا۔

”چلیں ناں، یہاں سے بڑے آئے۔“ مشکوٰۃ نے چڑتے ہوئے کہا۔

”تمہارے لیے تو کچھ بھی نہیں لایا، باقی سب کے لیے لایا ہوں۔“ تو قیر نے اس کو مزید چڑایا۔

”کیوں مجھ سے کیا دشمنی تھی آپ کی؟“ مشکوٰۃ بولی۔

”کچھ خاص نہیں بس بچپن میں تم میری بکری چرا کر بھاگی تھیں ناں، اس کا بدلہ ہے یہ۔“ تو قیر نے کہا تو مشکوٰۃ کی شکل دیکھنے والی تھی، اور عارف اور رضوان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”چلو بس کرو بہت ہو گیا، اب جا کر فریش ہو جاؤ تم، کھانا ریڈی ہے۔“ عائشہ بیگم نے سب کو ٹوکا تو سب ہی منتشر ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

تو قیر کے آنے کے بعد اس کی شادی طے کر دی گئی تھی۔ گھر میں سارا دن ہانچل رہتی تھی، عائشہ بیگم کے بھانجے وغیرہ آچکے تھے اور سب نے مل کر روق لگادی تھی، حذیفہ کی امی نہیں آئیں تھیں جبکہ چاچو اور حذیفہ وغیرہ آگئے تھے، تمام کمزرنے مل کر تو قیر کی درگت بنادی تھی وہ بے چارہ ان سے چھپنے کے لیے ادھر ادھر بھاگتا تھا، آج پھر اس کی شامت آئی ہوئی تھی۔

”تو قیر یار! ٹو گھوڑی چڑھنے جا رہا ہے ہماری باری کب آئے گی؟“ رضوان نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا، تو سب سے پہلے عارف کا قہقہہ ابھرا تھا، جس پر سب لوگوں نے اس کو گھور کر ہنسنے کی وجہ جاننا چاہی تھی جس پر وہ ہنسنے ہوئے بولا۔

”بیٹا! تو کسی ایک پر ٹک جا تو تیری باری بھی آئے

ناں، کبھی کون تو کبھی کون، خود بھی کنفیوژ ہو، پتہ ہے پچھلے دنوں ایک کال آئی محترم کو کوئی لڑکی تھی شاید، ہوئی کوئی گرل فرینڈ، اسے یاد ہی نہیں آ رہی تھی کبھی کسی کا تو کبھی کسی کا نام لے رہا تھا، آخر اس نے خود اپنا نام بتایا اور ان سب لڑکیوں کا دریافت کیا تو موصوف کہنے لگے ارے یار وہ سب میری کمزرن ہیں، بہنوں جیسی۔“ عارف نے سب کے سامنے اس کی درگت بنائی تو وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

”ہاں تو کھول دے میری پول پٹی، اب اگر میں نے تیری بات بتائی ناں تو لگ پتا جائے گا تجھے۔“ رضوان نے غصہ ظاہر کیا۔

”کیا، کیا بتاؤ؟“ سب نے یک آواز ہو کر کہا، تو عارف نے بڑے ہی التجائیہ انداز میں اس کو اشارے سے بات بتانے سے منع کیا۔

”ہم دوستوں کے دوست ہیں، بھلے ہی کوئی ہمارے ساتھ خداری کرے پر ہم نہیں کرتے۔“ رضوان نے شاہانہ انداز میں کہا تو عارف نے شکر ادا کیا کہ اس نے اپنا منہ نہیں کھولا ورنہ نجائے اس کے بھرم کا کیا ہوتا۔

☆.....☆.....☆

اسی طرح بنی خوشی تو قیر کی شادی ہو گئی اور صاعقہ ہمیشہ کے لیے اس کے گھر آ گئی، کہ ایک خبر نے مشکوٰۃ اور صاعقہ کے حیرتوں تلے کی زمین ہلچلی۔

”حبیب کہہ رہا تھا کہ اس نے حذیفہ کا رشتہ سریم کی بھانجی کے ساتھ طے کر دیا ہے، تم تینوں گئے تھے ماشاء اللہ بظاہر تو اچھی ہے اب آگے حذیفہ کا نصیب ہے۔“ مصطفیٰ صاحب کہہ رہے تھے اور مشکوٰۃ کے دل پر گویا بر چھیاں چل رہی تھیں، اس کا خواب حقیقت بن گیا تھا، وہ ساکت نظروں سے ان سب کو دیکھ اور سن رہی تھی۔

”ابھی کچھ دن بعد مغنی کا ارادہ ہے، تم سب تیار کر لو وہاں جانے کی بلکہ عارف! کل تم مشکوٰۃ، صاعقہ، ام ہانی اور اپنی بھائی کو لے جانا اور رضوان! تم اپنی امی اور تائی امی وغیرہ کو لے کر جانا، جلدی جلدی تیار کر لو، وقت

بہت کم ہے اور تو قیر! تم میرے روم میں آؤ، قیم اتم بھی۔“ وہ جلدی جلدی بات کو سمیٹ کر وہاں سے چل دیئے اور قیم اور تو قیر بھی ان کے پیچھے چل دیئے، وہاں موجود لوگوں میں صاعقہ اور عارف نے بیک وقت اس سینوں سے بھری معصوم اور بے ضرر لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدگی لیے ہوئے تھا، پھر وہ یکدم وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی، صاعقہ اس کے پیچھے بھاگی تھی اور اس کو چپ کروانے کی کوشش میں وہ خود رو پڑی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اسے کن الفاظ میں ملی دے، وہ خود ہی اس کے ساتھ رو دی تھی پراس کو چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی، نیچے حال میں کھڑا عارف اس معصوم لڑکی کے لیے دعا گو تھا۔

☆.....☆.....☆

حذیفہ اپنے گھر کے میس پر ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا، وہ کافی دنوں سے مشکوٰۃ کو اگنور کر رہا تھا، اور اگنور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی امی نے اس کی شادی طے کر دی تھی، اس نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی تھی، اپنی فینکلو بتائیں پر سب بے سود انہوں نے اس کی ایک نہ سنی تھی، اور رشتہ طے کر دیا تھا اور وہ اپنے ماں باپ کے آگے چپ رہ گیا تھا، وہ کبھی کیا سکتا تھا، جب تک اس کی شادی کی بات نہ ہوئی تھی اس سے پہلے تک اسے نہیں پتہ تھا کہ اسے بھی مشکوٰۃ سے پیار ہو گیا ہے پر اب جب وہ اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہونے لگی تھی، تو وہ بے کل ہو گیا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے دل کا حال کیسے بیان کرے سب سے زیادہ دکھ تو اسے مشکوٰۃ کا تھا کہ جب اسے یہ خبر پتہ لگی کہ اس کا کیا ہوگا، وہ اپنی سوچوں سے لڑ رہا تھا کہ اس کے پیچھے کسی نے اسے ہلا یا وہ پیچھے مڑا تو نونفل تھا۔

”بھائی! مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ اتنے کمزور ہوں گے کہ اپنے حق کے لیے بھی نہ لڑ سکیں گے۔“ اس بات پر حذیفہ نے نونفل کو دیکھا تھا اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا تھا، اور پیچھے نونفل نے اسے تاسف سے اس کی پشت کو

دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ یاسیت سے ایک ہی نقطے کو نکلے جا رہی تھی، اس نے خود کو کمرے تک متقلب کر دیا تھا، وہ اپنی سوچوں کے محور سے نکل ہی نہیں پار رہی تھی، شاید وہ ٹکنا ہی نہیں چاہ رہی تھی، صاعقہ اور عارف اس کو لے کر کافی سنجیدہ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ حذیفہ کی ممکنگی سے ایک دن پہلے اسے شدید بخار نے آ لیا، صاعقہ اس کے کمرے میں آئی تو وہ بخار میں تپ رہی تھی، اس نے اس کو آوازیں دیں، پر نقاہت کی وجہ سے اس نے آنکھیں ہی نہ کھولیں، صاعقہ نے جا کر عائشہ بیگم کو بتایا تو وہ پریشان ہو اٹھیں، انہوں نے اسے چیک کیا تو بخاریاں حدت سے اس کا چہرہ تپ رہا تھا، انہوں نے گھر میں نگاہ دوڑائی تو کوئی بھی نہ تھا مردوں میں سے سوائے عارف کے جو اس وقت کسی کام سے باہر جا رہا تھا، عائشہ بیگم نے اس کو مشکوٰۃ کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا کہا تو عارف فوراً اسے گاڑی میں ڈال کر چلا گیا، اس کا مکمل چیک اپ کروا کر گھر آیا اور عائشہ بیگم کو اسے مکمل ریسٹ کروانے کو کہا، رات کو عارف گھر لوٹا تھا کہ اچانک اسے مشکوٰۃ سے بات کرنے کا خیال آیا وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھا اور دروازہ ٹاک کر کے اندر داخل ہوا، وہ جاگ رہی تھی اور جاگتی کیوں ناں، محبت تو اچھے اچھوں کی نیندیں اڑا دیتی ہے۔

”اب کسی طبیعت ہے؟“ عارف نے چیخ کر گھسیٹ کر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”تھوڑی بہتر ہوں۔“ مشکوٰۃ نے کہہ کر نگاہ چرا لی۔

”ہم م م م... تمہیں پتہ ہے تمہاری یہ خاموشی اور یہ حالت لوگوں کو تشویش میں مبتلا کر سکتی ہے، تمہاری وجہ سے گھر کے باقی لوگ ٹینس ہیں مشکوٰۃ! جو گزر گیا وہ واپس نہیں آ سکتا، پر جو پاس ہے ہم اسے کیوں کھو دیں کسی کی خاطر، تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ عارف نے بات کا آغاز کیا اور اسے سمجھایا۔

”میں کوشش کر سکتی ہوں عارف بھائی! پر میں کیا

کروں میں مجبور ہوں۔“ اس نے بے بسی سے جواب دیا۔
”مجھے پتا ہے بہر حال مجھے امید ہے تم بہت بہادر
ہو۔“ عارف نے اس کو سکرانی نگاہ سے دیکھا۔

☆.....☆.....☆

صاعقہ اور مشکوٰۃ حذیفہ کی منگنی میں نہیں گئے، باقی
سب وہاں گئے، تقریب کافی پر زور تھی، حذیفہ کی نگاہیں
اس کو ڈھونڈ رہی تھیں، پر جب وہ اس کو کہیں دکھائی نہ دی تو
مجبور ہو کر اس نے ساتھ کھڑے عارف سے پوچھا۔

”صاعقہ اور مشکوٰۃ کہاں ہیں؟“

”صاعقہ، مشکوٰۃ کے ساتھ ہے، اس کی طبیعت
خراب ہے۔“ حذیفہ کو نہایت افسوس ہوا، اس پیاری سی
لڑکی پر، باقی کی تقریب اس نے نہایت بے دلی سے
گزاری۔

☆.....☆.....☆

جتنی جلدی حذیفہ کی منگنی ہوئی اتنی ہی جلدی شادی
کی تاریخ بھی پکی کر دی گئی، 6 ماہ کا عرصہ منگنی کے بعد رکھا
گیا اور یہ 6 ماہ کا عرصہ ایسے پر لگا کر اڑا کہ لگا صرف مہینہ
چلتا ہو، بالآخر حذیفہ کی شادی دھوم دھام سے ہو گئی، سب
نے بھرپور طریقے سے شرکت کی، نہ شریک ہوئی تو
مشکوٰۃ حذیفہ کی منگنی کے بعد اسے سنہلنے میں کافی دشواری
ہوئی تھی پر صاعقہ اور عارف نے اس کی پوری مدد کی تھی،
دونوں نے اسے بھرپور طریقے سے کور کر کے زندگی کی
طرف لوٹایا تھا، اور وہ سنہل گئی تھی اور خود کو مزید سنہلنے
کے لیے اپنی اسٹڈی کور کر کے صاعقہ کے گھر اپنی خالہ کے
پاس رہنے چلی گئی تھی اور جب حذیفہ کی شادی ہوئی تو
اسے ایک بہانہ مل گیا نہ آنے کو اس کی شادی جب ہوئی تو
اس کے فرسٹ سیسر چل رہے تھے، اور جس رات حذیفہ
کا نکاح تھا وہ رات اس نے انگاروں پر بسر کی تھی، اسے
ایک بل کو قرا نہیں تھا، یقیناً اسے حذیفہ کا نصیب نہیں بننا
تھا اس نے آخر تقدیر کے فیصلے کو مان لیا تھا پہلے اسے امید
تھی کہ کاش آخر وقت تک کچھ بھی ہو جائے، اس رات وہ
مخواب روئی اور اللہ سے شکوہ کیا، پھر یہی سوچ کر اس کو قرا

آ گیا کہ ضروری تو نہیں انسان کو سب کچھ ملے زندگی میں
ہر چیز تو اسے ملی تھی، باپ، ماں، بہن، بھائی جان لٹا دیئے
والے کزنز، بس ایک پیاری تو نہیں ملا، وہ آخر چپ ہو گئی
تھی، دوسری طرف حذیفہ کے لیے یہ گھڑیاں کسی سزا سے
کم نہ تھیں، آج وہ کسی اور کا ہونے جا رہا تھا، اگر مشکوٰۃ
کے لیے انگاروں سے بھری وہ رات تھی تو حذیفہ کے لیے
بھی وہ رات پھانسی کے پھندے سے کم نہ تھی، اس کو پتہ تھا
کہ مشکوٰۃ نہیں آئے گی پر اسے موہوم سی امید تھی کہ شاید
آجائے، بالآخر وہ نہیں آئی تھی اور اس کی شادی ہو گئی تھی،
اس کے بعد دعوتوں کا طویل سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا سب
کچھ جیسے اپنی جگہ نامعلوم ہو گیا تھا، یا پھر بہت کچھ بدل سا
گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

پانچ سال بعد۔

”پاپا..... پاپا! حذیفہ ماضی میں کھویا ہوا تھا کہ اس
آواز نے اس کو حال میں لا پیچھا، اس کی 3 سالہ بیٹی اس
کے پاس بھاگی چلی آ رہی تھی اور نفل اس کے پیچھے تھا۔
”ارے، ارے سنہل کر۔“ اس نے آگے بڑھ کر
مشکوٰۃ کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا اور اسے پیار کیا تھا۔
”پاپا! ہم ناں بھاگنے والا کھیل رہے تھے اور جا چوہا
گئے مجھ سے، چاچو موٹے ہو گئے ہیں۔“ مشکوٰۃ نے کھلکھلا
کر ہنسنے ہوئے کہا تو نفل نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت
رسیدی۔

”انتا سارٹ تو ہوں بھائی! پتہ نہیں آپ کی بیٹی آخر
چاہتی کیا ہے، ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے میرے پیچھے۔“ نفل
نے منہ بناتے ہوئے کہا تو حذیفہ ہنس پڑا۔

”جاؤ بیٹا! اندر جاؤ دادو کے پاس۔“ حذیفہ نے
مشکوٰۃ کو گودے سے اتارا تو وہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔

”بھائی! آپ نے کیا سوچا پھر اسماء بھائی کے
بارے میں؟ انہیں کب تک ڈائوئرس دیں گے، ایسا نہ ہو
کہ مشکوٰۃ کے بڑے ہو جانے تک وہ پھر کوئی ٹیم کریں
ہمارے ساتھ۔“ نفل نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا تو

حذیفہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

”میں نے اپنے ویل سے بات کی ہے ان کا کہنا
ہے کہ کچھ دن مزید لکھیں گے۔“ حذیفہ نے جواب دیا اور
ایک لمبی سانس بھر کر رہ گیا۔

ان پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا، اسماء ذرا
براؤ مائینڈ لڑکی تھی، اسے شادی جیسے صحیح جھٹ سے ذرا دلچسپی
نہ تھی، فکر تھی تو صرف باہر کی دنیا کی، لوگوں سے ملنے جلنے
کی، شادی کے بعد کچھ ماہ تک تو سب ٹھیک رہا پھر اسماء
نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے اس کی باہر کی
سرگرمیاں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھیں اسے مطلق پرواہ نہیں
تھی کہ وہ شادی شدہ ہے اور اس کی کچھ حدیں ہیں، حذیفہ
نے اس کا ساتھ بھانے کی پوری کوشش کی، پر روز روز کی
لڑائی جھگڑے طوالت اختیار کر گئے تھے، یہاں تک کہ وہ
پچ بھی نہیں چاہتی تھی جب وہ پریگنٹ ہوئی تو اس نے
حذیفہ سے ابارش کی بات کی۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، تم نے ایسا سوچا بھی کیسے
کہ میں تمہیں اس کی اجازت دوں گا، آئندہ اگر ایسی
کبواں اس کو سوچ لیتا۔“ حذیفہ نے جواب دیا۔

”جی ہاں بالکل ٹھیک دماغ ہے میرا اور میں تم جیسے
شخص کے ساتھ قطعاً گزارا نہیں کر پاؤں گی، جو مجھ پر
واجب پابندیاں لگا تا ہے مجھے تم سے طلاق چاہیے ابھی اور
اسی وقت۔“ اسماء نے انتہائی سفاکی سے کہا اور گیٹ پر
کھڑی مریم بیگم دنگ رہ گئیں، بلاشبہ انہیں اس بات کا
احساس ہو چلا تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی زندگی جہنم
بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی آخر کو وہ ماں تھیں اور
اپنے کے کا اعتراف کر چکی تھیں اور کئی بار حذیفہ سے معافی
بھی مانگتی تھی۔

”تمہیں طلاق چاہیے ناں، مل جائے گی، میں بھی
تنگ آ گیا ہوں، پر اس سے پہلے مجھے اپنا بچہ چاہیے، میں
بچے کے بعد تمہیں طلاق دے دوں گا۔“ حذیفہ نے غصیلے
لہجے میں کہا اور وہاں سے ہٹ گیا، پھر اسماء کی پریگنٹ
نکستہ ہوتے ہی جس دن اس کی بیٹی ہوئی وہ اپنی ماں کے

گھر چلی گئی، پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئی، نہ اپنی بیٹی کے لیے،
نہ شوہر کے لیے۔ اس دن کے بعد سے حذیفہ نے اس
چھوٹی سی بچی کو سنبھالا اور جب اس کا نام رکھنے کی باری
آئی تو حذیفہ نے اس کا نام مشکوٰۃ رکھا وہ اس کے لیے کسی
چراغ سے کم نہ تھی۔ اسماء نے جانے کے بعد دوبارہ طلاق
کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور حذیفہ نے بھی دوبارہ اس سے
راہ طلب نہیں رکھا تھا، اگر یہاں بہت کچھ ہو چلا تھا تو مشکوٰۃ کی
زندگی بھی بہت بدل گئی تھی، اس نے بہت کوشش کر کے
آخر حذیفہ کو بھلا دیا تھا اور اپنی زندگی میں مگن ہو گئی تھی،
اس کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی اور اس نے کوننگ کلاسز
جوائن کر لی تھیں، نت نئی ڈشز بنا کر گھر والوں کے صبر کا
امتحان لیتی، اس کی ہنسی اور لڑنا جھگڑنا سب واپس آ گیا
تھا، اب اس نے خود کو اس حد تک سنبھال لیا تھا کہ حذیفہ کا
سامنا کر پاتی تھی، جب اسے حذیفہ کے ساتھ جو بیٹی اس
کا پتہ لگا تو بہت افسوس ہوا تھا، اس نے مشکوٰۃ کو دیکھا تو وہ
اس کو پوری حذیفہ کی کالی گئی، اس نے اسے خوب پیار کیا
تھا گو کہ اب حذیفہ اور مشکوٰۃ میں بات چیت نہ ہوئی تھی،
نہ ہی پہلے کی طرح فریٹنس تھی، پر اب وہ اس کا سامنا
کر لیتی تھی، صاعقہ اور تو قیر کا ایک بیٹا تھا، بہت ہی شرارتی
اور ام ہانی کے لیے شاہ میر کے دوست اسماء کا رشتہ آیا تھا،
پر رزاق صاحب نے ام ہانی کو رضوان کے لیے مانگ لیا
تھا، اس لیے اسماء کو بھولت سے منع کر دیا گیا تھا۔

”بس ننڈ جی! اب اور کتنی دفعہ آپ سے کہوں اب
کب میری جان چھوڑیں گی آپ، کب شادی کر کے
رخصت ہونے کا ارادہ ہے؟“ صاعقہ نے اسے بھرپور
طریقے سے چھیڑا تھا، جس پر وہ چڑ گئی تھی۔

”بھابی جی! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں آپ کے اوپر
سوار نہیں ہوں، جو آپ کو بوجھ لگوں گی، دوسری بات تو یہ
ہے کہ یہ میرے ممما، پاپا کا گھر ہے، جب تک رہوں میری
مرضی، کیوں پاپا؟ اور تیسری بات یہ کہ آپ کو میری فکر میں
خود کو ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور چوکی بات تو
ہے کہ.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

”بس، بس کتنا نان اسٹاپ بولتی ہو، کوہ نہ بریکٹ نہ فل اسٹاپ، اف لڑکی! جس کے گھر جاؤ گی اس کے ستارے گردش میں ہوں گے“۔ صاعقہ نے اس کی بات کو روکنے ہوئے کہا تو ماما پاپا بھی بولے۔

”ہاں بیٹا! اب اور کتنا مزید وقت لوگی، جلدی سے کوئی فیصلہ کرلو، میں اپنے آخری فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں“۔ پاپا نے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”جیسے آپ لوگوں کو مناسب لگے“۔ مشکوٰۃ نے جواب دیا اور بھاگ گئی، مشکوٰۃ کے انداز پر وہ لوگ ہنس دیئے۔

”عائشہ! کل مجھ سے یعقوب نے اپنے بیٹے کے لیے کہا تھا، آپ کی کیا رائے ہے؟ دیکھا بھالا بچہ ہے، اچھا ہے“۔ انہوں نے پوچھا تو اندر آتا ہوا عارف چونک پڑا۔

”ہاں مشکوٰۃ کے ساتھ ٹھیک رہے گا، پر پھر بھی اتنی جلدی جواب دینا ٹھیک نہیں، کچھ دن صبر کیجئے اپنے بھائیوں سے پوچھیے گا“۔ عائشہ بیگم نے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور عارف غصے سے واک آؤٹ کر گیا، وہ لان میں آیا تو رضوان فون پر جو گفتگو تھا اس نے آتے ہی اس کا فون چیمپنا۔

”کیا مسئلہ ہے شہزادے! اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟“ رضوان نے اس کو بغور دیکھا۔

”ٹو یہاں پر فون پر لگا ہوا ہے، یہاں میری بینڈنگ گئی ہے، کسی کو میں نظر نہیں آتا، دکھائی دینا بند ہو گیا ہے اور ٹو اور میرے ماں باپ کو بھی میری مطلق پرواہ نہیں ہے، کسی کو میرے گھوڑی چڑھنے کا خیال نہیں ہے، سب خوش ہیں اپنی زندگی میں، ایک میں ہی ہوں بس“۔ عارف نے انتہائی غصے میں بات ادھوری چھوڑی تو رضوان نے بے ساختہ قبچہہ لگانا شروع کر دیا، جس پر اس نے اسے کھا جانے والی لگا ہوں سے دیکھا۔

”ہو کیا ہے میری جان! وہ تو بتا؟“ رضوان نے عارف کی گھوڑی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”وہاں تاپا ابو کو یعقوب صاحب کے بیٹے میں بڑی خوبیاں دکھ رہی ہیں، پر اپنا بھتیجا ان کو نظر نہیں آتا کیا، جیسے میں تو سارے جہاں کا گھٹو اور فارغ الخلقہ مخلوق ہوں ناں“۔ عارف نے جواب دیا۔

”اوہ... تو تم جیسے بچوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے، ابھی بھی وقت ہے بازی مار سکتے ہو، جاؤ اپنے امی ابو سے بات کرو“۔ رضوان نے مشورہ دیا۔

”میں کیسے بات کروں؟ ٹو کرنا، میرا مطلب ہے ٹو چاچو سے بول وہ بات کریں گے“۔ عارف نے مسکین صورت بناتے ہوئے کہا۔

”کیا... میں کروں، دماغ ٹھیک ہے؟ وہ تم لوگوں کے ساتھ ایک دوست کی طرح بی ہو کرتے ہیں، میرے لیے کسی سخت گیر باپ سے کم نہیں ہیں، خود ہی جا کر بول دو اپنے من پسند چاچو سے“۔ رضوان نے ٹکاسا جواب دیا تو اس نے خود ہی بات کرنے کی ٹھان لی، اور رزاق صاحب نے اس کی بات سن کر بات کرنے کی رضامندی دے دی، وہ خوش ہو گیا، جب انہوں نے عارف کے پاپا اور مصطفیٰ صاحب سے بات کی تو دونوں کو کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ مصطفیٰ صاحب تو خود یہی چاہتے تھے، پر بھی دلتواز صاحب نے بات نہ کی تو وہ بھی کچھ نہ بولے، آخر کو بیٹی کے باپ جو تھے۔ عارف کو جب یہ خبر پڑی تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا، اور مشکوٰۃ.... وہ تو جیسے شاک کے عالم میں تھی، جب اسے صاعقہ نے بتایا کہ رشتہ عارف کی مرضی سے ہوا ہے تو وہ سوچ میں پڑ گئی، یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ رات کے وقت لان میں چکر کاٹ رہی تھی کہ عارف کا وہاں سے گزر ہوا، وہ اسے پکار رہی تھی۔

”عارف بھائی!“۔ مشکوٰۃ نے کہا۔

”جی فرمائیے!“۔

”آپ جانتے ہیں ناں کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ اس کے باوجود آپ مجھ سے شادی...!“ اس نے جان کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ہاں میں جانتا ہوں، سب جانتا ہوں، پر اس دل کا

کیا کروں، جو ہر وقت تم ہی کو سوچتا ہے، تم ہی کو مانگتا ہے، اور یہ میرا پیارا بھی کا نہیں بچپن کا ہے، تمہاری کوئی بھی تکلیف میں برداشت نہیں کر سکتا، تمہاری ہر خوشی میری خوشی اور ہر غم میرا غم ہے، میں تم سے شادی تمہارے لیے یا کسی ترس کی خاطر نہیں بلکہ خود کے لیے کر رہا ہوں، کیونکہ میں تم سے پیار نہیں عشق کرتا ہوں“۔ عارف نے تفصیلاً جواب دیا۔

”آپ سچ میں بہت اچھے ہیں، آپ نے مجھے ہر وقت سہارا دیا، مجھے سنبھالا، میں آپ کی اور صاعقہ کی مشکور ہوں، آپ واقعی جس کا نصیب بیش گے وہ بہت خوش نصیب ہوگی“۔ مشکوٰۃ نے جذب سے بنا سوچے سمجھے کہا۔

”پر میرا خیال ہے وہ خوش نصیب تم ہی ہو“۔ عارف نے اس کو احساس دلایا تو اس نے اپنے ہنسل پر غور کیا، اور شرم کر بھاگ گئی، عارف مسکرایا۔

☆.....☆.....☆

حذیفہ نے اسامو کو ڈائریس پیپر بھجوا دیئے تھے اور اس سے ہمیشہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی تھی، حذیفہ خوش تھا کہ اس کی ایک پریشانی تو ختم ہوئی، وہ مشکوٰۃ کو اسکول سے یک کرنے گیا تو وہ اپنی پر تاپا ابو کے گھر چلا گیا وہاں پہنچا تو گھر میں خوشی کا سماں تھا، سب مٹھائی کھا رہے تھے۔

”کیا بات ہے بھئی! کافی خوشی کا ماحول ہے، خیریت تو ہے؟“ حذیفہ نے دریافت کیا۔

”ارے یار! اپنا عارف گھوڑی چڑھنے جا رہا ہے“۔ رضوان نے بتایا۔

”یہ لیں آپ بھی کھائیں“۔ ام ہانی نے مٹھائی اس کے آگے کی تو اس نے ایک اٹھالی۔

”ارے واہ بھئی! کس کی قسمت کے تارے پھوٹ رہے ہیں؟“ حذیفہ نے اسے چھیڑا۔

”کوئی غیر نہیں، جس کی قسمت کے تارے پھوٹ رہے ہیں، وہ اپنی مشکوٰۃ ہی ہے“۔ شاہ میر نے بتایا تو حذیفہ مسکرایا، اور کافی خوش ہوا کہ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ

مشکوٰۃ شادی کر لے۔

”پاپا! گھر چلیں؟“ مشکوٰۃ نے پوچھا۔

”اُنی جلدی کیا ہے میری جان! سچ کر کے جانا“۔

شاہ میر نے اس کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا اور اسے باہر لے گیا اپنے ساتھ، پیچھے وہ لوگ خوش گلیوں میں مصروف تھے۔

☆.....☆.....☆

مشکوٰۃ اور عارف کی ڈائریکٹ شادی رکھ دی گئی تھی، جس میں اس دن رضوان اور ام ہانی کا نکاح بھی تھا، شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں، آج مایوں تھی، مایوں کے پہلے جوڑے میں مشکوٰۃ بھی زرد ہو رہی تھی، سب نے اس کو اہن میں نہلا دیا تھا اور گھر کے لڑکوں سے پردہ کر دیا گیا تھا، جس پر سب لڑکوں نے کافی ٹیڑھے میڑھے منہ بنائے تھے، پر لڑکیوں کے آگے ان کی ایک نہ چلی تھی، لڑکے والے اور لڑکی والے دونوں ایک گھر کے تھے، سوئمنشن نہیں تھی، ہر فنکشن کہاں تھا، خوب شور ہنگامہ ہوا، سب لڑکے لڑکیوں نے مل کر بلہ گایا اور رات دیر تک جاگتے رہے اور صبح گھوڑے سچ کر سوتے رہے، مہندی کے دن بھی ایسا ہی ہوا اور تیج شادی کے دن سب دیر سے اٹھے اور بھانجہ بھانجہ کی تیاری کی، مشکوٰۃ کو اور ام ہانی کو پارلے جانا صاعقہ کے ذمے تھا، وہ فوراً پارلہ بھاگی، پیچھے مہمانوں کو دیکھنا، گھر کے کام، دیگر لڑکیوں نے سنبھالے، عارف کو بھی سیلون لے جایا گیا، رضوان اس کے ساتھ تھا، آخر کو اس کا بھی نکاح تھا، جو نیزہ دولہا تھا وہ بھی۔ سب لڑکیوں کی چھب ہی زالی تھی، ہر کوئی بجلی گرانے جیسی تیاریوں میں مصروف تھا، تو لڑکیاں بھی پیچھے نہ تھیں، آخر وہ وقت بھی آ گیا جب مشکوٰۃ مصطفیٰ سے مشکوٰۃ عارف بن گئی، عارف کو تو مانو سارے جہاں کی خوشی مل گئی تھی، سب سے بڑی خوشی کی بات تو یہ تھی کہ سالوں سے گھر میں نہ آنے والی مرغی بیگم بھی مشکوٰۃ کی شادی میں شریک ہوئیں اسے دعا دی تھی سب نہایت خوش تھے، حذیفہ بھی آیا تھا اور مشکوٰۃ کے ساتھ جب فوٹو سیشن ہوا تو وہ مشکوٰۃ سے بولا تھا۔

”تم میری شادی میں نہیں آئیں، پر میں آیا ہوں۔“
 دہن بنی مشکوٰۃ نے اس کو ذرا کی ذرا دیکھا پھر نگاہ جھکا لی۔
 ”میں ہمیشہ تمہاری خوشیوں کے لیے دعا گو رہا ہوں اور رہوں گا۔“ حذیفہ نے کہا۔
 ”میں نے بھی سمجھی آپ کا برا نہیں چاہا، بوجہ آپ کے ساتھ ہوا اس کا مجھے بہت دکھ ہے۔“ مشکوٰۃ نے نگاہ نیچے کیے کہا۔

”جانتا ہوں، پر مجھے اور کچھ نہیں چاہیے ایک مشکوٰۃ نہ ملی اللہ نے دوسری مشکوٰۃ دے دی، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے، میرے لیے یادیں کافی ہیں۔“ حذیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو مشکوٰۃ بھی مسکرا دی، اور پھر محبت کا وقت بھی آ گیا اور وہ رخصت ہو گئی، عارف کے سبک، کچھ بھی نہیں بدلا صرف اس کا کمرہ بدلتا تھا، وہ پھولوں سے سجے خوبصورت کمرے میں لائی گئی تھی اور پھر مزید ریسوں کے بعد جب سب اسے چھوڑ گئے تو اس نے کمر بیڈ کراؤن سے نکادی، ٹھکے کی آواز پر وہ سیدی ہو بیٹھی، عارف آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا، اس کا گھونگھٹ اٹھایا، بلاشبہ وہ آج بے حد حسین لگ رہی تھی، اس نے سائیڈ دراز سے ایک ڈیبا نکالی اور اس کی طرف بڑھادی پھر ہاتھ کھینچا اور خود ہی ڈیبا کھولی اس میں ایک خوبصورت بریلیٹ تھا، پھر اس نے مشکوٰۃ کا ہاتھ اپنی طرف بڑھایا اور اسے پہنا دیا، اور اسے شوخ نگاہوں سے دیکھنے لگا، وہ سرخ ہو گئی، وہ کہیں بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔

”کیا ہے... ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ اس نے بے چارگی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

”کافی خوبصورت لگ رہی ہو، فرسٹ ٹائم شرماتے ہوئے، اس لیے تمہیں شرماتے پر مجبور کر رہا ہوں۔“ عارف نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تو اس نے اسے دیکھا۔
 ”پتہ ہے مشکوٰۃ! میں نے تمہیں کس قدر چاہا ہے؟ اس قدر کہ جب مجھے پتہ لگا کہ تم حذیفہ کو چاہتی ہو، تو میں نے اپنی محبت اپنے دل میں دفن کر دی، کیونکہ جس سے محبت ہو صرف اس کو خوش دیکھنا ہی محبت کرنے والے کے

لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے اور میں بھی یہی چاہتا تھا، اس کے بعد سے میں نے تمہیں دعاؤں میں مانگنا چھوڑ دیا، پر مجھے پتہ نہیں تھا کہ تم ہی میرے لیے تھیں، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں اور پیار دوں گا، مجھے پتہ ہے ابھی تمہارے دل میں میرے لیے محبت نہیں ہے پر مجھے امید ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب تمہارا دل صرف میرے بارے میں سوچنا چاہے گا، میرے نام پر دھڑکنے کا اور میری ہر تکلیف پر ترپے گا۔“ عارف نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا، پھر اس کی نگاہوں میں جھانکا، جہاں فی الوقت اسے حذیفہ کا رنگ یا شادی پر پیشانی کا کوئی رنگ نہ تھا۔
 ”انشاء اللہ ایسا ضرور ہوگا۔“ مشکوٰۃ نے دل ہی دل میں کہا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اسے اتنا چاہنے والا اور خالص دل رکھنے والا شخص دیا تھا اور رات یوں ہی بیت گئی۔

☆.....☆.....☆

”مشکوٰۃ! اٹھو۔۔۔ ٹائم دیکھو کیا ہو گیا ہے۔“ اسے کوئی اٹھا رہا تھا اور حسب عادت اس نے اٹھانے والے کا ہاتھ پرے کیا تھا اور کہا تھا۔
 ”سو نے دو ناں صاعقہ! تم بھی پیچھے پڑ جاتی ہو۔“ پھر اچانک ہی ایک خیال اس کے دماغ میں کوندا اور وہ جھٹکا مار کر اٹھ بیٹھی، سامنے عارف کھڑا مسکرا رہا تھا، وہ شرمندہ ہو گئی۔

”چلو اب اٹھ جاؤ! جلدی پانچ بار دروازہ ناک ہو چکا ہے۔“ عارف نے کہا اور خود بیٹھ گیا، بیڈ پر بیٹھے کو سیدھا کیا اور بیڈ سے ٹیک لگائی، مشکوٰۃ کا اب بھی اٹھنے کا کوئی موڈ نہیں لگ رہا تھا، اس نے دوبارہ ٹیکے پر سر رکھ کر سونے کی کوشش کی تو عارف کو اس پر پیار آ گیا، اس نے اس کے لیے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کو اپنی ہانہوں میں لے لیا اس سے اس کو خاک اٹھنا تھا، سوتی رہی اور اس نے اس کو نہیں اٹھایا، اسے ہانہوں میں لے کر یہ سوچتا رہا کہ۔
 ”واقعی یہ حقیقت ہے یا خواب، عارف احمد کا لک اتنا

اچھا بھی ہو سکتا ہے۔“ اس نے بے خودی میں اس کے گال پر کس کیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

”عارف بھابھ!“ حسب عادت اس نے اسے عارف بھائی کہنا چاہا پر عارف نے اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور اسے احساس ہوا کہ وہ کیا بول رہی تھی۔
 ”اب تو یہ بھائی کا صنفہ چھوڑ دو، اب تو شوہر بن گیا ہوں۔“ عارف نے کہا تو مشکوٰۃ مسکرا دی۔

”ہنسی میں جاؤں۔“ مشکوٰۃ نے اس کے لیے چوڑے وجود کو ہٹانے کی ناکام کوشش کی۔
 ”کہہ رہا جاؤں؟“ عارف نے اس کے گرد راسے جھگ کیے۔

”ابھی تک پڑا ہی کہاں ہے، چھوڑنے کی بات کر رہی ہو۔“ اس نے اس کے گرد ہانہوں کا حصار مزید تنگ کیا اور اس نے اس کے بازو پر چنگی کافی تو وہ بلبلاتا تھا اور وہ موقع ملتے ہی بھاگ کھڑی ہوئی۔
 ”بدمیز!“ عارف نے کہا تو وہ بھاگ گئی۔

☆.....☆.....☆

دعوتوں کا سلسلہ تمام ہوا اور زندگی اپنی ڈگر پر لوٹ آئی، مشکوٰۃ کو عارف نے اتنا پیار دیا کہ وہ ماضی کی تلخ یادیں تقریباً بھول ہی گئی، صاعقہ اس کو خوش دیکھ کر خوش تھی، ایک رات عارف اور مشکوٰۃ سوئے ہوئے تھے کہ مشکوٰۃ کو کمرے میں ٹھٹھن سی محسوس ہونے لگی اس نے آنکھ کھولی، عارف ساتھ ہی سویا ہوا تھا، اس نے آنکھیں سے خود پر سے اس کا بازو ہٹایا اور اس پر چادر برابر کر کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ گئی، کھڑکی کے پٹ کھول دیئے، تازہ ہوا کے جھونکے اس کو کچھ راحت دی، اس نے عارف کی طرف نگاہ کی تو اسے اس پر بے اختیار پیار آ گیا، ایک وقت تھا جب وہ حذیفہ کو چاہتی تھی اور آج عارف نے حذیفہ کی کمی دور کر دی تھی، اسے ہر وقت میں سنبھلتا تھا، اسے ہمت، حوصلہ، پیار، محبت، اعتبار، عزت، آرام اور سب سے بڑھ کر اس کا ایسے خیال رکھتا تھا، جیسے کہ وہ کوئی کالج کی گڑیا ہو، مشکوٰۃ کے دل میں پہلے حذیفہ

کی محبت تھی تو اب عارف کی محبت غالب آ گئی تھی اور حذیفہ نہیں دور تھا، بے شک پہلا پیار بھلائے نہیں بھولتا، پر اب اس کے دل کے ایوانوں پر صرف عارف کا راج تھا، عارف نے ہاتھ سیدھا کیا تو اسے اپنے برابر مشکوٰۃ نظر نہ آئی اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑی آسمان کو تنک رہی تھی، وہ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ عارف نے پوچھا۔
 ”دیکھ رہی ہوں کہ رات کے وقت آسمان بتاتا رہے اور چاند کے کچھ نہیں، اسی طرح مشکوٰۃ بھی عارف کے بغیر کچھ نہیں۔“ مشکوٰۃ نے جذب کے عالم میں کہا تو اس نے اس کے وجود کو اپنی ہانہوں کے حصار میں مقید کر لیا۔

”آئی تو یہ عارف! مجھے آج یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں آپ سے پیار کرتی ہوں اور آج میرے دل میں صرف آپ ہی کا راج ہے۔“ مشکوٰۃ اس کے سینے سے لگی ہوئی۔
 ”مجھے یقین تھا کہ ایک دن تم میری ہوگی، صرف میری، آئی تو یہ میری جان!“ عارف نے اس کے ماتھے پر پیار سے مہر ثبت کی اور دوبارہ اسے خود میں سمجھنے لیا۔

چاندنی رات میں حذیفہ کھڑا اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آسمان کو تنک رہا تھا، اور ماضی کی ایک ایک یاد اس کے ذہن کی اسکرین پر جلوہ گر تھی، اور وہ سوچ رہا تھا کہ اسے پتہ ہی نہ لگا کہ بچپن کی شرارت محبت میں بدل گئی، بچپن کا میل جول دور یوں میں بدل گیا، دوریاں بھی ایسی کہ بھی ختم نہ ہو پائیں، اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

”پاپا!“ مشکوٰۃ نے آ کر اسے چونکا دیا۔
 ”جی پاپا کی جان!“ حذیفہ نے پیار سے پوچھا۔

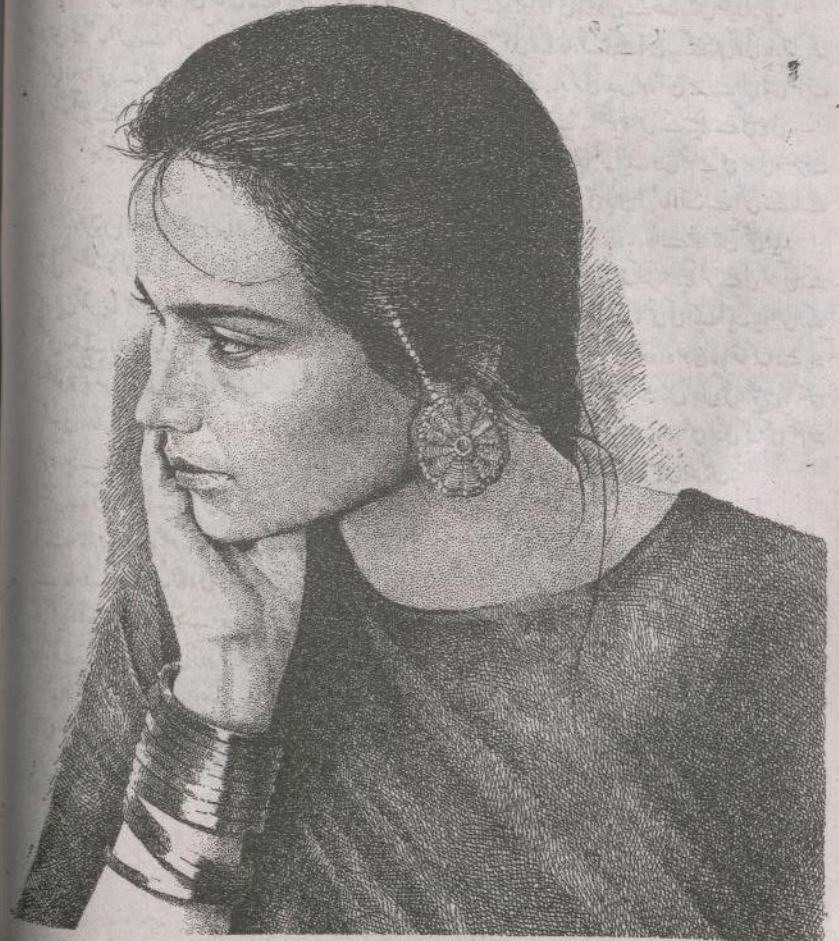
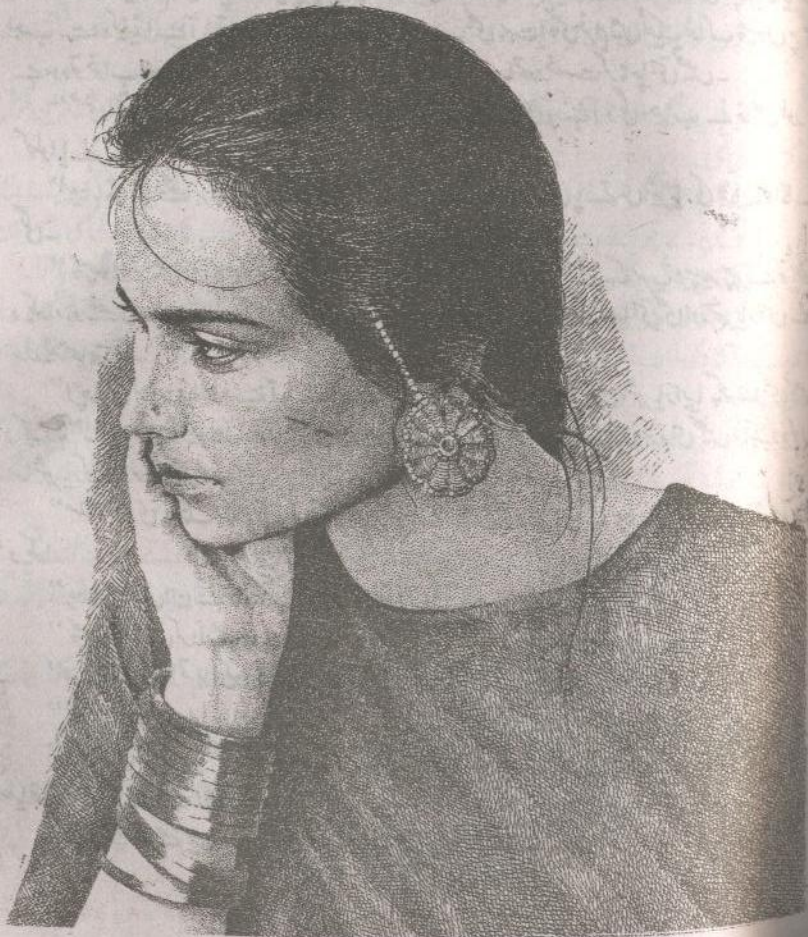
”پاپا! مجھے ڈر لگ رہا تھا اکیلے۔“ اس نے وضاحت کی تو وہ اسے گود میں اٹھا کر بیڈ پر آگسا اور اسے لٹا دیا، اس کی انگلیاں مشکوٰۃ کے بالوں میں چلنے لگیں، اور پیار سے اس کو اپنی ہانہوں میں سمیٹنا اور سلائے لگا۔ اب مشکوٰۃ ہی اس کی زندگی کی کرن اور جینے کا سہارا تھی، واحد سہارا۔
 ☆.....☆.....☆

سلسلے وار ناول

قہر سے سانگیا میں قہر کر

نسرین نے اسے آڑ رو دیا تھا، وہ حباب کی شادی پر حسین بیگم کے گھر جا کر رہے گی، مگر وہ منع کیے جا رہی تھی، مگر جب بیٹا کارڈ دینے آئیں تو وہ حیران رہ گئی، ساتھ شہر یار تھا۔

”پچھو! حباب نے حسنیٰ کو رہنے بلایا ہے۔“ وہ بولیں۔ شہر یار کی نگاہیں حسنیٰ پر ہی تھیں، جسے چائے وغیرہ بنانے کے لیے نسرین نے بلایا تھا۔
 ”بیٹا باجی! میری آج کل کلاسیں ہو رہی ہیں۔“ اس نے لوازمات کی ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھنے کے بعد جھٹ کہا، مبادا نسرین آگے سے کچھ نہیں بول دیں، مگر نسرین کی تنقیدی نگاہوں کی گھوری ایسی تھی جو شہر یار سے بھی مخفی نہ رہ سکی، وہ جڑ بڑی ہو کر نگاہ چرانے لگی۔
 ”اپنی بھانجی اور دوست کے لیے کچھ دنوں کے لیے کلاسیں روک دو۔“ انھوں نے سموسوں کی پلیٹ سے ایک خستہ سموسہ اٹھایا۔
 ”ارے بیٹا! تم فکر نہیں کرو، آجائے گی یہ رہنے، کچھ دن حباب کے ساتھ گزارے گی تو وہ بچی بھی خوش ہو جائے گی۔“ وہ راضی ہو گئیں۔
 ”پچھو! یہ آرٹ سکھانے کا کیا فائدہ جب کہ گھرداری ہی کرنی ہے۔“ شہر یار نے جلتی پرتیل کا کام کیا۔



حسّی کی خوشخوار اور غصیلی لگا ہوں نے اسے دیکھا۔

”بیٹا! کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہو، مگر یہ رفعت نے اس کے شوق بگاڑ رکھے ہیں۔“ وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔

”آپ کو کیا تکلیف ہے؟“ وہ تو تنگ گئی۔

”میں تو اس لیے کہہ رہا ہوں کوئی ڈھنگ کا شوق رکھیں۔“ شہریار اس سے ذرا بھی دبتا نہیں تھا۔

”کہہ تو ٹھیک ہی رہا ہے وہ۔“ نسرین کو تو موقع ملنا چاہیے تھا، حسّی کو سنانے کا۔ شہریار لب بھنج کے اپنی مسکراہٹ دبا کر رہ گیا، کیونکہ حسّی کی صورت ہی ایسی رونے جیسی ہو گئی تھی۔

”شہریار! تم تو ہر جگہ ہر ایک کو جلا کے رکھ دیتے ہو، تمہیں اس سے کیا وہ کچھ بھی کرنے۔“ بیٹا کو حسّی کی حالت پر ترس آنے لگا۔

”جی بجا فرمایا، میں ہر ایک کو جلا کے رکھ دیتا ہوں، کوئی آتش فشاں لاؤ اہوں ناں۔“ وہ طنزیہ بولا۔

”ارے بیٹا! تم بھی بچے کے پیچھے پڑ گئیں۔“ نسرین کا اخلاق تو شہریار کے ساتھ بہت ہی اچھا ہو گیا تھا، جب سے وہ کینیڈا سے آیا تھا اور جب سے پتہ چلا تھا جاب بھی بہت اچھی فرم میں ٹھیک ٹھاک پیسوں پر مبنی ہے، وہ تو خواب بھلا دیکھنے لگی تھیں حسّی کو وہ کسی طرح بھی اس کے ساتھ رخصت کرنا چاہتی تھیں۔

”حسّی! تم اس کی باتوں کا بالکل برا نہیں منایا کرو، تم آج سے ہی رہنے آؤ گی، حجاب نے خاص طور پر کہلویا ہے۔“

”بیٹا باجی! یہ مجھے ہر جگہ ستانے سے دریغ نہیں کرتے۔“ وہ ہمدردی پاتے ہی شہریار کی شکایت لگانے لگی۔

”پھہو! اگر میں کسی کام کو کہہ دیتا ہوں تو وہ ستانا ہو گیا۔“ اس نے حسّی کے سرخ و سپید چہرے کو بغور دیکھا، جو غصے کی وجہ سے لال بھسکوا ہوا ہو رہا تھا، وہ شہریار کو برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی اور شہریار اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔

”اچھا بس کرو، وہ کارڈ دینے آیا ہے، تم نے اپنی شکایتوں کی پٹاری کھول دی، شہریار ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہا۔“ شہریار کی تو حیرت سے آنکھیں ہی پھٹ گئیں، نسرین کتنا اس کی چالپوسی کر رہی تھیں، جبکہ وہ کون سا شہریار کو پسند کرتی تھیں۔

”سنو! ساری پیکنگ شام تک کر لینا، میں شہریار کو لینے بھیج دوں گی۔“ بیٹا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

”بیٹا باجی! میں ان کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں آؤں گی۔“

”پھہو! کیا میں کردار کا بہت برا ہوں؟“ وہ الٹا ہی چلنے لگا۔

”ارے نہیں بیٹا! تم برا کیوں مان رہے ہو؟“ انھوں نے مسکرا کے نفی کی۔

”پھر یہ ایسے کیوں بول رہی ہے؟“

”مجھے واقعی آپ پر بالکل بھی بھروسہ نہیں ہے۔“ وہ سلگا کے چلی گئی، شہریار دانت پیس کے رہ گیا، سوچ تو لیا تھا داغ ٹھکانے ضرور لگائے گا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”اچھا پھہو! چلتے ہیں، ان کے جھگڑے تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔“ بیٹا کو شہریار پر غصہ آنے لگا تھا۔

”میں بھی آؤں گی چکر لگاؤں گی، حجاب کے سرسالی تو میں نے ابھی دیکھے ہی نہیں، اتنی اچانک سے شادی تم نے کرنے کا سوچ لیا۔“ اصل بات سے نسرین بھی لاعلم ہی تھیں۔ شہریار فوراً ہی کھڑا ہو گیا، کیونکہ ان کے کانوں میں تو وہ ایسی کوئی بھی بات نہیں چاہتا تھا، کہ پڑ جائے اور وہ پورے خاندان میں ڈھنڈورا پیٹ دیں۔

”ان کو اگر پتہ چل گیا تو سمجھو سب کو پتہ چل گیا۔“ بیٹا نے سرد آہ بھری۔ شہریار کا داغ حسّی کے لیے سوچنے لگا، وہ اس کی لگام کسی طرح بھی اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا، تاکہ اس کی اکثر نکل سکے۔

☆.....☆.....☆

ضمران کے کمرے کی سیٹنگ وغیرہ وہ تینوں ہی کر رہے تھے، حجاب کا فرنیچر آگیا تھا حالانکہ رضوانہ نے اور ضمران نے بہت منع بھی کیا وہ چیز کے نام پر کچھ بھی نہیں لیں گے، مگر شہریار نہیں مانا تھا۔

پورا کمرہ طحڑا اور مزمل سجا رہا تھا، وہ پینز خوبصورت سے پردے کا ریٹ وغیرہ کمرے کو اور خوبصورت بنا رہا تھا، کل رضوانہ بری لے کے جانے والی تھیں، وہ راشدہ کو اور اپنی ساس اور جیٹھانیوں کو کہہ آئی تھیں، مگر کسی نے خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا، وہ سمجھ گئی تھیں کوئی نہیں آئے گا، مگر اس وقت حیرت کی انتہا ہی نہیں رہی نوشین، نوین اور کرن شام میں ہی اپنی تیاریوں کے ساتھ رہنے چلی آئی تھیں، ضمران اور آدم کی تو ماتھے پر شکنیں ہی پڑ گئیں۔

”مامی! ایسے کیسے ہم ضمران بھائی کی شادی میں شرکت نہیں کرتے، ساری تیاریاں کی ہیں۔“ نوین خوش ہو کر بتا رہی تھی۔

”اب آپ کے گھر کوئی لڑکی تو ہے نہیں، سوچا ہم ہی جا کر ہلہ گلہ کر لیں گے۔“ کرن نے بھی چپک کے کہا، جبکہ نوشین کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ زبردستی آئی ہے، وہ ایک لفظ بھی اب تک نہیں بولی تھی۔ ضمران کی جانچتی نگاہیں اس پر تھیں، اسے اس کی آمد کو فٹ میں پتلا کر رہی تھی اور خطرے کا الارم بھی لگ رہا تھا۔

”نوشین تو خاموش جیٹھی ہے لگتا ہے تم لوگ اسے زبردستی لے کے آئے ہو۔“ ضمران نے کہا، نوشین نے اندر کے انتشار کو دانت پیس کے روکا، وہ تو صرف اس لیے آئی تھی کہ دیکھے تو ضمران کی کس لڑکی سے شادی ہو رہی ہے۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے ترخ کے کہا، وہ سب ہی لب بھنج کے رہ گئے، رضوانہ کو ان لڑکیوں کا یہاں رکنے آنا ٹھیک نہیں لگ رہا تھا، اگر ان میں سے کسی نے بھی الٹی سیدی کوئی بات کر دی تو شرمندگی الگ ہوگی۔

”نوشین باجی! لگ تو ایسے ہی رہا ہے۔“ مزمل کو اندازہ تھا، وہ ضمران کی شادی ہونے پر بہت غمزہ تھی۔

”ارے بھئی! تم لوگ کیا ایک جگہ ہی جم کے بیٹھے ہو، طحڑا! جا کر ٹیلر سے کپڑے لے کے آؤ، باقی کی پیکنگ میں ان لڑکیوں سے کروالوں گی۔“

”جی..... جی مامی! ہم کر دیں گے۔“ کرن نے زبردستی آواز میں بشارت لا کے کہا، مگر سب کو ان کے چہروں سے باخوبی اندازہ تھا وہ لوگ زبردستی آئی ہیں۔

”مامی! بری کب لے کے جانی ہے؟“ نوین نے پوچھا۔

”میں تو پرسوں سوچ رہی ہوں۔“ انھوں نے کہا، تیاریاں کرتے ہوئے دن اتنی جلدی سرکتے گئے تھے،

رداؤ انجسٹ [85] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

رداؤ انجسٹ [84] جون 2014ء

پھر بھی کئی چیزیں لینے سے روہ گئی تھیں۔
 ”مامی! آپ نے اور لوگوں کو کیوں نہیں بلایا؟“
 ”ارے بیٹا! خمران کے سرال والے تو کہہ رہے تھے میں نے سوچا زیادہ لوگ جا کے کیا کریں گے، گھر گھر کے چلے جائیں گے۔“ انھوں نے کمرے کو سینٹا شروع کر دیا تھا۔

”آپ امی اور تانی کے گھر والوں کو بھی نہیں لے کے جائیں گی؟“ نوین نے حیرانگی سے پوچھا۔
 ”ہم نے ساری فضول باتوں کو منع کر دیا ہے۔“ آدم نے جواب دیا نوین نے برا سامنہ بنا کے اسے دیکھا، رضوانہ نے آدم کو تنبیہ انداز میں گھورا تو وہ باہر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس دن وہ بال بال بچ گئی تھی، ورنہ تو بہت برا ہوتا اور پھر مرتضیٰ علی ضرور اسے مجبور کر کے گھر لے آتے، اس نے یہ بات گھر میں کسی کو نہیں بتائی تھی۔ آج اتوار تھا وہ پھر بھی جلدی اٹھ گئی تھی، ناشتہ اس نے ہی بنایا تھا۔

”آپی! آپ چوکور پراٹھے بہت مزے دار بناتی ہیں۔“ ایمن کو اس کے ہاتھ کے پراٹھے بہت پسند تھے، سب ہی ساتھ بیٹھ کے ناشتہ کر رہے تھے۔
 ”ہوں.... نہیں لگتے ہیں۔“ وہ مبہم مسکرائی۔

”خوشنما بیٹا! تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ مرتضیٰ صاحب سے تم ملنا نہیں چاہتی ہو۔“ جاوید احمد کو اس کی فکر بہت رہتی تھی، دو بیٹیاں اور چھ ان کی الگ فکر کھائے جا رہی تھی۔
 ”ابو! اس گھر میں جا کر میں کیا کروں گی، میری کوئی عزت و وقعت ہی نہیں ہوگی۔“ وہ دکھ و افسوس سے گویا ہوئی۔

”تم وہاں جا کر رہو گی، تو ہو سکتا ہے کوئی راستہ نکل آئے۔“
 ”ہو سکتا ہے ابو یہ تو شاید اور امید جیسی بات ہو گئی ہے، میں اس سہارے رہ کر زندگی نہیں گزار سکتی۔“ وہ کھڑی ہو گئی، شہینہ نے دکھ و تاسف سے اسے دیکھا، کتنے مہینے ہو گئے تھے خوشنما کو پیشم کی طرف سے ابھی تک کوئی مثبت جواب نہیں آیا تھا۔ ڈرو تیل ہوئی تو سب ہی چومک گئے، اس وقت صبح میں کون آ گیا؟ جاوید احمد نے اٹھ کر دروازہ کھولا، وہ بھی کب ٹھیک تھے، بیمار کی وجہ سے کب سے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔

”السلام علیکم!“ مرتضیٰ علی نے دروازہ کھلتے ہی سلام کیا۔ جاوید احمد انھیں دیکھ کر حیران رہ گئے، اس وقت وہ کبھی آئے نہیں تھے، خوشنما انھیں دیکھ کر بوکھلائی گئی، اتنے مہینوں بعد وہ اسے دیکھ رہے تھے۔
 ”لو بھئی! آج تو ہمیں اپنی بیٹی مل گئی۔“ انھوں نے خوشنما کے سر پر دست شفقت رکھا۔ خوشنما کو ان کی آمد کو وقت میں مبتلا کر رہی تھی۔

”آپ بیٹھیے تو۔“ جاوید احمد نے برآمدے میں پیچھے تخت کی طرف اشارہ کیا۔
 ”بیٹا! آپ بھی بیٹھو!“ انھوں نے خوشنما کو بھی کہا، وہ سر پر سرسئی اچھل ڈالے کچھ نزدیکی پریشان سی کھڑی تھی۔

”ناشتہ تو چلے گا؟“ جاوید احمد نے پوچھا۔
 ”ناشتہ میں صبح ہی کر لیتا ہوں، اب کچھ نہیں چلے گا، مجھے خوشنما سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ رمنا اور ایمن

انھیں سلام کر کے اندر چلی گئی تھیں، شہینہ احمد نے دسترخوان سیٹ دیا تھا۔ جاوید احمد بھی انھیں موقع دے کر اندر چلے گئے تاکہ خوشنما سے وہ بات کر لیں۔
 ”ہاں تو بیٹا! کب چلنے کا ارادہ ہے اپنے گھر؟“ انھوں نے سادہ سی خوشنما کو خاموش لب کھلتے دیکھا۔
 ”کون سا گھر؟“ وہ جان کے بھی انجان بننے لگی۔
 ”اپنے شوہر کے گھر۔“ مرتضیٰ علی خفیف سے ہو گئے۔
 ”سر! ایک بات کہوں؟“

”کیا مجھے سربول رہی ہو؟“ مرتضیٰ علی تو حیرانگی سے جھٹکا کھا کے رہ گئے۔
 ”جب آپ کے نواسے کو یہ رشتہ قبول نہیں، تو مجھے بھی اس کے متعلق کوئی رشتہ قبول نہیں۔“ اس کا لہجہ حد درجے تلخ، کڑوا اور طنزیہ ہو گیا۔ مرتضیٰ علی نے کڑوی سی خوشنما کو حیرانگی سے دیکھا۔
 ”بیٹا! آپ کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہی ہو؟“ خوشنما جزبہ ہو گئی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی روکھی اور تلخ ہو گئی تھی۔

”میں اور کیا کہوں، کچھ بچا ہے؟ آپ کے نواسے نے مجھے کیا کچھ نہیں کہا، بہتر ہوتا آپ ان کی کسی امیر گھرانے میں یا اپنے ہی گھر میں کئی لڑکی سے کر دیتے، میری زندگی تو برباد نہ ہوتی۔“
 ”خوشنما بیٹا! آپ اپنا دل خراب کیوں کر رہی ہو، میں تمہیں جاؤ سے لے کے گیا ہوں، تم میری بیٹی ہو، پیشم کی بھی میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہے۔“ انھوں نے خوشنما کے سر پر ہاتھ رکھ کے تپتھپایا۔
 ”دیکھیے! آپ مجھے بہلایے مت، میں وہ سب الفاظ بھولی نہیں ہوں جو آپ کے نواسے نے مجھ سے کہے تھے۔“ اس کا لہجہ انتہائی روکھا اور اجنبیت لیے ہوئے تھا۔
 ”بیٹا! آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کریں، میں آپ کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں۔“ مرتضیٰ علی کو دکھ و افسوس ہو رہا تھا، خوشنما اتنی ترش روی سے گویا ہوئی تھی۔
 ”سوری!“ وہ شرمندہ ہوئی۔

”آپ صرف ایک بار سوچ لو، یہ زندگی اب آپ کی نہیں ہے۔“
 ”یہ تو آپ کہہ رہے ہیں حقیقت آپ اور میں اچھی طرح جانتے ہیں۔“ اس نے نگاہ اٹھائی۔
 ”حقیقت یہ ہے کہ آپ پیشم کی بیوی ہیں، اسے یوں کھلا چھوڑ کے تو یہ اپنے ساتھ ظلم ہوا، بیٹا! اپنا حق لڑ کر اسے جتاؤ، بتاؤ تم اس کی بیوی ہو۔“

”بیوی.... کیا حیثیت ہے میری اس گھر میں، جو لوگ رہتے ہیں وہ ہی لوگ میری حیثیت سمجھنے کو تیار نہیں ہوں گے۔“ زہمت کی کاٹ دار تنقیدی نگاہیں اسے کب بھولتی تھیں۔
 ”خوشنما بیٹا! اگر آپ اس گھر کے باقی لوگوں کی پرواہ کرنے لگیں تو وہ لوگ آپ کو اور ہی دبا دیں گے اکڑتے رہیں گے۔“

”کہنا آسان ہوتا ہے اور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔“ اس نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔
 ”میں جانتا ہوں پیشم کی بڑی مامی کچھ طنزیہ ہیں، بیٹا! آپ ان کی پرواہ نہیں کرنا۔“ وہ اسے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔
 ”ایسا ہو نہیں سکتا کیونکہ مجھے لوگوں کے ایسے رویے بہت جلد محسوس ہو جاتے ہیں، اور میں چاہ کر بھی

انہیں انگوڑ نہیں کر سکتی۔“ وہ چیز سے کھڑی ہو گئی۔

”اچھا چلو ایک بات بتاؤ، اگر بیٹم تمہیں خود اپنے آئے تو جب تو چلو گی؟“ وہ پوچھنے لگے۔

”ایسا ممکن تو نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو میں پھر سوچوں گی، پھر ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔“ وہ بیٹم کو اتنی جلدی تو معاف نہیں کر سکتی تھی، اس سے سارے گن گن کے بدلے اور حساب لینا چاہتی تھی، جو اس کی عزت بے وقعت کر کے چلا گیا تھا۔

”میں چلتی ہوں مجھے کام ہے۔“ وہ کمرے سے نکل کر جانے لگی، مرتضیٰ علی نے بھی اس کی تقلید کی، جاوید احمد باہر ہی برآمدے میں چیز پر بیٹھ گئے تھے۔

”جاوید! تمہاری بیٹی بہت ضدی ہے، وہ کسی طرح بھی نہیں مان رہی ہے۔“ وہ جیسے بہت تھک گئے تھے، انہوں نے یہ تو نہیں چاہا تھا کسی کی بیٹی لاکے اسے یوں بے عزت کریں۔

”مرتضیٰ صاحب! میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھ سے بھی جلد بازی میں فیصلہ ہوا ہے۔“ انہیں بھی پچھتاوے گھیرے ہوئے تھے، خوشنما کے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

حباب کو مایوں کا ذرہ جوڑا پہنایا گیا تھا، حسی کو زبردستی نسرین یہاں چھوڑ گئی تھیں، اور وہ جب سے آئی تھی کاموں میں ہی لگی ہوئی تھی، حسین بیگم اس کو ایک کے بعد ایک کام بتاتے جا رہی تھیں، اور وہ صدا کی کام چور کو شہر یار اور تیار کیا تھا۔

”لو کیوں کی حسی جلد شادی ہو جائے اچھا ہے۔“ حسین بیگم کی کوئی رشتے کی بہن حباب کو پیار کرنے کے بعد دعائیں دینے لگی تھیں، حسی پہلو بدل کر رہ گئی، وہ بھی بلیو سوٹ میں میک اپ کیے دلکش لگ رہی تھی۔

”یہ کون ہے آیا؟“

”یہ نسرین کی بیٹی ہے۔“ انہوں نے تعارف کروایا۔

”شادی ہو گئی اس کی؟“

”جی نہیں، چین ہی نہیں ہے لوگوں کو۔“ حسی نے نکلس کے جواب دیا اور باقی کا جملہ بڑبڑاہٹ میں کہا۔

”میں سمجھی ہو گئی ہے، اتنی بچی سنو رہی بھی تو ہے۔“ حسی تو بھٹکا کر رہ گئی، وہاں سے نکل کے باہر آ گئی،

مہندی کار کا رتخٹ باہر رکھا تھا شہر یار نے بہت اچھا ڈیکوریت کروایا تھا۔

”کیا بات ہے، پھول کے کیا ہو رہی ہو، ویسے ہی کم گپا ہو؟“ شہر یار نے اس کا غصہ بھانپ لیا تھا۔

”آپ بلا وجہ مجھ سے ہر وقت نہیں لڑا کریں۔“

”تم سے لڑکون رہا ہے، میں تو پوچھ رہا ہوں۔“ گرے کرتے شلوار میں ملبوس اونچا لمبا شہر یار ڈیسینٹ لگ رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں ہے پلیز میرا پچھا چھوڑ دیں۔“ وہ روہانسی ہونے لگی۔

”تمہارا پچھا چھوڑ دوں، یہ تو ممکن نہیں ہے اور اس کی وجہ تم جانتی ہو، تمہاری خاصی لمبی زبان ہے خاندان کا کوئی بھی لڑکا نہیں تو اپنے گھر بیاہ کے لے کر نہیں جائے گا۔“ وہ اسے اسی احساس کمتری میں مبتلا کرتا رہتا تھا، وہ اپنے اخلاق کی وجہ سے پورے خاندان میں بری مشہور تھی جبکہ ایسا نہیں تھا۔

”مثلاً آپ، ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، لمبی زبان آپ کی بھی کوئی کم نہیں ہے، آپ سے شادی کرنے

سے بہتر ہے میں کنواری ہی مراؤں۔“ وہ سگ کر رہ گئی۔

”ہائے، ہائے کیسی لڑکی ہے، کیسی زبان چل رہی ہے۔“ حسین بیگم کی بہن نے اس کی گفتگو سن لی تھی، وہ تو گال پیٹ کے حیرانگی ظاہر کرنے لگیں، اور حسی.... وہ تو جڑ بڑ ہو گئی، ان سے بچ کے ہی تو وہ باہر آئی تھی۔

”تو یہ تو بہ کیسی لڑکی ہے۔“

”جیسی بھی ہوں آپ کو کیا پریشانی ہے۔“ وہ تنگ کے بولی، جبکہ وہ ان سے کسی قسم کی بدتمیزی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

”لو کی! تمہاری ماں نے تمہاری ایسی تربیت کی ہے۔“ وہ اور اسے سلگانے لگیں۔

”اوہ!....“ وہ مٹھیاں بچھنے کے وہاں سے ہٹ گئی اور شہر یار اس کی خوبصورتی اور دلکشی میں کھویا اسے جاتا ہوا دیکھنے لگا۔

”خالہ جان! یہ ایسی نہیں ہے، بس صاف گو ہے۔“ اس نے حسی کی حمایت کی۔

”اے رہنے دو، مجھے کیا نظر نہیں آ رہا تھا؟“ وہ کوئی کی ٹیبل کا انتخاب کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ خاص لوگوں کو مہندی اور مایوں کے فنکشن میں مدعو کیا گیا تھا، کچھ ہی دیر میں لوگ ضمیران کے گھر سے بری لے کے آ گئے تھے، رضوانہ کی پوری ہی سسرال تھی، حالانکہ انہوں نے اپنی جیٹھانی، ساس اور نند کو ہی کہا تھا، پھر بھی سب بچوں سمیت ہی آ گئے تھے اور وہ شرمندہ بھی ہو رہی تھیں۔

”یار شہر یار بھائی! یہ ہمارے رشتے دار زبردستی آئے ہیں، ہمیں شرمندگی ہو رہی ہے۔“ آدم نے اسے سائیڈ پر لے جا کے معذرت سے کہا۔

”کوئی بات نہیں ہم تو آنٹی سے خود سب کو لانے کا کہہ رہے تھے، مجھے وہی منع کر رہی تھیں، تم شرمندہ نہیں ہو، ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے۔“ شہر یار نے اس کے کاندھے پر چسکی دی۔ حسین بیگم اور پیتانے مہمانوں کا پر تپاک استقبال کیا تھا، سائیڈ پر چھوٹا سا رتخ بھی بنایا گیا تھا، جہاں حباب کو رسم کے لیے لایا جا چکا تھا، حسی اور ارومہ اس کے دائیں بائیں تھیں۔

”شکل تو دکھا دو۔“ نوشین اپنا ہیلوٹی غرارہ سنہالتی اسٹیج پر آئی تھی۔

”دولہا کی بہنیں نکاح سے پہلے دلہن کی شکل نہیں دیکھ سکتیں۔“ ارومہ نے حباب کا گھونگھٹ اور لمبا کر دیا۔

”میں بہن نہیں ہوں، کزن ہوں۔“ نوشین کے تو دماغ پر جا لگی۔

”کزن بھی بہن ہی ہوتی ہے۔“ حسی نے اس جلتی بھنتی لڑکی کو بغور دیکھا۔

”جی نہیں۔“ وہ تو بحث میں لگ گئی۔ کچھ دیر میں یہ بحث لڑائی میں بدل گئی، حسی اور نوشین کی اچھی خاصی بحث ہو گئی، رضوانہ کو تو شرمندگی کے مارے پسینے آ گئے، ان کی نند اور ساس کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔

”بے عزتی کروا کے اب بدلے لوگی۔“ ساس نے رضوانہ کو طعنے دیکھا۔

”ارے بہن! ایسی کوئی بات نہیں، بچی کو غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔“ حسین بیگم بھی گھبرا گئیں، شہر یار نے ہی ان خواتین کو سنہالا اور نہ بہت شور ہنگامہ ہو رہا تھا، حباب لبے گھونگھٹ میں سب سن رہی تھی، اور وہ پھر اتنی تیزی سے اندر بھاگی کہ سارے لوگ ہی حیرانگی سے دیکھنے لگے۔

”تو یہ ہے رضوانہ! تم نے کیسے لوگوں میں رشتہ کیا ہے۔“

نفاست اور سہولت موویٹا ٹشو کی بدولت

VIRGIN PULP سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پرنٹڈ ٹشو پیپر
ایکسٹرا لکھن، ایکسٹرا سٹو، ایکسٹرا ہسٹل، ایکسٹرا کمرے آسانی سے صاف کرے روئی سے



MOVEETA®
Super Soft

MOVEETA Big
Perfumed & Printed Tissue
پاکستان کا واحد پرنٹڈ ٹشو پیپر

Super Soft
زیادہ سہولت... زیادہ نفاست

Perfumed Sandoog
دائے خوشبو سے ہمہ گیر ٹشو پیپر



Mod Nap
کمرے بالائے شیشہ
صرف روپے میں 150 ٹشو

Party Pack
گھر اور تفریبات کے لئے سوزن ترش ٹشو پیپر

MOVEETA
Super Soft Roll
& Kitchen Roll
شہرت بھی... سہولت بھی

life style کا MOVEETA

دائے بکس اور ڈسٹری بیوٹن پاکستان کے تمام شہروں کیلئے مانی طور پر منظم ہارڈ ویس فوری ماہر کریں۔

MOVEETA INTERNATIONAL MADE UNDER LICENCE IN PAKISTAN BY, K.B. TRADERS
P.O. BOX 2223 KARACHI - 74600. PH. OFF: (021) 6609032, 6623757. FAX: (021) 6623513
E-mail: moveeta@cyber.net.pk E-mail: moveetatissuepaper@hotmail.com

”راشدہ! آہستہ تو بولو“۔ وہ انھیں چپ کرانے لگیں، حجاب کی رسم وغیرہ کیا ہوتی رضوانہ نے بری سے بھراسوٹ کیس پینا کے حوالے کیا، وہ کھانے سے پہلے ہی اٹھنا چاہ رہی تھیں، مگر پھر حجاب کی بھی عزت کا خیال تھا، وہ چپ چاپ انھیں حجاب سے ملانے اندر چلی گئی تھیں۔

”بیٹا! تجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے۔“
”ارے آئی! آپ شرمندہ کیوں ہو رہی ہیں، ایسی کوئی بات نہیں تھی، ان محترمہ کو برا لگا بہن کہنے پر یہ اتنی بری بھی بات نہیں، چھوڑو! کرن بھی بہن ہی ہوتی ہے۔“ حسنی نے وضاحت دی، حسنی کو وہ لڑکی کچھ گڑبڑ ہی لگ رہی تھی، جب ہی وہ اتنا برامان گئی تھی۔

”بیٹا! آپ نے ٹھیک کہا، بس کیا کریں۔“ ان کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہیں۔ وہ حجاب کو پیار کر کے اور پیسوں کا لفظ ہاتھ پر رکھ کر باہر آ گئی تھیں۔ حسین بیگم کو تو رضوانہ کے سرال والے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے، انھیں حجاب کی بھی فکر ہونے لگی، وہ لوگ اس کے ساتھ جانے کیسا برا تاؤ کریں گے۔

☆.....☆.....☆

”واٹ.... میں اسے جا کر لے آؤں، کبھی نہیں۔“ بیٹم تو بگڑ گیا۔
”باباجان! زبردستی کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔“ زہمت نے اپنی مداخلت ضروری سمجھی، انھوں نے گھور کے دیکھا، بیٹم اٹھ کر جانے لگا۔

”تم ہر بات میں نہیں بولا کرو۔“ بڑے ماموں نے انھیں ڈانٹ کے چپ کر دیا، انھیں ہر معاملے میں بولنے کی عادت ہو گئی تھی۔

”ارے تو میں نے ایسا کیا برا کہہ دیا؟“ وہ بکھر نے لگیں۔

”بیٹم! باباجان سے پوری بات کر کے جاؤ۔“

”ماموں جان! کیوں بار بار اسی بات کو دہرایا جاتا ہے؟“ وہ جڑ کے گویا ہوا۔

”تم اندر چلو۔“ مرتضیٰ علی نے اسے اپنے روم میں جانے کا اشارہ کیا۔

”اور ہاں مرتضیٰ! اپنی بیوی کو سمجھا دینا، میرے اور بیٹم کے معاملے میں قطعی نہیں بولا کرے۔“ وہ خامے برہم ہو رہے تھے، مرتضیٰ علی جڑ جڑ ہو گئے اور زہمت منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں، مرتضیٰ علی نے انھیں خاصی تنقیدی نگاہوں سے بغور دیکھا اور وہ چلے گئے۔ بیٹم کو الگ پریشانی لگ گئی، نانا جان اگر زیادہ ہی بضد ہوئے تو اس بلا کو زبردستی گھر لے کے نہ آنا پڑ جائے۔

”بیٹم! بہتر ہو گا تم باباجان کی بات کو سمجھ گئی سے سنو اور جو وہ کہتے ہیں اسے مان لو۔“

”ماموں جان! ایسے کیسے مان لوں؟“ وہ کھسیا گیا۔

”ارے ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے، ایسے ایلے میلے لوگوں کی لڑکی اٹھا کے لے آئے ہیں، بیٹم کے برابر کی بھی نہیں۔“

”تم چپ کرو، ہر وقت اس کا ذہن مت خراب کیا کرو۔“

”میں ذہن خراب کرتی ہوں، ارے زہمت زبردستی بچے کے ساتھ راہ چلتی باندھ دی، ذرا خیال نہیں آیا، بن ماں باپ کا بچہ ہے۔“ زہمت کو زیادہ ہی اپنے مطلب کی ہمدردی رہتی تھی۔

”زہمت! تم اپنی زبان بند رکھا کرو، جب بھی بولتی ہو نہایت فضول بولتی ہو، یہ بن ماں باپ کا بچہ نہیں۔“

ہے، ہم ہیں اس کے ماں باپ اور وہ لڑکی راہ چلتی نہیں ہے خاندانی لوگوں کی بیٹی ہے۔ ارتضیٰ علی ان کی بیٹی سے سخت تالاس تھے، بیشم الگ تذبذب کا شکار تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

”ماموں جان! آپ ممانی جان کو کچھ نہیں کہیں۔“
”چپ کرو تم بھی، یہ تو فضول باتیں کرتی ہی ہیں، تم بھی اس کی حمایت لے رہے ہو۔“ انھوں نے اسے بھی ڈانٹ دیا۔

”بیشم! ہر بات کی حد ہوتی ہے، اس لڑکی کو تم سمجھتے، تو بہت اچھے لوگوں کی تمیز دار بڑھی لکھی لڑکی ہے۔“
”پلیز ماموں جان! مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں، مجھے تو یہی شکایت ہے میں ہی نظر آیا جو بڑی بددیانتی پڑھوایا۔“ اس کا ذہن بہت پراگندہ ہو رہا تھا۔

”جوانے ہوتے ہیں ان پر ہی مان بھی ہوتا ہے، بابا جان نے تمہیں اپنی اولاد سمجھ کر ہی یہ رشتہ بڑے سے کیا تھا، اگر وہ ایسا نہیں سمجھتے تو نہیں کرتے اور پھر انھوں نے کچھ برائیاں کیا ہے، تم بس سمجھو اور کسی باتوں میں نہیں آؤ۔“ ارتضیٰ علی نے اسے سمجھایا اور ساتھ ہی نزہت کو بھی طنزیہ دیکھا وہ گلس کے رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

”کہا بھی تھا کسی کو بھی نہیں لے کے جائیں، مگر آپ کو تو یہ نہیں کیا ہے، ان سب کی پرواہ رہتی ہے، کوئی باتیں نہیں بنائے۔“ آدم کوکل سے نوشین پر غصہ آئے جا رہا تھا، اور وہ رضوانہ پر خفا بھی ہو رہا تھا۔

”چپ کر جاؤ، آہستہ بولو گھر میں ہی ہیں وہ سب، کیوں ہنگامہ کروانے پر تلے ہو؟“
”امی! کیا ہے ہر وقت آپ ان سب کا ہوا کیوں سوار رہتی ہیں، ہم پر بھی اور خود پر بھی، ابھی اگر چاہوں تو ان سب کو ہاتھ پکڑ کے چلا کر دوں۔“

”ہاں یہ کسر اور رہ گئی ہے کر دو وہ بھی۔“
”یار آدم! آہستہ.... کیوں اتنا غصہ ہو رہے ہو؟“

”بھائی جان! آپ کو نہیں پتہ، نوشین کے ہنگامے سے وہاں کتنی بد مزگی ہوئی ہے اور یہ شک ہو کر آ رہا ہے، آپ کا اور اس کا کچھ رشتہ تھا شاید، وہ سب کیا سوچ رہے ہوں گے اور وہ جناب بھابی.... وہ تو آپ کی طرف سے بدگمان ہو رہی ہوں گی۔“ آدم ان سب باتوں کو خوب سمجھتا اور جانتا تھا۔

”تم ذہن پر زور نہیں دو، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ ضمران نے اسے اطمینان دلایا مگر اسے بھی نوشین کی بد حرکت بہت بری لگی تھی۔

”شہر یار بھائی کی کزن سے الگ نوشین نے خوب بد تمیزی کی ہے، وہ سب کیا سوچتے ہوں گے ہمارے کزن کتنی لڑا کا اور ال میز ڈے۔“

”آدم بھائی! جناب بھابی کے گھر والوں نے خود ہی ان سب کو دیکھ کر اندازہ کر لیا ہوگا، یہ کیسی ہیں ہمیں کچھ نہیں کہہ رہے ہوں گے۔“ منزل بھی گویا ہوا۔ رضوانہ کے توکل سے سوچ سوچ کے سر میں درد ہونے لگا تھا، آج شادی تھی اتنے کام بھی پڑے تھے، ضمران کا کمرہ تک ابھی نہیں چھا تھا۔

”امی! آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں، دغ کریں۔“ ضمران نے انھیں ریلیکس کرنا چاہا۔
”تمہیں نہیں پتہ، تمہاری دادی بعد میں کتنے ہنگامے کریں گی۔“ وہ تو ڈر رہی تھیں۔

”امی! سب رہنے دیں، وہ کب ہنگامے نہیں کرتیں؟“ آدم بے زار ہو گیا تھا۔

”دادی جان نے تو جناب بھابی کی بری دیکھ کر بھی خوب باتیں بنائی تھیں، یاد کریں جب آپ انھیں دکھا رہی تھیں تو کہہ رہی تھیں، گھر کی بچی کو چھوڑ کے تم نے باہر کی لڑکی کے لیے یہ سب تیار کیا ہے۔“ آدم کو توان کی ہر بات یاد رہتی تھی۔

”تم کیا ہر وقت ہم عورتوں کی باتیں سنتے رہتے ہو۔“ رضوانہ نے اسے سخت لہجے میں ڈپٹ کے کہا۔
”امی! یہ عورتیں میری کچھ لگتی ہیں اور ان کی باتیں میں سنتا ہوں سب عورتوں کی نہیں سنتا۔“

”یار آدم! چپ کر جاؤ۔“ ضمران نے اسے اشارے سے چپ کرایا۔
”بھائی جان! میں کہہ دیتا ہوں، راشدہ بچھو کی تینوں بیٹیوں کو یہاں سے روانہ کریں، ورنہ یہاں ایسے ہی رنگ میں بھنگ پڑتے رہیں گے۔“

”ہم بھی کون سا روک رہے تھے، خود کی ہیں اب شادی کے گھر سے تو نہیں بھگا جاسکتا۔“
”آدم! چپ کر جاؤ ورنہ میں تمہارے بڑے ہونے کا بھی لحاظ نہیں کرں گی، بہت ماروں گی۔“ رضوانہ کو اپنے اس جنگجو بیٹے سے ہر وقت ڈر ہی لگا رہتا تھا۔

”ہاں باہر والوں کی سائیڈ لیس اور بیٹوں کو ماریں۔“ وہ غصہ کرتا ہوا چلا گیا، رضوانہ سر پیٹ کے رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”تم ذرا بھی دب کے نہیں رہنا، مجھے تو یہ نوشین ضمران کی دیوانی لگتی ہے۔“ حنیٰ اسے سمجھا رہی تھی۔
”یہ لڑکی وہی ہے جو ان کے گھر ہر دوسرے دن آتی رہتی تھی۔“ جناب نے حنیٰ کو گزشتہ دنوں کی ساری باتیں بتائیں، نوشین سے اس کی منہ ماری بھی ہو چکی تھی۔

”میں نے تمہیں جو کہا ہے اس پر عمل کرنا۔“ حنیٰ اپنے خوبصورت گورے گورے نرم ملائم ہاتھوں کے ناخنوں پر کیونکس لگا رہی تھی۔

”ہاں بالکل ٹھیک سمجھا رہی ہو، کیونکہ دیتی تو تم بھی نہیں ہو۔“ شہر یار تو اسے زچ کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتا تھا۔ جناب پارلر جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی، ارومہ اور حنیٰ اس کے ساتھ جا رہی تھیں، شہر یار ان لوگوں کو لے کے جاتا۔

”آپ تو لگتا ہے جن ہیں، ہر وقت میرے پیچھے لگے رہتے ہیں۔“ اس نے کڑوا سا منہ بنا کے کہا۔
”ہاں تم بہت حور پری ہونا، تمہارے پیچھے لگا رہتا ہوں۔“ شہر یار نے اس کے خوبصورت کیونکس سے سچے ہاتھ پاؤں دیکھے، وہ اپنی بیوی کا واقعی بہت خیال رکھتی تھی۔

”شہر یار ماموں! آج تو کوئی لڑائی نہیں کریں۔“ جناب پہلے ہی بہت اداس بیٹھی تھی، نہادھو کر گرین سوٹ میں بیٹھی تھی۔

”جناب! میں تو ان سے کوئی لڑائی نہیں کرتی ہوں، یہی میرے ساتھ لڑائی کرتے ہیں۔“
”ہاں تم تو بہت بھولی ہو۔“ شہر یار نے طنزیہ کہا۔

”اللہ کرے آپ دونوں کی شادی کسی بھی طرح ہو جائے۔“ جناب نے دعا کی۔
”ایسی بد دعا میں نہیں دو پلیز۔“ حنیٰ گھبرائی، شہر یار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ریگ گئی۔

”حنیٰ آئی! آپ فکر نہیں کریں، شہر یار ماموں کے جانے سے پہلے آپ کا بھی بندوبست کروانا پڑے گا۔“

کا۔ شہر یار نے زوردار تہقہہ لگایا، جیسی جھینپ کے دانت پیسنے لگی۔
 ”ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے وہ ملک ملک گھومے، آپ گھوم لیں گی؟“ ارومہ نے بھی لالچ دی۔
 ”نہیں ان کی مام کو دے اتاریں گی تو یہ بڑی ہوں گی۔“ شہر یار نے پھر طے کیا۔
 ”فضول بکواس نہیں کیا کریں۔“ وہ چڑ گئی۔
 ”ارے شہر یار! تم یہاں آ کر بیٹھ گئے، پارلر جانا ہے، دیر ہوگئی تو وہ لیٹ چار جز ماگ لیں گے۔“
 کب سے باہر لاؤنج میں ویٹ کر رہی تھیں۔
 ”یہ آپ کی کزن اتنا بولتی ہے، بندہ بھول ہی جاتا ہے کس کام سے آیا ہے۔“ اس نے سارا الزام جیسی پر ڈالا۔

”جھوٹے آدمی!“ وہ پیرٹخ کے اٹھ گئی، حباب سب سے باری باری گلے مل کر رخصت ہوگئی تھی، وہ تیار ہو کر میرج لان ہی پہنچی، حباب کا دل دھڑک رہا تھا، اس کی دنیا ہی بدلنے جا رہی تھی، دل میں ذرا بھی خوشی نہیں تھی، اگر اسے دکھ تھا تو یہی تھا، لوگوں کی باتوں سے بچ کر اس کی شادی کی جا رہی تھی، اس کی ماں کا ماضی تو کوئی بھولا ہی نہیں ہوگا، اسے بھی یہی ڈرتا تھا صمران کے رشتے داروں کو بھی کچھ ایسا سیدھا پتہ نہیں چل جائے اور دوسری نگر اور پریشانی یہ تھی، نوشین کی صمران سے لگاؤ اس نے باخوبی سن لی تھی، بعد میں پتہ نہیں وہ کیسا ری ایکٹ کرے گی، مگر اسے صمران پر بھی غصہ تھا ایک لڑکی کا دل توڑ کے اس نے اچھا نہیں کیا ہے اور اسے بددعاؤں سے بہت ڈر لگتا تھا، نوشین اسے دیکھ کر تو بددعا میں ہی دیتی رہے گی۔

☆.....☆.....☆

اسے بیک وقت باہر مالک سے کانٹریکٹ مل گئے تھے، وہ تو حیران تھا، ایک دم ہی اس کی فیکٹری کو فائدہ ہو رہا تھا، کام کا لوڈ بھی زیادہ ہو گیا تھا، خوشنار پر ڈے داری بھی بڑھ گئی تھی، وہ ساری اپروول تیار کر کے ایک ایک رپورٹ تیار کر رہی تھی، بیشم اس کی قابلیت اور ڈے داری کا قائل ہو گیا تھا، اچانک سے اس نے خوشنار سے اپنا رویہ بھی نرم کر لیا تھا۔
 ”نواز انٹرنیشنل کے ٹیک تیار ہوئے۔“ اس نے فائل چیک کرنے کے بعد خوشنار سے پوچھا۔

”جی سر! میں نے کہہ دیا ہے، ہو سکتا ہے آج شام تک تیار ہو جائیں گے۔“
 ”ہو سکتا ہے نہیں، یقیناً کروائیں، کامران اور بلال ایجنسز میں جائیں گے، جیسے بھی اپروول لائیں ان سے بولیں وہ خود مرچنڈائزر کے سر پر کھڑے ہو کر تیار کروائیں، اگر کوئی اپنے کام سے سستی کرے مجھے بتائیے گا۔“ اس نے ساری تفصیل کے بعد کہا۔

”جی سر!“ وہ آج پلو پریڈ کاشن کے سوٹ میں سر پر دوپٹہ جمائے سنجیدہ سی اسے بار بار اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی، جب ہی وہ جانے لگی۔
 ”میں خوشنار آپ کی سیلری میں نے بڑھادی ہے۔“ اس نے کہا۔
 ”تھینک یو سر!“ وہ اسے دیکھے بغیر ہی جلدی سے باہر نکل گئی، بیشم زیادہ اپنا وقت آفس میں گزارنے لگا تھا، نانا جان کا روز کا وہی ٹاپک ہوتا تھا، وہ بے زار ہونے لگا تھا، وہ ابھی تک کسی بھی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا، کل رات کی ماموں جان کی باتوں نے بھی اسے کافی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، اگر وہ خوشی سے اسے لے بھی آیا تو ممانی جان اسے سکون سے رہنے نہیں دیں گی، وہ ان کی جلن اور حسد سمجھتا تھا، وہ اپنی بیٹی کے لیے خواہش

مندھیں، مگر نانا جان نے کسی کا بھی خیال نہیں کیا تھا، وہ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا، آفس کا ٹائم ختم ہو گیا تھا، تمام اسٹاف نکل چکا تھا، وہ بھی سوچوں میں مستغرق نکل آیا تھا، وہ پلو پریڈ کاشن کے سوٹ میں خود کو چادر میں سموئے چلتی جا رہی تھی، بیشم نے اس کے قریب لے جا کے گاڑی روکی، حالانکہ اسے ایسا کرنا بہت عجیب لگ رہا تھا، کچھ تو اس لڑکی میں ایسا طلسم تھا جو بندہ خود کو اس کے قریب کھینچا ہوا محسوس کر رہا تھا، اشعر بھی اس کی سادگی کی نئی تعریف کرتا تھا، مگر پتہ نہیں کیوں اشعر کا تعریف کرنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا، یہ وہ خود بھی نہیں سمجھ سکا تھا، ایسا کیوں ہو رہا تھا۔

”آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔“ خوشنار تو جھل ہی گئی۔

”جی...؟“ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

”آئیے آپ کو بسوں کے دھکے سے بچالوں، جلدی کیجیے اور گاڑی میں بیٹھیے۔“ اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا، خوشنار کی کوئی بھی بات سننے بغیر۔

”سوری میں روز روز آپ کی گاڑی میں نہیں بیٹھ سکتی، میں ایک شادی شدہ لڑکی ہوں اور میں اسے شوہر کا اعتبار نہیں کھوتا چاہتی۔“ اس نے صاف جواب دیا، بیشم جڑ بڑ ہو گیا، خوشنار کے چہرے پر بھی سختی اور دور محسوس تھی۔
 ”میں صرف آپ کو ڈراپ کر رہا ہوں، میرا ایسا ویسا کوئی مطلب بھی نہیں ہے۔“ اسے برا تو لگا تھا۔

”مجھے بھی پتہ ہے آپ کا ایسا ویسا کوئی مطلب نہیں ہے، مگر میں شریف گھرانے کی لڑکی ہوں اور اپنے شوہر کی وفا شعار بیوی۔“ اس نے جتا کے کہا۔

”وہ آپ سے تعلق تو رکھے ہوئے نہیں ہے۔“ بیشم تپ گیا۔

”میں اپنی ذاتیات میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتی اور سوری آئندہ سے ایسی بات بھی نہیں کیجیے گا۔“ وہ انتہائی روکھے اور ناگوار سے لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

”کیسی عجیب لڑکی ہے، جب خود بولتی ہے تو پھر پڑ بولتی ہے اور دوسرے کو موقع نہیں دیتی اور آج کیسے ٹکا سا جواب دے کے گئی ہے۔“ وہ اسٹیرنگ تھامے اسے فٹ پاتھ پر چلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

”بیشم! یہ مشرق کی لڑکی ہے یہ اپنی مشرقی اقدار نہیں بھولی ہے اور تم ایک لڑکی کو پہلی رات ہی بے عزت کر کے نکل آئے، تم تو بالکل بھی اس کے وفا شعار نہیں ہو، وہ آج بھی تمہارے نام پر بیٹھی ہے، اس کا کیا قصور ہے؟“ اندر ضمیر اس سے مخاطب تھا۔

”میں زبردستی کے رشتوں کو نہیں مانتا۔“ اس نے خود ہی نفی کی۔

”کسی کی آہ سے بچو، چلے جاؤ اس کے پاس۔“

”نہیں بالکل نہیں۔“ اس نے ذہن جھٹک کے گاڑی ڈرائیو کرنا شروع کی، نانا جان کا روز روز کہنا اسے بے زار اور چڑچڑا کر رہا تھا، اس نے ابھی شادی کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا، اور نانا جان نے ایسا اس کے ساتھ کیوں کیا؟ اس کی مرضی جانے بغیر کسی ان دیکھی لڑکی سے اس کا نکاح بڑھوایا۔

”آخر میں ہی کیوں... فاران بھی تو تھا۔“ اس کا ذہن منتشر ہو گیا تھا، ارٹھی علی کے سمجھانے کا جواثر ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بارات آگئی تھی، حباب ریڈ اسٹاکش لہنگے جیولری اور میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی، نکاح کے

بعد وہ بہت روئی تھی، حتیٰ اور نازیہ اسے چپ کرائے جا رہی تھیں، آج تو بیٹا بھی رودی تھیں، اردو
 حباب کو گلے لگنے کے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔
 ”چلو اسٹیج پر لے کے چلتے ہیں“۔ حتیٰ نے اردو سے کہا، آج تو حتیٰ بھی لمبی اسٹاکش سی شرٹ پر
 پہنے بہت دلکش لگ رہی تھی، اس کے دراز بال سائیز پر کھلے پڑے تھے، حباب دونوں کی ہمراہی میں
 قدموں سے اسٹیج پر آگئی تھی، مووی اور تصویروں سے اسے بہت الجھن ہو رہی تھی۔
 ”ارے امی! یہ لڑکی تو ضمیر ان کے پڑوس میں رہتی ہے“۔ نوشین نے حباب کو دیکھا تو جلن اور حسد
 بتلا ہو گئی، ایک دو بار دونوں کی منہ ماری بھی ہو چکی تھی۔
 ”اس کا مطلب یہ ہوا، دونوں کا چکر چلا ہوگا، جب ہی بھابی نے یوں اچانک سے رشتہ پکا کر کے
 کی تاریخ رکھ دی“۔ انھوں نے فوراً ہی رضوانہ کی طرف رخ کیا، وہ حسین بیگم اور بیٹا سے باتوں میں لگی
 تھیں۔
 ”امی! رہنے دیں اس وقت کچھ نہیں کہیں“۔ نوشین کو تو اور زیادہ جلن ہونے لگی، حباب دلہن بن کر
 بھی تو بہت پیاری رہی تھی۔ نوین، کرن اپنی کزن کے ساتھ الگ بیٹھی ہوئی تھیں، مووی تصویروں کا سلسلہ
 رہا تھا، شہر یار سب کا ہی خیال کر رہا تھا۔
 ”اوہ... تو تم ہو... ضمیر ان کو تو مجھ سے پہلے ہی لے آئیں تم“۔ نوشین نے سرگوشی میں اس سے کہا، حباب
 نے ساری شرم و حیا سمیٹ کے نوشین کو دیکھا، مہندی والے دن بھی اس نے نکواس برداشت کی تھی، آج تو
 ڈائریکٹ ایک کر رہی تھی۔
 ”کسا نکواس ہے؟“ وہ تو چیخ پڑی، وہ پوری نوشین کی طرف گھومی ہوئی تھی، نوشین کو بھی حیرت ہونے لگی
 بلکہ وہ گھبرا گئی۔
 ”میں نے اس دن بھی تمہاری نکواس کی تھی اور آج مجھے کہہ رہی ہو، تم ہو کون، کیا سمجھتی ہو؟“ وہ تو سب
 بھول بھال کے نوشین پر چڑھ دوڑی، سارے ہی وہاں اسٹیج پر موجود لوگ حیرانگی سے دیکھنے لگے، نازیہ نے
 سر پیٹ لیا، اور حتیٰ تو فوراً ہی شہر یار کو بلانے چل دی۔
 ”وہ... وہ بات سنیں!“ ایک تو سمجھ نہیں آتی تھی وہ شہر یار کو مخاطب کیسے کرے، کبھی اتفاق بھی تو نہیں
 تھا، شہر یار نے چونک کر بوکھلائی ہوئی تھی سنواری حتیٰ کو گہری نگاہوں سے دیکھا، وہ اسٹیج پر ضمیر ان سے باتوں
 میں لگا ہوا تھا۔
 ”کیا ہوا ہے؟“
 ”وہ دیکھیں!“ اس نے حباب کے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔ شہر یار نے بھرے مجمعے پر غور کیا، حباب
 اسے کھڑی ہوئی نظر آگئی۔
 ”حباب اور نوشین کی لڑائی ہو رہی ہے“۔ حتیٰ نے ساری تفصیل اسے سنائی، وہ بھی فوراً بھاگتا ہوا گیا۔
 ”مجھے اس گھر میں نہیں جانا جہاں ایسے لوگ ہوں، بے عزتی کرنے والے“۔ حباب خوب چیخ رہی تھی
 وہ ایسی بے وقعت نہیں تھی، کوئی بھری محفل میں یوں طنز کر کے الٹی سیدھی باتیں کرے، وہ ویسے ہی انتشار
 شکار تھی، اوپر سے نوشین کی باتیں اسے سلگا لگیں۔ رضوانہ، نوشین کو چپ کروانے لگیں، راشدہ کے اور ان
 ساس کے تو پتنگے لگ گئے۔

”میں نے رہنے دو، ایسی زبان دراز لڑکی تم نے اپنے بیٹے کے لیے چنی ہے، دو دن میں تمہیں تو یہ باہر کھڑا
 کر دے گی“۔ ساس کو تو موقع ملنا چاہیے۔
 ”میں ایسی نہیں ہوں دیکھیے“ میں آپ کی عمر کا خیال کر رہی ہوں، آپ اس لڑکی کو سمجھائیں، الٹا انھیں سنا
 رہی ہیں۔ حباب نے سنا تو تیز لہجے میں بولی۔
 ”حباب! کیا بد تیزی ہے چپ کرو“۔
 ”شہر یار ماموں! یہ لوگ خود ٹھیک نہیں ہیں، مجھ میں کیڑے نکال رہی ہیں، ان سے بولیں مجھے بھی کوئی
 شوق نہیں تھا شادی کا“۔ شہر یار اسے چپ کرائے جا رہا تھا، اچھی بھلی محفل میں بھنگ پڑ گیا تھا، نوشین منہ چملا
 کے بیٹھ گئی تھی، حسین بیگم اور بیٹا الگ شرمندہ ہو رہی تھیں، رضوانہ تو چپ سکتے میں آئی ہوئی تھیں، لوگوں میں
 چمکیاں جو ہونے لگی تھیں۔ ضمیر ان صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گیا، نوشین کی ساری باتیں اسے بھی پتہ چل گئی
 تھیں۔ آدم مسکرا رہا تھا، کیونکہ رضوانہ نے بالکل ٹھیک لڑکی چنی تھی، اس کے دوھیال والوں کی یہی بولتی بند کروا
 سکتی تھی۔
 ”واہ... امی! نے تو ہیرا چن لیا، دیکھنا کیسے ان سب کو حباب بھابی گھر سے کاٹ کے نکالیں گی“۔ اس نے
 منزل کے کان میں آہٹکی سے کہا، وہ خود حیران اس کی بات پر غور کرنے لگا، شادی کی محفل عجیب ہو گئی تھی،
 راشدہ بھی کچی تھیں، وہاں سے کھسکی نہیں تھیں۔

☆.....☆.....☆

”ممائی جان! یہ تو بتائیے فاران کی کب شادی کر رہی ہیں؟“ بیشم کو اسے یوں کنوارا پھرتے ہوئے
 جلن ہو رہی تھی۔
 ”تم چپ کرو، میری جتنی آزادی کے دن ہیں وہ تو رہنے دو“۔ فاران نے اچھل کے جواب دیا اور وہ
 ویسے بھی شادی کے بارے میں کسی سے تذکرہ بھی نہیں کرتا تھا۔
 ”ارے دیکھنا، میں اپنے بیٹے کی دلہن اپنے جیسے لوگوں میں سے لاؤں گی، کم از کم کسی محفل میں بیٹھے تو
 الگ تو نہیں لگے“۔ وہ مرتضیٰ علی کو سنانے لگیں، جو ادھر سے ہی گزر رہے تھے۔ بیشم پہلو بدل کے رہ گیا، اسے
 لگتا ممانی جان یہ طنز اس پر کر رہی ہیں۔
 ”خوبصورت سی پیاری سی اور اچھے گھرانے کی“۔
 ”امی! آپ تو خوبصورتی کے ہی پیچھے پڑی رہتی ہیں“۔ انھیں اپنی ماں کی یہی باتیں بری لگتی تھیں جو
 خوبصورتی اور دولت کو ہی ترجیح دیتی تھیں۔
 ”جو بچ ہے وہ کہہ رہی ہوں، میرا فاران بھی تو کم نہیں ہے“۔
 ”ویسے تالی امی! سب کو اپنے بیٹے چاند جیسے ہی لگتے ہیں، اگر چاند جیسی بہو ڈھونڈنے نکلتی ہیں تو وہ چاند
 جیسی بہو آپ کے بیٹے کو بھی تو چاند جیسا ہی مانتی ہیں“۔ چھوٹے ماموں کی منال کب چپ رہنے والوں میں
 سے تھی، اس نے بھی انھیں سنا دیا۔
 ”اے تم تو چپ ہی رہو، اتنی بڑی نہیں ہوئی ہو“۔ وہ جیسے لا جواب ہی ہو گئیں، فاران، بیشم کے مقابلے
 میں کم رنگ و روپ میں تھا، بیشم کی خوبصورتی اسے ورے میں ٹپٹپاتی تھی، اس کے دوھیال میں سارے ہی سرخ و
 پید تھے۔

”امی! آپ بھی تو کیسی باتیں کر رہی ہیں، منامال نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔“ فاران نے بھی تائید کی۔
 ”ممائی جان! آپ لڑکی تو دیکھنا شروع کریں، ہمارا فاران کوئی کم نہیں ہے۔“ بیٹم نے اس کے شانہ
 ہاتھ رکھا۔

”بیٹم بھائی! آپ کی سالی بھی کم خوبصورت نہیں ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟“
 ”ارے چپ کرو، کیا بول رہی ہو؟“ نزہت تو چیخ ہی پڑی، منامال جڑ جڑ ہوئی۔

”مجھے ایسے خالی خالی لوگوں کی لڑکی نہیں لانی جو خاندان میں بٹھاتے ہوئے بھی شرمندگی ہو۔“
 ”امی! آپ مسلسل بیٹم بھائی پر طنز کر رہی ہیں۔“ جوہم نے بیٹم کی صورت دیکھ لی تھی۔

”میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں، بیٹم کون سا اس شادی سے خوش ہے، میں تو گنتی ہوں بیٹم کچھ دے
 کے چمکا را حاصل کرو، تمہارے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے، بابا جان نے گھر کی لڑکیوں کو دیکھا ہی نہیں۔“
 کے دل پر تو یہی کونسنے پڑتے تھے ان کی جوہم سے کیوں نہیں ہوئی۔

”امی! آہستہ بولیں، دادا جان باہر لاؤنج میں ہی ہیں، سن لیں گے۔“ جوہم نے چپ کرایا۔

”امی! آپ بھی سن لیں مجھے ابھی شادی کرنی ہی نہیں ہے۔“ فاران نے معاملہ جب دیکھا سیریس ہو
 ہے تو ہاتھ اٹھا کے قطعی لہجے میں کہا، وہ ویسے بھی کسی لڑکی کو پسند کرتا تھا اور اس کے علاوہ وہ کسی دوسری کا قصہ
 کر ہی نہیں سکتا تھا۔

”میں ممائی جان کی بات پر غور کر رہا ہوں، کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔“ بیٹم گہری سوچ سے باہر آیا۔
 ”بیٹم! بے وقوفوں والی حرکت بھی کرنا بھی نہیں، یاد رکھنا قسمت ہر وقت ساتھ نہیں دیتی ہے، خوش ایک

اچھی لڑکی ہے، تم اس کے ساتھ لائف تو گزاردو پھر ہی کچھ سوچنا۔“ فاران کو اس کی بات پسند نہیں آئی۔
 ”تم چپ کرو، وہ جو کرے گا ٹھیک کرے گا۔“

”امی! آپ کیوں اسے مس گا بیڑ کر رہی ہیں؟“ فاران کو اپنی ماں کی جیلسی کی عادت بہت ناگوار گزرتی تھی۔
 ”زبردستی اس کے سر لڑکی منڈوی یہ کچھ نہ بولے۔“

”ممائی جان! آپ پریشان نہیں ہوں، کوئی نہ کوئی مجھے فیصلہ کرنا ہی ہے۔“ اس نے انھیں یہ کہہ کر مطمئن
 کر دیا۔ باہر مرتضیٰ علی ساری گفتگو ان کی سن رہے تھے، انھیں نزہت کی ساری باتیں بری لگ رہی تھیں، اب
 سوچنا انھیں تھا کہ کیا کرنا ہے۔

”تم نے اگر کچھ بھی الٹا سیدھا سوچا تو میں بھول جاؤں گا، تم میرے کچھ لگتے ہو۔“ بیٹم باہر آیا تو انھوں
 نے اسے وارن کر دیا، وہ حیرانی سے انھیں دیکھنے لگا، کیونکہ وہ ادھر ہی کھڑے تھے، وہ اندر ہال کمرے میں
 آ گئے۔

”نزہت! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، تم بھی بیٹی کی ماں ہو، کسی کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کرو گی۔“
 انھیں شرمندہ کرنے لگے، مگر انھیں تو جیسے شرمندہ ہونا آتا ہی نہیں تھا۔ جوہم، منامال اور عفان وہاں سے کھٹک
 لیے کیونکہ وہ دادا جان کا غصے سے بھرا چہرہ دیکھ رہے تھے، فاران نے سر جھکا کے وہاں سے نکل جانے میں
 عافیت جانی۔

(جاری ہے)

Hankies®

... absorbent
 elegant
 & luxury



Customer Service

H&P
 Health & Hygiene Products

hankieshp@yahoo.com, freedomhp@yahoo.com

AKS DIGITAL

☆.....☆.....☆

مہرین کنول

افسانہ

غلطی یا مقدر

مہین ہاؤس میں صبح سے شام میں ہونے والی تقریب کی تیاریاں کی جا رہی تھیں، کیونکہ عثمان نے اپنا MBA مکمل کر لیا تھا، جس کی خوشی زہیری

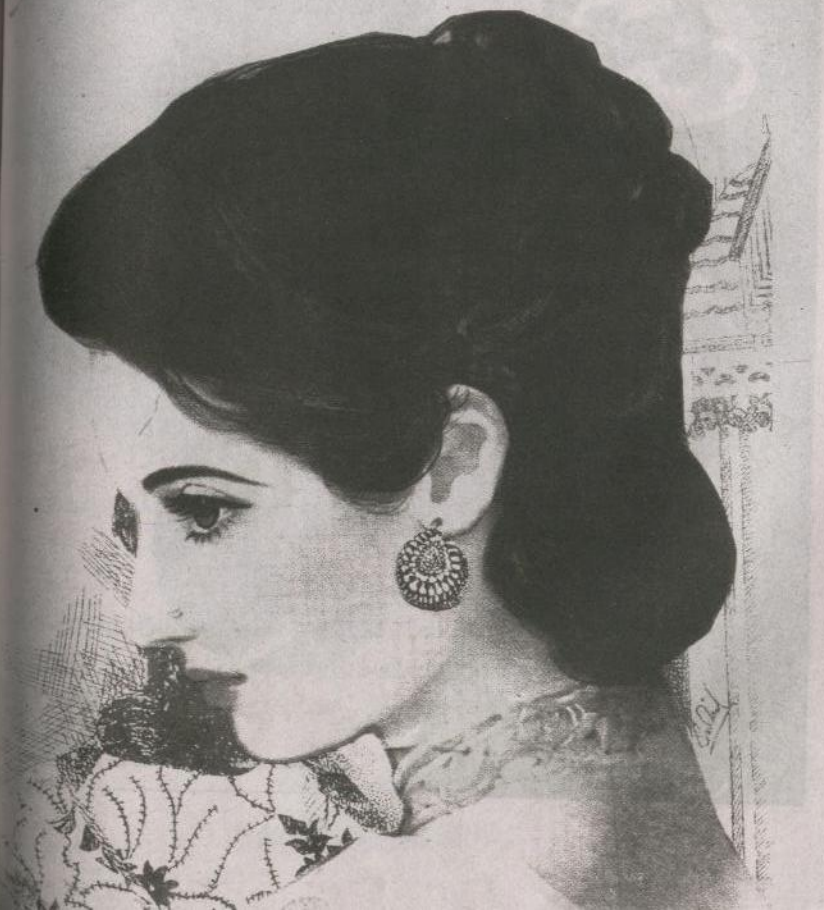
ساتے عثمان اور عروج دونوں ہی گھر بھر کے لاڈ لے تھے۔ زہیری صاحب چاہتے تھے اب عثمان ہی ان کا بزنس سنبھالے، کیونکہ ان کا بیٹا اس قابل ہو گیا تھا، شام ہو چکی تھی تمام مہمان آ چکے تھے تقریب مہین ہاؤس کے باغ میں منعقد ہوئی تھی۔ تقریب شروع ہو چکی تھی، جو شاندار تھی، عثمان نے قدم رکھتے ہی طائرانہ نظر سب مہمانوں پر ڈالی، جن میں زہیری صاحب کے رئیس دوست اور ان کی بیٹیاں شامل تھیں، مسز زہیری، عثمان کی ماں نسیم بیٹی کو دیکھ کر اس کی طرف گئیں۔

”بیٹا عثمان! آؤ تمہارا ہی انتظار تھا، سب مہمان تمہارا کتنی بار پوچھ چکے ہیں، اپنی کزن سے

ملو۔“ نسیم نے کشمالا کی طرف اشارہ کیا۔

”بیٹا! تم اب تک اپنی کزن اور اسے پایا کے دوستوں کی بیٹیوں سے کئی بار مل چکے ہو، مگر مجھے لگتا ہے تم نے انھیں خاص انداز سے نہیں دیکھا۔“

”مام! کیسے خاص انداز سے؟“ عثمان نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔



معصومیت سموتی ہوئی ہو، جو کبھی الہز ہو تو کبھی سنجیدہ۔

”بیٹا ایسی لڑکی تو تمہیں ان ہی مہمانوں میں سے ہی ڈھونڈنی ہوگی، تمہارے پاپا کا غصہ تو تم بھی جانتے ہو، انھیں اپنا اسٹیٹس بہت ہی پیارا ہے۔“ عثمان ماں کی بات سن کر چپ تو ہو گیا، مگر اپنے خواب کی تعبیر ملنے کا انتظار کرتا سب مہمانوں سے خوش اسلوبی سے ملتا رہا، یہاں تک کہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

☆.....☆.....☆

معمول کی طرح عثمان عروج کو کالج چھوڑنے آیا تھا، عروج گاڑی سے اتری تھی، اور کالج کے گیٹ کی طرف بڑھی تھی کہ ایک لڑکی جو عروج کے ساتھ ہی کالج کا گیٹ عبور کر رہی تھی، جس کو دیکھ کر عثمان ٹھٹھکا تھا، جب تک وہ کالج کے اندر چلی نہیں گئی تھیں تب تک عثمان جوں کا توں کھڑا ہوا اس لڑکی کو دیکھتا رہا، پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آفس چلا آیا، تمام راستے وہ یہی سوچتا رہا اس چہرے نے آتے ہی پہلی نظر میں ہی میرے دل کو شیر کر لیا ہے، عثمان کا کسی کام میں کسی فائل میں دل نہیں لگ رہا تھا، جس اسے کالج کی طرف جانے پر گامزن کرتا چاہ رہا تھا، خدا خدا کر کے کالج کی چھٹی کا ٹائم ہوا اور عثمان چابی گھماتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، صرف دس منٹ میں عثمان کالج پہنچ گیا۔ کالج کی چھٹی ہو چکی تھی، لڑکیاں باہر نکل رہی تھیں، عثمان گاڑی میں بیٹھا کالج کے گیٹ کو تک رہا تھا، کچھ ہی دیر میں عروج اسی لڑکی کے ساتھ نکلتی نظر آ گئی، وہ آپس میں باتیں کرتیں اس طرف ہی چلی آرہی تھیں، دھوپ میں جھمک کرتی بلوری آنکھیں اور بھی نور برسا رہی تھیں، اس کی ہنسی میں کھنک تھی اب وہ مڑ کر جا رہی تھی اور عروج عثمان کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

”کون تھی وہ لڑکی؟“ بیک پیچھے سیٹ پر عروج چوکی تھی۔

”کون سی لڑکی بھائی؟“

”وہی بلوری آنکھوں والی، جس سے تم اب باتیں کرتی آرہی تھیں۔“

”اچھا نازی... کی بات کر رہے ہیں آپ؟“

”اس کا نام نازی ہے؟“ عثمان نے گاڑی اشارت کر دی تھی۔

”بھائی! آپ نازی کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ ٹشو پیپر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے عروج نے پوچھا تھا۔

”بھئی! جب تم مام اور پاپا کے ساتھ مل کر میرے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہو، تو اپنے کالج میں بھی دیکھو ناں، جیسے کہ نازی، بات کرو نازی سے میرے لیے یا میں خود بات کروں اس سے؟“ عثمان شوخ ہوا تھا۔

”تو یہ کریں بھائی! نازی بہت تیز لڑکی ہے چھوٹے ہی پھنر مار دے گی آپ کے۔“ عروج نے بات سن کر عثمان کے لبوں پر مسکراہٹ لہرا گئی۔

”کچھ جانتی ہو نازی کے ماں باپ کے بارے میں؟“

”اس کے پاپا سبزی فروش ہیں۔“ عروج نے نخوت سے کہا۔

”رہتے کہاں ہیں؟“

”گھر کا مجھے نہیں معلوم۔“ بھائی کی ضد نے انجان نہ تھی، اس لیے ہتھیار ڈال کر بولی تھی۔

”بھائی! کل میں اس لڑکی سے بات کر کے دیکھوں گی، کیا جواب دیتی ہے وہ۔“

”تم جیسی ہی بنیں ہوئی ہیں جو بھائیوں کے مستقبل روشن کرنے کا سبب بنتی ہیں۔“ عروج کر خاموش ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

”تم نے کیا جادو کیا ہے؟“ عروج نے کینٹین میں قدم رکھتے ہی نازی پر سوال داغنا تھا۔

”جادو؟“ نازی پر سوچ انداز میں بولی تھی۔

”ہاں بھی! تم نے کیا جادو کیا ہے میرا بھائی پگل ہو گیا ہے۔“ نازی ناچھی کی کیفیت میں گھری اپنی دوستوں کو لائبریری کا بتا کر کینٹین سے چلی گئی۔

دوسرے دن سے اچانک عروج نے نازی سے منہ بنانا شروع کر دیا، نازی جب بھی عروج سے بات کرنے کی کوشش کرتی، وہ کترا کے ہٹ جاتی، ایک دن نازی اپنی مشترکہ دوست سمیرا سے بات کر رہی تھی، عروج منہ بنا کر جتاتے ہوئے انداز سے نازی کی طرف سے گزری، سمیرا کو عروج کا نازی سے یوں رویہ اختیار کرنا گھر کا تھا، اسی لیے نازی کے پاس سے اٹھ کر عروج کے پاس پہنچی اور کہا۔

”یار عروج! یہ تم نازی سے کیسا رویہ اختیار کیے ہوئے ہو؟“

”یار! میرا بھائی اس کو پسند کرنے لگا ہے۔“

”تو اس میں نازی کا کیا قصور ہے، اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔“

”یار! میں کیا کروں، میرا بھائی باز ہی نہیں آ رہا، حالانکہ ہمارے ہاں ایسا بھی نہیں ہوا، ہم لوگ آؤٹ آف کاسٹ شادی نہیں کرتے، ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔“

”یعنی جس کے پاس سامان ہو غلطی اس کی ہے، اور چور جس کی نیت خراب ہے وہ سچ ہے۔“ نازی نے یہ سب باتیں سن لی تھیں، اس لیے بے ساختہ بولی تھی، عروج اس برجستہ جواب کے لیے تیار نہ تھی، اس لیے خاموش ہو گئی۔

کچھ دنوں سے عروج کالج نہیں آرہی تھی، اس کی وجہ شاید رمضان کی آمد تھی، کیونکہ عروج کو

روزے میں کالج آنے سے طبیعت بوجھل محسوس ہوتی تھی، ایک دن اچانک کالج کی چھٹی کے وقت کالج کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی ہوئی عروج، نازی کی طرف دوڑتی ہوئی آئی، اس کے ہاتھ میں عید کارڈ اور ایک عدد گلاب تھا، اس نے یہ دونوں چیزیں نازی کو دیں، نازی نے یہ دونوں چیزیں دیکھیں کارڈ میں ”عثمان کی طرف سے“ درج تھا، نازی سے رہا نہ گیا اس لیے پلٹ کر جانے والی عروج کو پکارا۔

”ادھر آؤ عروج! اس دن تم کہہ رہی تھیں کیا جادو کیا ہے، اور تمہارے یہاں ایسا نہیں ہوتا، تو کیا ایسا ہوتا ہے تمہارے یہاں؟ تم کیوتر بن گئیں، لو رکھو یہ چیزیں آئندہ کے لیے ہمارے درمیان دوستی ختم۔“ نازی نے کارڈ اور پھول عروج کے ہاتھ میں تھمتاے ہوئے کہا تھا۔

”As You Like“ عروج اپنی سبکی محسوس کرتی ہوئی یہی بول سکی اور اپنے بھائی عثمان کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی، سمیرا، نازی اور عروج کی مشترکہ دوست خوش ہو گئی، اس لیے نازی سے کہا۔

”نازی! تم نے اسے بہت اچھا جواب دیا ہے۔“ عثمان جو پر جسس گاڑی کے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے بھی عروج کو کبھی عروج کے ہاتھوں میں کارڈ اور گلاب کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا، نازی نے کارڈ نہیں لیا؟“ عثمان نے زیر لب کہا۔

”بھائی! نازی نے بری طرح یہ کارڈ اور پھول واپس کیا ہے، اور مجھ سے دوستی تک ختم کر دی ہے، بھائی! میری مائیں اس لڑکی کو بھول جائیں۔“ عثمان عروج کو کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھ گیا۔

چند روز تک عثمان کالج کی چھٹی پر آتا، ایک

جھلک نازی کو دیکھتا اور عروج کو لے کر چلا جاتا، دن بھر سوچتا رہتا کہ کیسے نازی سے بات کرے، شومی قسمت ایک دن عروج نے چھٹی کر لی، عثمان کالج کی چھٹی پر کالج گیا اور نازی کا انتظار کرنے لگا، نازی کالج سے باہر آئی، اور اپنے گھر کے لیے روانہ ہو چکی تھی، مگر اس کو پتہ نہیں تھا کہ عثمان اس کا پیچھا کرتا اس کے گھر تک جا پہنچا تھا، عثمان نے گھر کا جائزہ لیا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سما، اس کے گھر پر بیئر لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ”نیچے کا پورشن کرائے کے لیے خالی ہے“ اسی وقت اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں کارخانہ کھولے گا۔

☆.....☆.....☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر عثمان نے اپنے پیالے کہا۔
”پاپا! آج میں آفس نہیں جاؤں گا، کیونکہ میرا دل اس بزنس میں نہیں لگ رہا ہے، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسپتیر پارٹس کا کارخانہ کھولوں گا۔“
زیریں صاحب کی حیرت دوگنی تھی۔
”لیکن بیٹا! ہمارا بزنس کافی اچھا چل رہا ہے، اس میں کروڑوں کی کمائی ہے، حیرت ہے تمہارا اس میں دل نہیں لگ رہا، لیکن کوئی بات نہیں، ہم اگلے ہفتے سے تمہارے لیے کارخانہ کھولنے کی تیاری کریں گے۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے پاپا! میں نے ایک پورشن کرائے کے لیے دیکھا ہے، وہ پورشن مجھے بہت پسند آیا ہے، میں آج ہی اس پورشن کے مالک سے رجوع کرنے جا رہا ہوں۔“
”ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری خوشی، جتنی رقم کی ضرورت ہو مجھ سے لے لینا۔“
”تھینک یو پاپا!“

☆.....☆.....☆

نازی کالج کے لیے اپنے گھر سے نکلی ہی تھی،

اس کے ابا رحیم مشتاق بھی اس کے جانے کے بعد اپنی دوکان کے لیے نکلتے تھے، ان کا گھر بڑا تھا، ان کے گھر کے نیچے چار پورشن تھے، تین پورشن میں دوکانیں تھیں، اور بچا ایک پورشن جو کرائے کے لیے خالی تھا۔

عثمان نے نازی کے گھر سے نکلنے کے بعد اس کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔
”کون ہے؟“ رحیم مشتاق دروازہ کھولے ہوئے بولے تھے، غالباً وہ اپنے کام سے نکلنے کے ارادے سے نکلے تھے۔

”جی بر خوردار! کس سے ملنا ہے آپ کو؟“
”جی میں آپ کا پورشن کرائے کے لیے لیا چاہتا ہوں۔“

”اچھا بیٹا! آپ دو چار گواہوں کو لے آنا تب بات کرنا۔“ یہ کہہ کر رحیم مشتاق صاحب اپنی دوکان کے لیے روانہ ہو گئے، جو کہ منڈی میں تھی، نازی کے گھر کے سامنے ایک دوکان اور بھی تھا جس پر رائل نقل بنتی تھی، اور یہ دوکان اسجد نامی لڑکے کی تھی، عثمان نے اس سے جلد دوستی کر لی، اس سے دوستی کیا ہوئی کہ اس کے دوست جو رحیم مشتاق کے کرائے دار تھے ان سے بھی دوستی ہو گئی، عثمان نے ان کا پورشن کرائے پر لینے کی خواہش ظاہر کی، جس پر یہ سب لوگ اس کے گواہ بننے کو راضی ہو گئے، عثمان، رحیم مشتاق کے آنے تک اسجد کی دوکان پر بیٹھا انتظار کرتا رہا، رحیم مشتاق صاحب کے آنے کے بعد وہ دو چار گواہوں کے ساتھ رحیم صاحب کے پاس آیا، رحیم صاحب نے تھوڑی دیر بات چیت کے بعد نیچے کا پورشن کرائے پر عثمان کو دے دیا۔ دوسرے دن سے عثمان نے اس پورشن میں مشینیں، اسپتیر پارٹس کا سامان ڈلوانا شروع کر دیا اور کچھ کار بھی رکھ لیے۔

☆.....☆.....☆

صبح سے ابراہیم عثمان کے کارخانے میں آیا ہوا تھا، جو عثمان کا جگری دوست تھا۔

”ابے گھماڑ! تو مجھے اب بتا رہا ہے، میں ابھی اس لڑکی کو بتاتا ہوں میرا دوست تمہیں کتنا پسند کرتا ہے۔“ لیکن ٹو اسے پہچانے گا کیسے؟“ عثمان، ابراہیم سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

”پہچانوں گا کیسے نہیں، اس کا نام نازی ہے ناں، اور دوست کی پسند سے کب انجان ہوں۔“
”ابے رک!“ عثمان نے دوڑ لگانے کو تیار ابراہیم کو روکا۔

”ٹو دیکھنا چاہتا ہے ناں تو دور سے دیکھ لینا اس کے پاس جا کے اس سے کچھ بھی بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ناچار ابراہیم کو اس کی بات ماننی پڑی تھی۔ رحیم مشتاق صاحب کے گھر سے جانے کے بعد عثمان گیٹ تک آیا اور دستک دی۔

”کون ہے کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ نازی گیٹ کھولتی بولی تھی، عثمان کو پتہ تھا گیٹ نازی ہی کھولے گی، کیونکہ ان کے گھر کے کنبے میں موجود باب، بھائی تو منڈی چلے جاتے تھے جب کہ وہ اور اس کی بھابی اور ایک چھوٹی بہن پیچھے رہ جاتے تھے۔

”جی فرمائیے!“ نازی جو سامنے کھڑے نوجوان کے بولنے کی منتظر تھی، کہہ رہی تھی۔

”جی..... رحیم صاحب ہیں؟“ عثمان کے بولنے میں ہلکی سی ہٹلاہٹ تھی، جس کو محسوس کرتے ہوئے نازی کی شرارتی طبیعت جاگی تھی، اس لیے اس نے دوبارہ سوال کیا تھا۔

”جی کیا..... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“
”رحیم صاحب ہیں؟“ عثمان الگ نازی سے غصا اٹھا رہا تھا، جو خود انجانے میں بات کرنے کا نمونہ دے رہی تھی۔

”جی ابا تو ابھی ابھی چلے گئے، آپ کو کیا کام ہے، مجھے بتادیں۔“

”جی یہ agreement انہیں دے دیجیے گا۔“ ایک پیپر اور کچھ رقم وہ نازی کو تھماتے ہوئے بولا تھا۔ نازی نے agreement دیکھا اور سمجھ گئی کہ یہ ہمارا نیا کرائے دار ہے۔

”کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو، چلو اب نکلو یہاں سے۔“ عثمان جو ابھی تک کھڑا ہوا تھا، اور نازی کو دیکھ رہا تھا، اس حقیر بھرے انداز سے تپ کر خاموشی سے چلا گیا۔

”تمہاری پسند بہت اچھی ہے، میں دور سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔“ ابراہیم نے عثمان سے کہا تھا۔
”تمہیں پتہ ہے آج پہلی بار میں نے اس سے بات کی ہے ورنہ تو صرف دیدار ہی ہوا کرتا تھا؟“ وہ خوشی سے بولا۔

☆.....☆.....☆

”ٹھائیں..... ٹھائیں!“
نازی جو بڑبڑاتی کان میں انگلیاں ٹھونستی گیلری میں آئی تھی اور دیکھا تھا، وہ لڑکا اسجد بھائی کی دوکان سے رائل نقل اٹھا رہا تھا اور لوڈ کر کے آسمان میں اڑتے ہوئے پرندوں پر نشانہ باندھ رہا تھا، اس لڑکے کی نظر نازی پر پڑ چکی تھی، جو نہایت غصے سے دیکھ رہی تھی، جیسے کہہ رہی ہو۔

”تم بہت ظالم شخص ہو، جو بندوق چلاتا ہے پرندوں پر۔“ اب عثمان رائل نقل رکھ چکا تھا، نازی بھی پلٹ کر جا چکی تھی، روز جیسے اب یہی معمول بن گیا تھا، نازی کے گیلری میں آتے ہی عثمان رائل نقل چلانا بند کر دیتا، اس پر بھی وہ رائل نقل چلا رہا تھا۔

نازی جو اپنی چھوٹی بہن یمنی کو ہوم ورک کرا رہی تھی منہ چھپتی اپنی سامنے بھابی سے بولی۔
”بھابی! کیسا شخص ہے یہ روز اسی وقت یہ

بندوق چلاتا ہے، مجھے بالکل پسند نہیں اس کا
پرنڈوں پر فائر کرنا۔
”بھئی! مجھے تو لگتا ہے یہ تمہارا دیدار کرنے
کے لیے راقص چلاتا ہے۔“ صائمہ بھابی کی شرارتی
طبیعت اجاگر ہوئی تھی۔
”وہ کیسے بھابی؟“ نازی نے معصومیت سے
پوچھا تھا۔

”بھئی! جب بھی تم گیلری میں جاتی ہو، یہ
بندوق چلانا بند کر دیتا ہے۔“
”ارے نہیں بھابی! میں اسے آنکھیں جو
دکھاتی ہوں اس لیے میرے رعب میں آکر وہ
بندوق چلانا بند کر دیتا ہے۔“ صائمہ بھابی، نازی کی
معصومیت پہ مسکرا کر رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

کالج کی چھٹی ہوتے ہی نازی کالج سے باہر
نکل تھی، عثمان اپنی کار میں بیٹھا نازی سے کہہ رہا
تھا۔

”آئیے! میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔“

”بہت شکریہ، میرا آٹو سامنے کھڑا ہے، میں
چلی جاؤں گی۔“ عثمان نے جب دیکھا کہ وہ کار
میں نہیں بیٹھنے کی تو گاڑی اشارت کر کے وہاں سے
چلا گیا۔ نازی اپنی دوستوں شائلہ، امبرین کے
ساتھ آٹو میں آرہی تھی، عثمان اپنی کار کا بونٹ
صاف کر رہا تھا، وہ تینوں اتری تھیں کہ شائلہ کے
دوپٹے کا پلو گاڑی کے شیشے سے اٹک گیا اور وہ اس
ڈیشنگ بندے کو دیکھ کر رہ گئی، وہ اپنا پلو نکالنے کی
کوشش کرتی رہی مشکل سے اس کا دوپٹہ شیشے سے
آزاد ہوا تھا، عثمان نے سرسری نظر اٹھا کر دیکھا اور
پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

”دیکھو تو نازی! یہ کتنا پیٹنڈم ہے، لیکن دیکھو
کتنا سخت مزاج لگتا ہے، ایک نظر اٹھا کر دیکھتا بھی
نہیں ہے، یہ نہیں کر سکتا تھا کہ دوپٹہ نکالنے میں مدد

ہی کر دیتا۔“

”چھوڑو یار! یہ تو پاگل ہے۔“ نازی نے
مروت ہو کر کہا تھا۔ عثمان ان کی باتیں سن چکا تھا
مہینے کی پہلی تاریخ ہو گئی تھی اسی لیے وہ نازی کے گھر
آیا تھا، نازی ہی اسے دروازے پر ملتی تھی۔
”تو تم کیا کہہ رہی تھیں مجھے کہ یہ تو پاگل
ہے.... ہوں؟“

”جی! نازی بھونچکا ہو کر بولی تھی۔
”ہاں.... اور تمہاری سہیلی کیا کہہ رہی تھی کہ
دیکھتا بھی نہیں ہے پلٹ کر، تو اپنی سہیلی سے کہہ دو
کہ وہ دیکھنے والی چیز نہیں ہے، اور دیکھنے والی چیز تو
میں کب کی دیکھ چکا۔“ یہ کہہ کر نازی کے ہاتھ میں
کرایہ شہما کر یہ جاوہ جا، نازی ہکا بکا سی کھڑی
دروازے کو نکلتی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

رمضان کی آمد آتی تھی، نازی اپنی صائمہ بھابی
کے ساتھ گھر سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر شاپنگ
کرنے آئی تھی، اتفاق سے عثمان، ابرار کے ساتھ
یہیں نکل آیا اور نازی سے مڈ بھیڑ ہو گئی جو کپڑے
خریدتی صائمہ بھابی سے دور کھڑی تھی۔
”تو آپ یہاں عید کی شاپنگ کرنے آئی
ہیں؟“

”جی لیکن یہاں اس طرف ہمارے رشتے دار
بھی رہتے ہیں۔“

”جی جانتا ہوں۔“ نازی کو اس کے انکشاف
پر حیرت ہوئی تھی۔

”آپ کو کیسے پتہ؟“

”بھئی! جو اتنا بڑا قدم اٹھا لے گا اس کو خاندان
کی ذات پات کی جانچ پڑتال تو کرنا پڑے گی۔
”ناں۔“ ابرار نے ایک اور انکشاف کرنا چاہا تھا۔
”اتنا بڑا قدم....!“ کچھ نا اچھی کی کیفیت میں
گھری نازی کی طرف صائمہ بھابی کو آتا دیکھا

عثمان اور ابرار کھسک گئے۔ شام کے وقت کھیتی
ہوئی یعنی کے ہاتھ عثمان نے ڈائمنڈ کے ٹاپس
نازی کے لیے بھجوائے جسے نازی نے بخوشی رکھ لیا
تھا۔

☆.....☆.....☆

”وہ لڑکی ایک سبزی فروش کی بیٹی ہے، چھوڑ دو
اس لڑکی کا خیال، ہماری برادری میں باہر رشتہ نہیں
کرتے، کیا پہلے تمہیں یہ معلوم نہ تھا۔“ زبیری
صاحب کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

”پاپا! میں نازی کو پسند کرتا ہوں۔“
”تم بہت جذباتی ہو رہے ہو عثمان! ہمارے
ہاں ایسا نہیں ہوتا۔“

”میں آپ کو ایک بات بتا دوں، میں نازی سے
پچھڑ کر زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکوں گا، میں رہ ہی نہیں
سکتا نازی کے بن۔“ اس کی آواز بھرنے لگی۔

”میں ریت رواجوں کو نہیں مانتا، میں نے سود
وزیاں سے الگ ہو کر نازی سے محبت کی ہے اور
میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔“

”ٹھیک ہے، تمہاری ماں وہاں رشتہ مانگنے
کے لیے چلی جائیں گی، مگر ہماری ایک شرط ہے۔“
”بیٹی کی ضد کے آگے ہار نہیں مانی تھی۔“

”مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔“

”عثمان! شادی کے بعد اس لڑکی کا اپنے ماں
باپ، بہن بھائی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، ہماری
برادری میں شامل ہوتے ہی اس کے لیے سب
مرجائیں گے۔“

”ٹھیک ہے پاپا! جیسا آپ چاہیں گے ویسا
ہی ہوگا۔“ وہ دھیرے سے بولا۔

☆.....☆.....☆

نیچے کارکنے کی آواز کے ساتھ ملی جلی سی
آوازیں آرہی تھیں، نازی گیلری کے پاس کھڑی
تھی ذرا سا جھکی تو کار سے اترتی نیسہ بیگم اور ابرار

نظر آ گئے، گیلری سے ہٹ کر وہ چپ چاپ بیڈ پر
آکر بیٹھ گئی، کئی قدموں کی چاب سیرھیوں پر سناپی
دینے لگی، نیسہ اب نازی کے کمرے میں تھیں۔

”ماشاء اللہ! کتنی موٹی صورت ہے۔“ وہ انھیں
دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی، ان کی مہمان نوازی کی گئی
اور تھوڑی دیر بعد وہ جواب مانگنے کے لیے دوبارہ
آنے کا کہہ گئیں۔ رجم مشتاق اس رشتے سے بہت
خوش تھے، مگر نازی پریشان تھی۔

”ابا! اتنے بڑے خاندان میں آپ شادی
کیسے کریں گے؟“

”بیٹا! تو ان باتوں سے پریشان ہو رہی ہے،
میں ایک ایک چیز بیچ دوں گا اور دھوم دھام سے
تیری شادی کروں گا۔“ وہ خوش سے بولے۔

☆.....☆.....☆

صائمہ بھابی کو بخار ہوا تھا، اسی لیے نازی ان کو
لے کر ڈاکٹر کے کلینک آئی تھی، ابھی ڈاکٹر سے
معائنہ کرانے کے بعد ڈاکٹر سے دوائی کا نسخہ لیا ہی
تھا، جو کمپاؤنڈر کو دیا تھا، کہ اسجد اپنی بیگم کے ساتھ
کلینک آ پہنچا، یہاں نازی سے ملاقات ہو گئی،
باتوں باتوں میں نازی سے اسجد نے کہا۔
”کیا ہوا نازی! خالہ کل رشتہ لے کر آئی تھیں
ابرار کے ساتھ؟“

”جی ہاں! آپ کو کیسے پتہ؟“ نازی نے
حیرت سے پوچھا تھا۔

”لو سارے ڈرامے کا ہمیں تو پتہ ہے۔“
”کیسا ڈرامہ؟“ سراسیمگی کی کیفیت میں

گھری نازی نے پوچھا۔

”بھئی نازی! عثمان کے ماں باپ تم سے رشتہ
کرنے پر اس لیے راضی ہوئے ہیں کہ شادی کے
بعد تمہارا تمہارے ماں باپ کے ساتھ کوئی تعلق
نہیں رہے گا، گویا وہ تمہارے لیے مرجائیں گے،
اور دیگر یہ کہ عثمان کے بقول نازی تمہاری جیسی

لڑکیاں تو وہ اپنی جیب میں رکھتا ہے۔“
نازی غصے میں اپنی بھائی کو لے کر نکلتی ہوئی گھر پہنچی اور یمنی کو ساتھ لیا اور عثمان کے دیئے ہوئے ٹاپس اٹھائے اور نیچے کے پورشن میں بنے آفس میں دھڑلے سے چلی گئی، عثمان جو اپنے آفس میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا کارخانے میں بننے والے اسپر پارٹس کے بارے میں ڈسکشن کر رہا تھا، اس افتاد کے لیے تیار نہ تھا، نازی نے جھٹ آتے ہی اس کے منہ پر ٹاپس دے مارے، اس افتاد پر عثمان نے نازی کو دیکھا، اور پوچھا۔
”یہ کیا کر رہی ہو، تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟“ مگر نازی چپ چاپ سنی ان سنی کرتی مڑ کر جانے لگی۔

”بولو! کیا بات ہے، مجھے بتاؤ تو صحیح ایسی کون سی غلطی ہوئی ہے مجھ سے؟“ مگر نازی عثمان کی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہ تھی اور وہاں سے اپنی بہن یمنی کو لے اپنے گھر چلی گئی، پیچھے آتا عثمان بند دروازے کو گھورتا رہ گیا۔

☆.....☆

نازی کا کہیں اور سے رشتہ آیا ہوا تھا، جو مناسب تھا، لڑکا بی۔ اے پاس تھا، جو مقامی کوچنگ میں پڑھاتا تھا، رحیم صاحب نے اس رشتے کو پسند نہیں کیا تھا مگر نازی نے اپنی پسند ظاہر کر دی تھی، رحیم صاحب نے نازی کو بہت سمجھایا مگر بے سود، نازی کی اس رشتے کے لیے رضامندی دیکھ کر رحیم صاحب نے نازی کی فوراً شادی کر دی، مگر اس کا نصیب تو جیسے پھوٹ گیا تھا، نازی کا شوہر شادی کے تیسرے دن ہی دینی چلا گیا، اور سسرال والوں نے نازی پر بے جا تشدد کرنے شروع کر دیے، رحیم صاحب کو بیٹی کا حال معلوم ہوا تو وہ اس کو گھر لے آئے، ایچی پیس لاتی ہوئی نازی کو عثمان کا رخانے میں کھڑے دیکھ رہا تھا، اس کے دیکھنے میں حقارت تھی ابرار نے ہی آ کر

رحیم صاحب سے پوچھا تھا۔

”کیا ہوا نازی کے ساتھ؟“

”بیٹا! بیٹیوں کے نصیب ہی ایسے ہوں تو کیا کہا جائے، اب وہ وہاں نہیں جائے گی۔“ یہ کہہ کر رحیم صاحب گھر کے اندر چلے گئے، اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی نازی گھر کی طرف بڑھنے لگی اس کی نظر عثمان پر پڑی تھی جو اسے حقارت سے دیکھتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا گاڑی سے اڑتی ہوئی دھول کو دیکھتی رہی، ابرار نے یہ منظر دیکھا تھا اسی لیے نازی کے پاس آیا تھا۔

”نازی! کیا ہوا، رحیم صاحب کیا بتا رہے تھے؟“

”بس کیا کروں نصیب ہی پھوٹ گیا، میرے شوہر دینی چلے گئے ہیں اور سنا ہے انھوں نے وہاں دوسری شادی کر لی ہے میرے سسرال والے ظلم کرتے ہیں اس لیے اب مجھے یہاں لے آئے۔“
”لیکن تم نے عثمان کی بات کیوں نہیں سنی، وہ حرکت کیوں کی اور پھر جھٹ پٹ شادی کر لی تم نے، کیا تصور تھا عثمان کا؟“

”ابرار بھائی! آپ کو نہیں پتا اس شخص نے مجھے کہا تھا ایسی لڑکیاں تو میری جیب میں رہتی ہیں۔“
”نہیں عثمان ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔“

”تو کیا یہ بھی جھوٹ ہے عثمان سے شادی کرنے کے بعد میرے والدین سے میرا کوئی تعلق نہیں رہے گا، یہ اس کے والدین کی شرط نہیں تھی؟“
”تمہارے کان کس نے بھرے تھے؟“ ابرار جاننا چاہ رہا تھا کہ کس نے یہ سب نازی سے کہا۔

”اجنب بھائی نے۔“ ابرار کو حیرت کا جھٹکا لگا۔
”پاگل! احمد اور عثمان کی دشمنی چل رہی تھی اور تم کتنے کچے کانوں کی لٹکس، عثمان پر بھروسہ ہی نہیں کیا اگر اس کے والدین نے شرط رکھی ہی تھی تو شادی

کے بعد بھی تمہارا خیال کرتا، تمہیں تمہارے والدین سے ملوانے کا موقع فراہم کرتا، تم جیسے لوگ ہی غیروں کی باتوں میں آ کر اپنا آپ برباد کرتے ہیں۔“ اور نازی پشیمانی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆

ماں باپ کی ضد کے آگے اسے تسلیم ختم کرنا ہی پڑا، جنھوں نے اس کی کبھی اتنی بڑی ضد پوری کرنے کی حامی بھر لی تھی، ورنہ تو وہ تمام عمر شادی نہ کرتا، اس لیے اپنی کزن کشمالا سے شادی کی حامی بھر لی تھی، اس کے ویسے والے دن ہی عروج کی برأت آئی تھی، دونوں انڈین تیار ہونے بیوی پار لگتی تھیں، عثمان ہی کارڈرائیو کر رہا تھا، واپسی میں اس کی کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہو گیا، کشمالا اور عروج تو موقع پر ہی دم توڑ گئیں، اور عثمان کو 15 دن بعد ہوش آیا، اس کے ساتھ جوڑ بچڑی ہوئی تھی اس کا جس کو کبھی پتا نہ چلتا، وہ آنکھ اشکبار ہو جاتی، اس کے ماما پاپا نے بہت کہا کہ وہ پھر شادی کر لے مگر عثمان نہ کہتا۔

”خوشیاں مجھے راس نہیں آتیں، اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ ہمیشہ کے لیے اسلام آباد چلا جاؤں۔“ اور عثمان اسلام آباد چلا گیا۔

☆.....☆

دسمبر کا اوائل تھا، موسم میں خنکی زیادہ اور سردی کم تھی یہ راتیں اسے بہت بے چین اور مضطرب کر دیتی تھیں، کیونکہ ان ہی دنوں تو وہ خالم اسے چھوڑ کر گئی تھی، اور اس کی زندگی میں بھونچال آ گیا تھا، دس سال بعد وہ کراچی آیا تھا، ڈیپارچر لاؤنج میں کافی روکتی تھی۔

”آپ! آپ کبھی میری بات بھی مان لیا کریں، اب آپ کو بھی شادی کر لینی چاہیے۔“ اس کے سامنے سے خوبصورت اٹھارہ سالہ لڑکی گزری تھی، اس کے لہجے کی جھنجھلاہٹ اسے بہت بھلی محسوس ہوئی، پھر یکدم ہی وہ چونک کر اس لڑکی کو اور

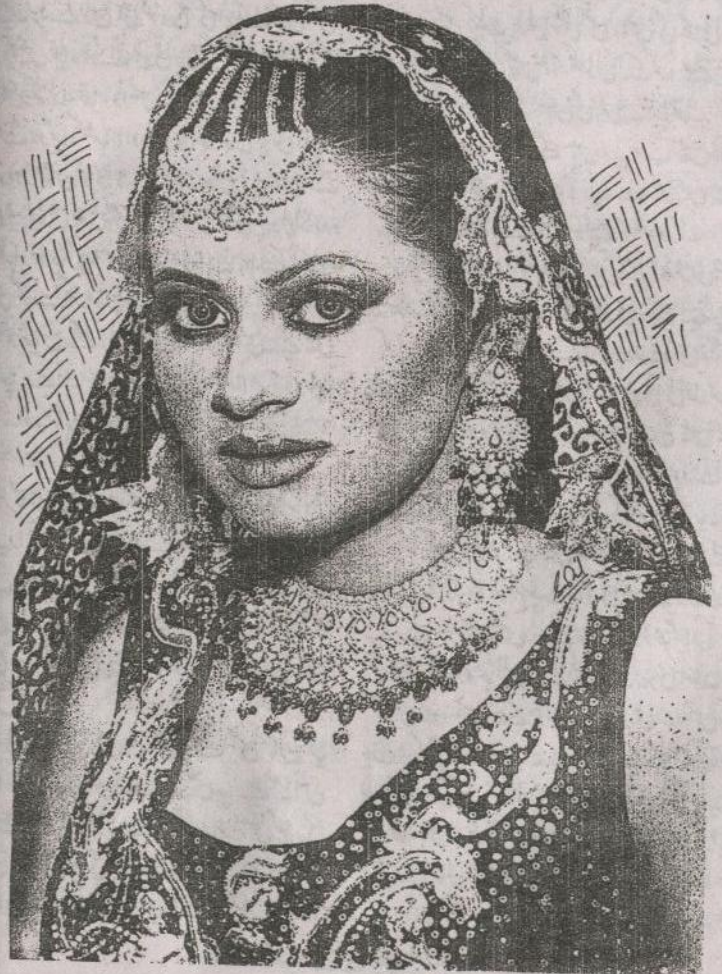
اس کے آگے چلتی خاتون کو دیکھنے لگا۔
”یمنی! زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، محض تمہاری ضد ہی میں ایئر پورٹ آئی ہوں۔“ اس نے پلٹ کر اپنی بہن کو گھورا تھا، عثمان حیرت زدہ سا دیکھ رہا تھا، گہرے براؤن کاشن کے پرنٹڈ شلوار قمیض پر اپنے مخصوص انداز میں دوپٹہ اوڑھے وہ نازی رحیم تھی، عثمان کے لیے وقت ختم سا گیا، اس کی نظریں بہن پر تھیں اور عثمان کی اس پر۔ دس سالوں میں اس کی زندگی میں کچھ نہیں بدلا تھا، لیکن نازی رحیم بہت بدل چکی تھی، اس کی گلابی رنگت میں زردیاں چھلی تھیں، آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں تھے۔ کوئی نو جوان لڑکا ان کی طرف آیا تھا۔

”آپ! اسدا آگئے ہیں، یہ سب میں ان ہی کے کہنے پر کہہ رہی تھی، آپ سے جو میں نے کہا ہے، اس کے بارے میں سوچنے کا ضرور۔“

”اچھا آپ! ہم چلتے ہیں۔“ وہ ٹرائی آگے بڑھا کے لے جا رہے تھے، نازی رحیم نے چونک کر اسے دیکھا اور عثمان کے قریب سے کسی اجنبی کی طرح گزر گئی، اس کے بہن اور بہنوئی کی فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی، ڈیپارچر لاؤنج میں بھگدڑ سی مچ گئی تھوڑی دیر بعد وہ واپس ایئر پورٹ سے نکلتی اسٹاپ تک آئی، عثمان اس کی طرف آیا۔

”مجھے معلوم ہے میں اگر تم سے کچھ کہنے کی گستاخی کروں گا، تو تم پلٹ جاؤ گی، تم نے مجھے بولنے کے لیے دوپٹ نہیں دیئے، اور دو زندگیاں برباد کر دیں اور دو جانیں لے لیں، تم میری صف میں کھڑی ہو، جس کے خواب کو تعبیر لی نہ جس کے جذبات کو قہر از۔“ حقارت سے کہتے ہوئے عثمان آگے بڑھ گیا، اس دل پر ہلکی سی ضرب لگی تھی، لیکن یہ بے سود تھا، اس نے تو خسارے کا سودا تب ہی کر لیا تھا جب دس سال پہلے محبت اس سے جدا ہوئی تھی۔

☆.....☆



”توبہ ہے، صنوبر! آپ کے چونچلے تو دیکھو، بڑھاپے میں بیاہ رچانے کے خواب دیکھ رہی ہیں، اب بھلا ان کی عمر ہے؟“۔ رعنا نے بڑے تاسف سے سامنے بیٹھے احد سے کہا۔

”ہاں مجھے تو خود حیرانی ہو رہی ہے کہ انھوں نے اس عمر میں یہ سب کیسے سوچا، کتنا چپ لگ رہا ہے نا، آپ نے فریال اور فواد کو بتایا کہ صنوبر آپنی کیا سوچ رہی ہیں؟“۔ احد نے رعنا سے پوچھا۔

”ہاں میرے بھائی! میری صبح دونوں سے بات ہوئی تھی“۔ فریال بھی بہت حیران تھی، صنوبر آپنی کے ارادے جان کر، بلکہ وہ بے چاری تو پریشان ہو گئی تھی کہہ رہی تھی صنوبر آپنی کے اس اقدام کی وجہ سے اسے اپنے سرال میں بہت شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور فواد بھی کہہ رہا تھا کہ آپنی کو خود ہی سوچنا چاہیے، اب اس عمر میں یہ حرکتیں کر سکی تو نہ صرف خود دنیا کی نظروں میں تماشائیں گی بلکہ دوسروں کو بھی نظریں اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گی“۔ رعنا نے بھائی اور بہن سے کی جانے والی گفتگو کو بڑھا چڑھا کر اپنے چھوٹے بھائی احد کو بتایا۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں وہ دونوں، اب آپ ہی سمجھ کر، کچھ ایسا کہ صنوبر آپنی اپنا فیصلہ بدل لیں“۔ احد نے رعنا سے کہا۔

”احد! ہم میں سے کوئی کچھ نہیں کر سکتا، کس طرح کچھ کہیں ان کو، ان کی نام نہاد قربانیوں کا احسان جو دھرا ہے ہمارے گاندھوں پر، نجانے کب کون سا احسان جتلا کر ہمارا منہ بند کر دیں“۔ رعنا نے تلخ لہجے میں کہا۔ دروازے میں کھڑی صنوبر کے سر پر تو گویا آسمان آگرا تھا، یہ اس کے بہن بھائی تھے جن کے لہجے میں اس کے لیے کتنی نفرت مگلی ہوئی تھی، اور وہ بار بار اس کی عمر کو نشاندہ

بنارہے تھے، اس کا فیصلہ انھیں شرمناک لگ رہا تھا، اس نے تو ہمیشہ اپنے بہن بھائیوں کو اپنی ذمہ داری سمجھا تھا اور اپنی ذمہ داری کو اپنا فرض سمجھ کر بہت اچھے سے پورا کیا تھا، وہ تو کبھی شکوہ بھی نہیں لائی تھی اپنی زبان پر، کبھی کوئی احسان نہیں جتلا یا تھا، اور آج یہ سب سن کر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا، ایک آنسو چپکے سے اس کی آنکھ سے نکل کر اس کے گال پر آ گیا تھا، اور وہ خاموشی سے واپس پلٹی تھی، اچانک سے اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا یہ شاید رعنا کے بیٹے کا کوئی ٹھکڑا تھا، رعنا اور احد نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا، وہ دونوں ہی دھڑکتے دل کے ساتھ سوچ رہے تھے کہ کہیں صنوبر آپنی نے ان کی گفتگو تو نہیں سن لی، اسی لیے رعنا نے فوراً صنوبر کو آواز دی۔

”ارے صنوبر آپنی! آپ کب آئیں، آج جلدی واپس آ گئیں کیا؟“۔ رعنا اپنی بات مکمل کر کے صنوبر کے چہرے سے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہاں گڑیا! آج تھوڑا سیر میں درد تھا، اس لیے جلدی واپس آ گئی“۔ صنوبر نے نارمل سے انداز میں رعنا کو جواب دیا اور پھر احد سے مخاطب ہوئی۔

”احد! تم تو آج معصومہ کو لینے جانے والے تھے ناں اپنے سرال، کیا ہوا گئے نہیں کیا تم؟“۔

”آپنی! وہ میں جانے ہی والا تھا کہ معصومہ کا فون آ گیا اس کی امی کی طبیعت تھوڑی خراب ہے، وہ ابھی دو تین دن اور رکے گی“۔

”اوہ.... کیا ہوا اس کی امی کو؟“۔

”وہ بس تھوڑا پی پی کا مسئلہ تھا، میں نے ان سے بات کی تھی، اب پہلے سے کچھ بہتر ہیں“۔

”چلو ٹھیک ہے، میں تھوڑی دیر آرام کرتی ہوں اور یہ لور رعنا! یہ غلی کے لیے چاکلیٹ لانی تھی

میں، پھر علی کو سوتے دیکھا تو سوچا جب اٹھے گا پھر دے دوں گی، اسی لیے واپس مڑ رہی تھی۔“ صنوبر نے پرس سے چاکلیٹ نکال کر رعنا کو تھمائی اور سوتے ہوئے علی کے گال کو پیار سے چھو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، صنوبر کے جاتے ہی احد اور رعنا نے اپنی سانسیں بحال کیں۔

”ہینکس گاڈ! آپ نے کچھ نہیں سنا۔“ رعنا نے مسکراتے ہوئے احد سے کہا۔
 ”ہاں اچھا ہوا، ورنہ میں تو ڈر گیا تھا۔“ احد نے بھی رعنا کی ہاں میں ہاں ملائی، اور دونوں کا قہقہہ فضا میں بلند ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

صنوبر کو پارلر سے آئے تقریباً ایک گھنٹہ ہو گیا تھا، وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی، اس کے کانوں میں ابھی تک احد اور رعنا کی آوازیں گونج رہی تھیں، اسے چند لمحوں میں آج یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ کسی کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اس کے جذبات کی کسی کو پرواہ نہیں تھی۔

”آئی! اس عمر میں یہ جو نچلے کرتی اچھی لگیں گی کیا؟“ اس کے کانوں میں ایک بار پھر رعنا کی آواز گونجی، اور صنوبر اٹھ کر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

”کیا میں سچ میں بوڑھی ہو گئی ہوں، میرا حق خوشیوں پر یہ ختم ہو گیا ہے؟“ وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوئی تھی، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں، اسے آئینے میں اپنا عکس بہت دھندلا دکھائی دے رہا تھا، اس نے بے دردی سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا۔

”ماں، بابا مجھے بھی بلا لیں اپنے پاس، یہاں کوئی نہیں ہے میرے آنسوؤں کو پونچھنے والا، کسی کو میری ضرورت نہیں ہے، اب تو میں نے آپ

کی سب ذمے داریاں بھی اچھے سے نبھادی ہیں، اب میں جینا نہیں چاہتی۔“ وہ آئینے کے سامنے کھڑی بڑبڑا رہی تھی، آج پہلی بار اسے زندگی بوجھ محسوس ہو رہی تھی، جب رشتے اجنبی بن جائیں، جب ہماری کسی کو ضرورت محسوس نہ ہو، تو شاید زندگی ایسے ہی بوجھ بنتی ہے، اس کے اپنے بہن بھائیوں کے رویوں نے اسے بری طرح دھکی کر دیا تھا، یہ وہی لوگ تھے وہ بہن بھائی جن کے لیے اس نے اپنی زندگی کے 20 سال قربان کیے تھے اور آج ان میں سالوں کا صلہ کیا ملا تھا؟

میں سالوں کی مسافت نے اسے کتنا تھکایا تھا، اسے کتنا رلایا تھا، وہ کب کب نہیں سوئی تھی، کس طرح اس نے یہ سفر طے کیا تھا، کسی نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی، اٹھارہ سالہ صنوبر کب 38 کی ہوئی اسے خود بھی پتہ نہیں چلا تھا، وہ تو بس دن رات زندگی کا سفر طے کرتی چلی جا رہی تھی، اسے اپنی بڑھتی ہوئی عمر کا تو کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا، وہ تو صرف جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے اپنے بہن بھائیوں کی فکر میں رہا کرتی تھی، وہ سوچوں میں مگن بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، اور ماضی کا سفر طے کر کے 20 سال پیچھے چلی آئی تھی، جہاں ایک خوشحال گھرانہ بسا کرتا تھا۔

18 سالہ صنوبر ان دنوں ایف اے کا ایگزام دینے کے بعد بیوٹیشن کا کورس کر رہی تھی، چودہ سالہ رعنا 8th کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی، اس سے چھوٹی فریال 6th میں تھی جبکہ احد 5th میں اور فواد 3rd کلاس میں تھا، یہ بھی بچے شیخ فرحان اور ان کی اہلیہ شائستہ کی آنکھوں کے تارے تھے، مگر صنوبر میں تو ان کی جان بسا کرتی تھی، شاید بڑی بیٹی ہونے کے ناتے صنوبر ان کی زیادہ لاڈلی تھی، رعنا اکثر مذاق میں ماں سے شکوہ کیا کرتی تھی۔

”اماں! آپ صنوبر آپنی کو ہم سے زیادہ پیار

کرتی ہیں۔“ رعنا کی بات سن کر شائستہ بیگم مسکرا دیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں۔

”اری بچی! مجھے تو تم سب ہی پیارے ہو، مگر یہ تم سے بڑی ہے ناں اور تم سے پہلے سرال چلی جائے گی، تو بس اسی لیے میں اسے زیادہ پیار کرتی ہوں تاکہ اسے شکوہ نہ رہے کہ ماں کا پیار اس کے حصے میں کم آیا اور سب سے پہلے ماں نے سرال بھیج دیا۔“ صنوبر کی رخصتی کی بات شائستہ کی آنکھیں نم کر دیا کرتی تھی اور وہ بھی سوچا کرتی تھی۔

”میں کیسے رہ پاؤں گی ماں بابا کے بنا، اپنے بہن بھائیوں سے دور، اپنے گھر سے دور۔“ صنوبر کا رشتہ اس کے بچپن سے ہی طے تھا، فرحان صاحب کے ایک بہت ہی عزیز دوست کے بیٹے سمیع کے ساتھ، اور شائستہ بیگم اب صنوبر کو گھر داری میں مکمل طاق کرنا چاہ رہی تھیں، اسی لیے صنوبر نے دو تین لوگوں کے شارٹ کورسز بھی کیے تھے اور اب وہ اپنا شوق پورا کر رہی تھی، اسے بیوٹیشن کا کورس کرنے کا بہت شوق تھا، اسی لیے شائستہ بیگم نے اسے پریشن دے دی تھی، صنوبر کے سرال والے بار بار اصرار کر رہے تھے کہ وہ صنوبر کو جلد سے جلد اپنے گھر اپنی بہو بنا کر لے جانا چاہتے ہیں، شائستہ بیگم کو بیٹی کی جدائی کا غم کھائے جا رہا تھا، ان کا بس چلتا تو وہ اپنی آنکھوں کی روشنی اپنے جگر کے ٹکڑے کو کبھی خود سے جدانہ کرتیں، مگر یہ تو زمانے کی ریت تھی، جسے انھیں بھی نبھانا تھا، اسی لیے انھوں نے اس کی شادی کی تاریخ طے کر دی، صنوبر نے خوب واویلا مچایا کہ مجھے ابھی اور پڑھنا ہے آپ کے ساتھ رہنا ہے مگر اس کے ماں بابا ایک ہی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔

”بیٹا! یہ فرض جتنا صحیح ٹائم پر ادا ہو جائے اتنا

ہی اچھا ہے، اور ہم تو خوش نصیب ہیں کہ ہماری بیٹی کو اتنا اچھا سرال مل رہا ہے، ورنہ کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں، جو اس غم میں ٹھکتے رہتے ہیں کہ کب ان کی بیٹیوں کو اچھے ریلیں اور وہ ان کا فرض ادا کریں، اور بیٹیاں تو ہوتی ہی جدائی کی اس ریت کو نبھانے کے لیے ہیں، ہماری خوشی کے لیے تم کو بھی یہ جدائی کا درد سہنا ہوگا۔“ اور پھر اپنے بابا کی بات سن کر وہ بھی خاموش ہو گئی کہ اس کی خوشی اس کے ماں بابا کے فیصلے اور خوشی میں ہی تھی، شائستہ بیگم نے بڑا دل لگا کر اس کے جہیز کے لیے سامان تیار کیا، ہر چیز کا انتخاب بہت بہترین کیا تھا، وہ اپنی لاڈلی کی شادی میں کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں، بہت خوبصورت زیورات بنوائے اور گوٹے کے باریک کام والا سرخ لہنگا بنوایا، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے لہنگے اور اتنے مہنگے زیورات دیکھ کر صنوبر حیران ہو گئی اور کہنے لگی۔

”اماں! کیا ضرورت تھی اتنا خرچہ کرنے کی؟“ اس کی بات سن کر شائستہ بیگم نے اسے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگیں۔
 ”میری چندا! اگر میرے دل سے پوچھتے تو مجھے تیرے لیے یہ بھی بہت کم لگتا ہے اور کیوں نہ کرتی میں اتنا خرچہ، آخر کو میری شہزادی کی شادی ہے، بس اب جلدی سے وہ دن آ جائے، جب میں تجھے یہ لہنگا پہنے دہن بنی دیکھوں۔“ ان کی آنکھوں میں اس کے لیے بہت سی حسرتیں تھیں بہت سے مان تھے جو وہ سب کے سب پورے کرنا چاہتی تھیں، مگر قدرت کو شاید یہ منظور نہیں تھا، شیخ فرحان اور شائستہ بیگم کچھ ضروری سامان لینے بازار گئے تھے اور ایک تیز رفتار ٹرک سے ان کا بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا، وہ دونوں چل بسے، لمحوں میں سب کچھ بدل گیا تھا، ان کی خوشیوں کو نبھانے کس کی نظر لگ گئی تھی، جس گھر سے بیٹی کی ڈولی

اٹھنی تھی وہاں سے جنازے اٹھے تھے، صنوبر کی حالت بہت بری تھی، یہ اچانک سے کیا ہو گیا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، رعنا، فریال، احد اور فواد بھی غم اور خوف سے بری طرح ہراساں تھے، سب کچھ کتنی جلدی بدل گیا تھا، ماں بابا کے گزرنے کے بعد وقت تو جیسے ختم سا گیا تھا، وہ سب بہن بھائی سہمے ہوئے پرندوں کی طرح ہو گئے تھے، آنے والے وقت کا خوف صنوبر کو بری طرح پریشان کر رہا تھا، وہ اماں، بابا کے بنا سب کس طرح سنبھالے گی یہ سوچ سوچ کر وہ نڈھال ہو رہی تھی، پھر زندگی کے اس بھیانک کھیل نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

اس کے ماں بابا کو گزرے ابھی صرف ایک ماہ ہوا تھا کہ اس کی ہونے والی ساس اور سسر نے اس سے کہا۔

”بیٹا! جانے والے تو چلے گئے، شاید قدرت نے یہ سب بہت پہلے سے طے کر رکھا تھا، مگر اب ہم چاہتے ہیں کہ تم کو سادگی سے بیاہ کر لے جائیں، بیٹا! ہم جانتے ہیں تمہارے لیے اتنی جلدی یہ سب آسان نہیں ہے، لیکن تمہیں اپنے آپ کو سمجھانا ہوگا، ہمارے گھر کو بھی تمہاری ضرورت ہے، تم اپنی زندگی میں آگے بڑھو۔“ اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا انھوں نے اسے یہ سب، ابھی تو وہ سنبھلی بھی نہیں تھی، پھر وہ کس طرح اپنا گھر بیاہ لیتی، اس کے بہن بھائیوں کا کون تھا اس کے سوا؟ پھر وہ کیسے خود غرض بن جانی، اس نے صاف انکار کر دیا، کہہ دیا انھیں۔

”ابھی شادی کرنا تو دور کی بات وہ اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی، مجھے ابھی اپنے بہن بھائیوں کو سنبھالنا ہے۔“ اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا، قریبی رشتہ داروں نے بھی اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی

مگر اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی، اور پھر اس کے سسرال والوں نے یہ رشتہ ختم کر دیا، اور سسج کی شادی کہیں اور کر دی، اسے کوئی غم نہیں تھا کہ وہ شخص کسی اور کا ہو گیا جسے اس نے بچپن سے اپنا سمجھا تھا، جس کے نبھانے کتنے ہی خواب دیکھے تھے، اسے تو بس فکر تھی تو اپنے بہن بھائیوں کی۔

نازک سی صنوبر اچانک سے بہت مضبوط ہو گئی، نبھانے کہاں سے آئی تھی اس میں اتنی ہمت کہ اس نے اپنے بکھرے ہوئے گھر کو پھر سے سنبھالنا شروع کر دیا۔ دھیرے دھیرے سب سنبھلنا شروع ہو گئے، سب کچھ اپنی روٹین پر آ گیا تھا، احد، فواد، رعنا اور فریال کی اسکول لائف پھر سے شروع ہو گئی، اس نے بیویشن کا کورس کمپلیٹ کرنے کے بعد گھر میں ہی بیوٹی پارلر بنالیا تھا، دھیرے دھیرے محلے اور آس پاس کے علاقے کی عورتیں اس کے پارلر آنے لگی تھیں، اس کے ہاتھ کی مہارت دیکھ کر لوگ ”دلہن بیوٹی پارلر“ کے گرویدہ ہو گئے۔ وہ اتنا کمانے لگی تھی کہ گھریلو اخراجات تھوڑی سی کفایت شعاری کے بعد پورے ہو جایا کرتے، پھر وقت بچکے لگا کر کیسے گزرا اسے خود پتا نہیں چلا تھا، رعنا اور فریال نے گریجویشن کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اور گھر داری سیکھ رہی تھیں، جبکہ احد میڈیکل کی اور فواد انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، صنوبر نے خود بھی بی اے کا پرائیویٹ انکزام دے کر بی۔ اے کلیئر کر لیا تھا، اور اپنا پارلر بھی کمرشل ایریا میں شفٹ کر لیا تھا، اس کے پارلر کا شمار شہر کے مشہور ترین پارلوں میں ہونے لگا تھا، دلہن بیوٹی پارلر ایک منفرد مقام حاصل کر چکا تھا، یہی وجہ تھی کہ بہت سے میگزین کی ماڈلز اس سے تیار ہوا کرتی تھیں، اور ہزاروں لڑکیوں کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ وہ جب دلہن بنیں تو دلہن بیوٹی پارلر کا انتخاب

کریں، وہ روز بہت سی دلہنوں کو تیار کیا کرتی تھی اور ہر بار دلہن کو تیار کرتے وقت اسے فریال اور رعنا کو دہن بنانے کا خیال بچپن کرنے لگتا، اس کے کانوں میں اماں، بابا کی آواز گونجنے لگتی، بیٹیوں کا فرض جتنا صحیح وقت پر ادا کیا جائے اتنا بہتر ہے اور وہ صدق دل سے اپنی بہنوں کی خوشیاں مانگنے لگتی، پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کی دعائیں رنگ لے آئیں، ایک رشتہ دار خاتون نے صنوبر کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے یہ کہہ کر اپنے لیے انکار کر دیا۔

”میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، ہاں البتہ میری بہن رعنا کو آپ چاہیں تو اپنی بہو بنا سکتی ہیں۔“ لڑکا خوب رو تھا اور میڈیکل آفیسر تھا، سو یہ رشتہ طے ہو گیا، اور چند ماہ کے بعد اس نے بڑی دھوم دھام سے رعنا کو رخصت کیا، اس کے لیے جو چیز شائستہ بیگم نے بنایا تھا، اس میں چند ضرورت کی مزید چیزیں شامل کر کے اس نے وہ سب رعنا کو دے دیا، یوں یہ ذمے داری بہت اچھے سے پوری کر کے وہ ایک ماں کی طرح خوش اور مطمئن تھی، ماں بابا کی یاد نے سب بہن بھائیوں کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔ رعنا بھی رخصتی کے موقع پر بہت روئی تھی، اور صنوبر نے اس وقت اپنے اماں بابا کی بات دوہرائی تھی۔

”یہ تو زمانے کی ریت ہے میری بہن اور تمہیں اس ریت کو نبھانا ہے اور مجھے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔“ رعنا اپنے سسرال میں خوشحال زندگی بسر کرنے لگی اور پھر چند ماہ بعد وہ فریال کے فرض سے بھی سبکدوش ہو گئی، یوں رعنا اور فریال کی ذمے داری پوری کرنے کے بعد اس کی پوری توجہ فواد اور احد کی طرف تھی، وقت بہت تیزی سے اڑاں بھر رہا تھا، دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں گزرنے لگے اور احد اور فواد نے اپنی تعلیم مکمل

کر لی۔ احد ڈاکٹر بن چکا تھا اور فواد ایک کامیاب انجینئر۔ اپنے بھائیوں کی کامیابی اور بہنوں کی ان کے سسرال میں خوشحالی زندگی دیکھ کر اس کی ساری جھکن دور ہو جایا کرتی تھی۔

پھر فواد کی شادی اس کی پسند سے روحینہ سے کر دی گئی اور احد کے لیے رعنا نے اپنے سسرالی عزیزوں میں معصومہ کو پسند کر لیا، یوں احد کی شادی معصومہ سے ہو گئی، وہ بہت خوش اور مطمئن تھی کہ آخرت میں وہ اپنے ماں بابا کے سامنے سرخرو ہو سکے گی، پھر فواد شادی کے کچھ عرصے بعد دینی سیٹل ہو گیا، وہ اور روحینہ دینی سے فون کر کے اکثر اس کی خیریت دریافت کرتے رہتے تھے، مگر کبھی واپس آنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا، اور وہ بھی انھیں کہہ نہیں پاتی تھی کہ واپس آ جاؤ، میں تمہارے بنا بہت اکیلا محسوس کرتی ہوں، اور اب احد اور معصومہ بھی ملک سے باہر جا کر سیٹل ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے، احد کے جانے کا فیصلہ سن کر وہ بہت حیران اور پریشان ہو گئی تھی، سب اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے تھے، تنہائی کے خوف سے وہ اکثر گھبرا کر پوری پوری رات سو نہیں پاتی تھی، اسے یہ خیال بری طرح پریشان کیا کرتا تھا کہ وہ کس طرح تنہا زندگی گزارے گی، احد کے جانے کے بعد تو وہ بالکل اکیلی ہو جائے گی، بظاہر تو سب بہن بھائی اس پر اپنی تحشیش لٹایا کرتے تھے، مگر شاید دل سے کسی کو بھی اس کی فکر نہیں تھی کسی کو اس سے محبت نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

کچھ دن پہلے سسج کی والدہ اس کے گھر آئی تھیں، بہت کمزور اور بوڑھی ہو گئی تھیں وہ، اور اسے سینے سے لگا کر بہت دیر تک رونی رہیں اور گزرے دنوں کی باتیں کرتی رہیں۔

سسج کے والد اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے،

انہوں نے اسے بتایا کہ سب سے پہلی شادی کی چند ماہ بعد ہی سب سے طلاق لے لی تھی، پھر سب سے باہر چلا گیا تھا سب کے بہت مجبور کرنے کے باوجود سب نے دوبارہ شادی نہیں کی، اور کچھ عرصہ پہلے مجھے پتا چلا کہ تم نے بھی اب تک شادی نہیں کی، تو بیٹا! میں آج اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں، میں ایک بار پھر تمہارے سامنے اپنے بیٹے کی خوشیوں کے لیے جھولی پھیلائی ہوں، میرے سب سے کی دہن بن جاؤ، وہ تمہیں آج بھی بھلا نہیں پایا، تمہاری صورت آج بھی اس کے دل میں ہے، اسی نے مجھے یہاں بھیجا ہے، وہ کہتا ہے اگر صنوبر اس کا ہاتھ تھام لے تو وہ شادی کے لیے تیار ہے۔ سب سے والدہ کی بات سن کر اس کی آنکھیں پھٹنے لگی تھیں، سب سے کا نام سن کر آج پھر اس کا دل دھڑکا تھا، اس نے تو اپنے بارے میں سوچتا ہی چھوڑ دیا تھا، ہزاروں دہنوں کو سجایا تھا اس نے مگر خود دہن بننے کا خواب تو اس نے بہت گہری نیند سلا دیا تھا، اور اب چپکے سے اس کے دل نے خواہش کی تھی۔

”اب تو ہاں کر دو، اب تو تم نے اپنے سارے فرض پورے کر دیے، اب تو مجھے میرے حصے کی خوشیاں حاصل کرنے دو۔ شاید اسی لیے اس نے سب سے کی والدہ کو انکار نہیں کیا تھا بلکہ تھوڑے سے انتظار کے بعد جواب دینے کا کہا تھا، اور وہ خوشی خوشی اپنے گھر چلی گئی تھیں، صنوبر کے لہجے کی جگہ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ اس بار وہ انکار نہیں کرے گی۔

☆.....☆

کی خواہش کے بارے میں بتادیا۔

”میں نے انہیں انکار نہیں کیا اور جلد ہی جواب دینے کا کہا ہے۔“ یہ کہہ کر صنوبر کی نہیں تھی، اسے یقین تھا رعنا یہ سب جان کر بہت خوش ہوگی، اور سب معاملات خود طے کر لے گی، مگر جب وہ پارلر سے واپس لوٹی تو ادا اور رعنا کی گفتگو نے اس کا سارا بھرم چکنا چور کر دیا تھا، وہ نہ جانے کتنے گھنٹوں سے بے آواز رہی تھی۔

”صنوبر آئی! اندھیرا کیوں کیا ہوا ہے، مغرب کی اذان ہونے والی ہے، آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا وہ پھر کو۔“ رعنا نے یہ کہتے ہوئے کمرے کی لائٹ آن کر دی، اور اس نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کر لیے تھے مگر آنکھوں میں نمی ابھی بھی باقی تھی۔

”کیا ہوا آپ رورہی ہیں کیا؟“ رعنا نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں وہ سر میں درد ہے، میں نے تمہیں بتایا تو تھا، بس اسی لیے آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔“ صنوبر نے مصنوعی مسکراہٹ کیوں پر سجا کر اپنے دکھ کو چھپانے کی کوشش کی۔

”اوہ... اچھا۔“ یہ کہہ کر رعنا مطمئن ہو گئی۔

”وہ آئی! ابھی کچھ دیر پہلے نذیراں ماسی (کام والی) آئی تھی، اس کی بیٹی ریشمی کی شادی ہے ناں اگلے ہفتے، تو وہ بتا رہی تھی کہ آپ نے ریشمی کی شادی کا سوٹ دلوانے کا وعدہ کیا تھا اس سے۔“

”ہاں میں نے اس کو کہا ہوا ہے، تم نے کیا کہا اسے؟“ صنوبر نے رعنا سے پوچھا۔

”وہ میں نے کل آنے کا کہہ دیا، مجھے لگا کہ آپ سو رہی ہیں، بس اسی لیے کل آنے کا کہہ دیا۔“

”چلو ٹھیک ہے، وہ جب کل آئے گی تو اسے

دے دینا ریشمی کی شادی کا سوٹ، میں دیتی ہوں تمہیں نکال کر، اور ہاں اسے یہ پیسے بھی دے دینا۔“ صنوبر نے پرس سے ہزار ہزار کے چند نوٹ نکال کر رعنا کو تھمائے اور خود اپنی الماری کی طرف بڑھ گئی، چند منٹ بعد وہ رعنا کی طرف واپس پلٹی تو اس کے ہاتھ میں موجود سرخ لہنگا دیکھ کر رعنا چونک گئی۔

”آہ... کتنا خوبصورت ہے یہ لہنگا آئی! یہ تو وہی لہنگا ہے ناں جو اماں نے آپ کی شادی کے لیے بنوایا تھا، آپ نے ابھی تک سنبھال کر رکھا ہوا ہے؟“ رعنا نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں گڑیا! یہ وہی لہنگا ہے، یہ لہنگا کیا میں نے تو بہت کچھ سنبھال کر رکھا ہے، اماں، بابا کی یادیں، تم لوگوں کا بچپن، اور اپنے سارے دکھ۔“ صنوبر کی آنکھیں پھٹنے کو بے تاب تھیں۔

”آئی! یہ لہنگا آج بھی بالکل ویسا ہی ہے ناں۔“ رعنا نے کہا تو صنوبر نے لہنگے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ہاں یہ لہنگا ہی تو ہے جو آج بھی ویسا ہی ہے، ورنہ باقی تو سب کچھ بدل گیا۔“

”آئی! آپ ریشمی کو کیوں دے رہی ہیں اتنا خوبصورت لہنگا؟“ رعنا نے لہنگے کو لپٹاتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

”ارے لپٹی! اچھا ہے ناں شادی کا جوڑا دہن پہنے گی، اور میرے پاس رکھا رکھا کیا کرے گا یہ لہنگا، مجھے کون سا شادی کرنی ہے اب اس عمر میں دہن بنتی ہوئی میں اچھی تھوڑی لگوں گی، اب تو بس مجھے تم لوگوں کے بچوں کی شادیاں دیکھنی ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ زبردستی مسکراتی تھی، جبکہ اس کا دل بری طرح بین کر رہا تھا، صنوبر کی بات سن کر رعنا مطمئن ہو کر باہر نکل گئی تھی، کیونکہ اس کو یہ خبر سب کو سنائی تھی کہ صنوبر آئی شادی نہیں کر رہیں،

اور صنوبر آئی کے اکاؤنٹ میں موجود لاکھوں کی رقم پر اب بھی ان سب کا ہی حق ہوگا، رعنا اور فریال کو ہر ماہ کی طرح ایک معقول رقم بنانا ملے گی، ان کے سسرال پہنچتی رہے گی، اور فواد اور احد کے اکاؤنٹ میں بھی وقتاً فوقتاً ایک بھاری رقم اب بھی صنوبر آئی ڈی لوائی رہیں گی۔ رعنا مسکراتے ہوئے احد کے کمرے میں داخل ہو گئی ان سب کی دلی خواہش پوری ہو گئی تھی، ان کے لیے یہ کافی تھا صنوبر کی خواہش کی یہاں کے فکر تھی؟

رعنا کے جانے کے بعد صنوبر ایک بار پھر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”میں بوڑھی ہو گئی ہوں اس عمر میں یہ سب اچھا نہیں لگتا، اس عمر میں بھلا میں دہن بن کر کیا کروں گی؟“ اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھایا تھا، جبکہ آئینہ سامنے کھڑی صنوبر کی بات کی نفی کر رہا تھا، پچھلے وہ 38 سال کی تھی مگر آج بھی جوان اور حسین تھی، اس کی جھیل سی آنکھیں آج بھی خواب دیکھنے کے لیے چل رہی تھیں، اس کے گلاب کی پنکھڑی جیسے ہونٹ آج بھی مسکرانے کی خواہش میں تھے، اس کی گھٹنوں کو چھوٹی سیاہ ریشمی زلفوں میں ابھی چاندی نہیں اتری تھی، اس کی سنہری رنگت آج بھی دھوپ کی طرح کھل رہی تھی، اس کا نازک سر اپنا آج بھی اتنا ہی دلکش تھا، مگر اس نے سب کچھ نظر انداز کر کے اپنے دل کی آواز کو ان سنی کر کے یہی سمجھا تھا۔

”اس عمر میں یہ سب اچھا نہیں لگتا، اس عمر میں بھلا کون دہن بنتا ہے؟“ اس کی خوشیاں جب اس کے اپنوں کو ہی عزیز نہیں تھیں تو وہ بھلا کیا کرتی، اس نے ایک بار پھر خود غرض رشتوں کے لیے قربانی دی تھی اور اس کی قربانی اتنی عظیم تھی، اس کی بہنوں اور بھائیوں کو شاید احساس ہی نہیں تھا۔

☆.....☆

سلسلے وار ناول

ہر عشق میں عشق کی روشنی ہوتی ہے

تکیے میں چہرہ چھپائے وہ ضبط کے سارے بند توڑ گئی تھی، پیٹہ نہیں روٹے روتے کتنا وقت گزر گیا تھا، جب کسی چیز کے گرنے کی آواز نے اس کو ہلا دیا تھا، وہ اٹھ بیٹھی تھی، اپنے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے



ایک بار پھر اسے کچھ ٹوٹنے کی آواز سنائی دی تھی، بندے سے اتر کر وہ تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی تھی، باہر عثمان نظر نہیں آیا تھا مگر کچن سے ابھرتی آوازیں وہاں اس کی موجودگی کا پتہ دے رہی تھیں، چند لمحوں تک وہ خوفزدہ نظروں سے کچن میں آتے بھونچال کی آوازیں سنتی رہی تھی، اس کے بعد بے شکل اپنے پیروں کو پھینکتی کچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔

سانس روکے وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو ایک ایک چیز اٹھا کر دیوار پر اور فرش پر مار رہا تھا، ہر طرف کانچ کے ٹوٹے برتن بکھرے تھے، پیلا کے پیر زمین میں بکڑ گئے تھے، عثمان شدید جنونی انداز میں اب کرسی اٹھا کر کاؤنٹر پر مارتا اسے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”بس کرو خدا کے لیے یہ مت کرو“۔ زار و قطار روتے ہوئے پیلانے اسے روکنا چاہا تھا۔
”یہ گھر تمہارا نہیں ہے، یہاں کی کسی چیز سے تمہارا تعلق نہیں ہے، تمہیں کوئی حق نہیں ہے مجھے روکنے کا، میں اس گھر کو تباہ کر دوں گا اور تمہاری آنکھوں کے سامنے خود کو بھی“۔ شدید طیش میں دھاڑتے ہوئے اس نے



کری فرخ پر دے ماری تھی، پیچھے ہٹتے ہوئے بیلا کے حلق سے چیخ بلند ہوئی تھی، بری طرح کانپتے ہوئے بیلا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا دوسری جانب وہ ڈانگ ٹیل بلٹے کے بعد جانے کہاں سے لوہے کی راڈ نکال چکا تھا، شدید دہشت میں مبتلا وہ کھٹی کھٹی چیخوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی واپس کمرے میں آئی تھی، اس کے ہاتھ میں سیل فون بھی اس شدت سے لرز رہا تھا کہ اسے سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ عارش کی آواز سننے ہی اس کی سسکیاں بلند ہو گئیں۔

”اسے کچھ ہو گیا ہے، وہ سب کچھ تباہ کرنے پر تلا ہے۔“ عارش کی بات نے بغیر وہ بس چیخ رہی تھی، اس کا وجود ہی نہیں اس کی آواز بھی زلزلوں کی زد میں تھی، تب ہی بند دروازے پر ہلکتی دھماکے دار ضرب نے اسے ایسا دھلایا کہ سیل فون ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا، کانوں پر ہاتھ رکھے وہ اپنی چیخیں روکتی دیوار سے جا گئی تھی، دروازے سے ٹکرانی بھاری ضربیں یقیناً اسے توڑنے والی تھیں، خوف کی شدت سے لرزتا اس کا وجود اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکا تھا، گھٹنوں سے چہرہ اٹھا کر اس نے دروازے کی سمت دیکھا تھا جہاں یکدم خاموشی چھا گئی تھی، تب ہی وہ پھر لڑاؤ میں تھی باہر سے چھٹا کے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی، وہ ہچکچوں سے رو رہی تھی، اس گھر کی ایک ایک چیز سے اسے محبت تھی، ہر روز وہ ان چیزوں کو بجانے سنوارنے کے لیے مستعد رہتی تھی اور کتنی بے دردی سے ایک ایک چیز کے پرچے اڑائے جا رہے تھے، اپنی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کرتی وہ بمشکل کھڑکی کی جانب بڑھنے کی جرأت کر سکتی تھی کیونکہ وہ بے حد خوفزدہ تھی، باہر موجود شخص کا یہ سنگین رد عمل اس کی توقع کے خلاف تھا، گھر کا حشر لگاؤ تباہ وہ بھی کسی طرح نارمل نہیں لگ رہا تھا، وہ کمرے میں اس لیے بند ہو گئی تھی تاکہ اس طرح ہی عثمان کا طیش کچھ کم ہو جائے، مگر یہ چیز تو اور اسے قابو سے باہر کر رہی تھی، یہ سچ بیلا کے لیے شدید اذیت کا باعث بن رہا تھا کہ اس وقت وہ اس شخص سے خوفزدہ ہے جو اس کی محبتوں کا مرکز ہے، جس کے ہاتھوں سے مرنے کے لیے وہ بھی انکار بھی نہیں کر سکتی تھی، اسی شخص کو دیکھنے کی وہ جرأت بھی خود میں نہیں پاری تھی، اس کا اشتعال بیلا کو اس کی نظروں سے چھپے رہنے پر اور خوفزدہ ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

کھڑکی سے وہ وہ قدرتی فاصلے پر تھی جب کھڑکی کا گلاس ایک چھٹا کے سے ٹوٹا تھا حلق کے بل چیخیں وہ بند دروازے سے جا ٹکرانی تھی، اگر کھڑکی کے پردے درمیان میں پھیلے نہ ہوتے تو یقیناً کالج کی بوچھاڑ اس کے لرزے کا نپتہ وجود پر آخری کیل ثابت ہوئی۔

وارڈروب کے ساتھ دیوار میں سکڑی جانی وہ دہشت زدہ نظروں سے کھڑکی کے اڑتے شیشوں کی بارش دیکھ رہی تھی، اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی سانس کسی بھی پل ہمیشہ کے لیے رک جائے گی، منہ پر سختی سے ہاتھ رکھے وہ اپنی چیخیں روکتی کھڑکی کے راستے اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ رہی تھی، یہ عثمان نہیں تھا، وہ ایکس پھیلاتا یہ شخص اس کے لیے ابھی تھا، عثمان بھی اسے اس طرح ہراساں اور خوفزدہ نہیں کر سکتا، اگر یہ عثمان تھا تو اس کا یہ روپ انتہائی اذیت ناک تھا۔ شعلہ بار نظروں سے وہ اسے دیکھتا رہا تھا جو کھٹی کھٹی سسکیوں کے ساتھ گھڑی بنی دیوار میں سائی جا رہی تھی، اس کی برتی خوفزدہ آنکھیں اس لوہے کی سلاخ پر جمی تھیں جو اس وقت بھی عثمان کے ہاتھ میں دبی تھی، چہرے پر سنگلاخ چٹانوں جیسی کرکٹ کے ساتھ وہ اس کے قریب نہیں آیا تھا، بلکہ پلٹ کر ڈریسنگ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، اگلے ہی پل اس کے پے در پے وار آئینے سے ٹکرانے لگے تھے، اور وہ جو سانس روکے بالکل ساکت تھی کال بیل کی گونج پر بجلی کی سی تیزی سے دروازے کا لاک کھولتی اندھا دھند باہر بھاگ گئی تھی۔

وہ دونوں ہی اس کی حالت دیکھ کر ڈنگ ہو گئے تھے جوان دونوں کو اندر بلانے کے بجائے ان دونوں کے درمیان سے نکل بھاگنا چاہتی تھی، عارش نے سرعت سے اسے روکا تھا۔

”میں واپس اندر نہیں جاؤں گی، میں مر جاؤں گی مگر!“ بری طرح کانپتی چیخیں وہ اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی جبکہ خرمن تیزی سے عثمان کی تلاش میں اندر گئی تھی، ایک نگاہ اس نے بچن کے بکڑے حشر پڑا دی تھی، مزید آگے بڑھتے ہوئے اس نے گھر کا جائزہ لیا تھا، جہاں کوئی چیز بھی سلامت نظر نہیں آ رہی تھی، T.V ٹرائی سمیت زمین بوس تھا، P.C کے پرچے بکھرے ہوئے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے اس گھر کو کسی نے اٹھا کر پلٹ دیا ہو، بکھرے کالج سے بچتے ہوئے اس نے بیلا کے کمرے کی سمت قدم بڑھا تے تھے مگر یکدم ہی اس کے قدم رکے تھے، چوٹ کھلے دروازے سے باہر آتے شخص کو وہ ایک پل کے لیے تو پہچان ہی نہیں سکتی تھی، اس کے بکھرے بال، دھکتے چہرے اور سرخ آنکھوں نے خرمن کو ساکت کر دیا تھا۔

”کیا ہے یہ سب کیا حشر کر دیا ہے تم نے اپنے گھر کا، تم حواسوں میں ہو؟“ اس کی جانب بڑھتے ہوئے عارش حق دق تھا۔

”یہ گھر نہیں، نہ میرا نہ کسی اور کا، یہاں کی کوئی چیز نہ اہمیت رکھتی ہے نہ وقعت۔ اس لیے میں نے ہر چیز جس نہیں کر ڈالی۔“ بھجنے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی سنگتی نظریں بیلا تک گئی تھیں جو بچن کی دہلیز کے پاس دیوار سے لگی اب تک سسک رہی تھی۔

”اسے بھی جس نہیں کر ڈالتے، سب کچھ تو تباہ کر ہی دیا ہے تم نے، اسے کیوں چھوڑا؟“ بیلا کی سمت اشارہ کرتے ہوئے عارش نے غصیلے لہجے میں کہا تھا اور پھر آگے بڑھ کر اپنی سلاخ اس کے ہاتھ سے چھین چھین گئی تھی۔

”خرمن! گھر کو لاک کر کے بیلا کو ساتھ لے کر نیچے آؤ، میں انتظار کر رہا ہوں۔“ ساکت کھڑی خرمن کو عارش نے ہدایت دی تھی اور پھر عثمان کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”چلو میرے ساتھ۔“ حکم آمیز لہجے میں بولتے ہوئے عثمان کی مرضی جانے بغیر وہ اس کا بازو گرفت میں جکڑے گیٹ کی سمت بڑھتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بیڈروم کے دروازے پر اس نے ہلکی سی دستک دی تھی، چند لمحوں بعد اسے خرمن کا چہرہ نظر آ گیا تھا، احتیاط سے دروازہ بند کرتی وہ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ عارش کے پیچھے ہی بچن کی طرف گئی تھی۔

”مجھے پتہ ہے کہ اس وقت میری طرح تمہارا سر بھی درد سے پھٹ رہا ہوگا، اس لیے میں نے چائے بنائی ہے، اب پتہ نہیں کیسی بنی ہے۔“ لہجے کو لپکا پھلکا رکھتے ہوئے ہی وہ اس سے مخاطب ہوا تھا اور اپنا گم ہوا اس کے سامنے ہی ٹیل کے گرد بیٹھ گیا تھا، خرمن کے تنے چہرے اور سوجی آنکھوں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ بیلا کے ساتھ مل کر خوب گریہ و زاری ہوئی ہے۔

”بیلا ٹھیک ہے؟“ عارش کے سوال پر اس نے اپنی بو جھل پلکیں اٹھائی تھیں۔

”ہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں نے اسے زبردستی سلاپا ہے۔“ وہ تھکے تھکے لہجے میں بتا رہی تھی۔

”عثمان نے کچھ کہا تم سے؟“ خرمن کے سوال پر اس نے بس گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”حد کر دی ہے اس نے پاگل پن کی، کوئی اس طرح بھی اپنا نقصان کرتا ہے؟ اپنے ہی گھر کو جاڑتا ہے؟“

میں سانپ پوشیدہ ہے۔
 ”اب کیا دیکھوں، مجھے جو دیکھنا تھا میں دیکھ چکا ہوں۔“ مسکراتی نظروں سے عارش نے اس کی پیشانی پر
 دیکھتے حسین ہتھیار کو دل میں اتارنا تھا۔
 ”عارش!“ عیسیٰ نظروں سے اسے دیکھتی وہ جھلائی تھی جو سرعت سے اس کے ادھ کھلے بالوں میں اٹکا
 کچر نکال کر قبضے میں لیے پگن سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح وقفے وقفے سے ہوتی ہلکی بارش کا سلسلہ رک چکا تھا، آسمان دھل کر صاف ہوا تو ماحول خود بخود نکھر سا
 گیا تھا، وسیع رقبے پر محیط گرین ایریا میں چہل پہل معمول سے زیادہ تھی، خوبصورت شام کے رنگ سمیٹنے کے
 لیے سب ہی گھروں سے نکل آئے تھے، ٹریک پر دوڑتے، چلتے انسانوں کو دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بالکل
 خالی تھا، اس کے دل و دماغ میں رات کو برپا ہونے والا ہیجان آہستہ آہستہ ختم ہو چکا تھا، بھرپور نیند اور
 کٹھار س نے اس وقت اس کو مکمل طور پر اس موسم کی طرح شانت اور ہلکا پھلکا کر دیا تھا، خرمن کی پکار پر وہ
 چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”بارش کا کوئی بھر و سر نہیں ہے، لہذا چائے کے لیے تمہیں اندر آنا پڑے گا۔“ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ
 خرمن نے اس کے بے حد سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا جو باؤنڈری سے ہاتھ ہٹاتا اس کی جانب ہی آ رہا تھا۔
 لاؤنج میں آتے ہوئے بس ایک نگاہ اس نے بیلا پر ڈالی تھی جو عارش کی طرف متوجہ اس کی کوئی بات سن
 رہی تھی، عثمان کو پتہ تھا کہ وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھے گی، خاموشی سے صوفے پر بیٹھتا وہ T.V اسکرین کی
 طرف ہی متوجہ رہا تھا۔

”عثمان! دوپہر میں تم کھانا کھانے کے لیے بھی نیند سے نہیں جاگے تھے، کچھ نہیں تو یہ سینڈویچ ہی لے لو،
 تمہارے فیوریٹ ہیں۔“ اسے صرف چائے پر اکتفا کرتے دیکھ کر خرمن نے اصرار کیا تھا۔

”نہیں، صرف چائے کافی ہے اور کچھ نہیں۔“ وہ انکار کر گیا تھا۔

”خرمن! تمہیں مان سے جو بات کرنی تھی، ابھی کرلو۔“ عارش کے اچانک کہنے پر عثمان نے سوالیہ نظروں
 سے خرمن کو بھی دیکھا تھا۔

”عثمان! میں اور عارش اس بات پر متفق ہیں کہ تم دونوں اب دوبارہ اس فلیٹ میں نہیں جاؤ گے۔“ خرمن
 نے قطعی لہجے میں بات شروع کی تھی۔

”یہاں گراؤنڈ فلور پر ایک اپارٹمنٹ خالی ہے، اور تم اسے افورڈ کر لو گے، یہاں شفٹ ہونے کی ایک
 اچھی وجہ یہ ہے کہ تم دونوں ہمارے قریب رہو گے، تمہارا زیادہ وقت باہر گزرتا ہے لہذا یہاں آنے کے بعد بیلا
 کو تمہارا وقت نہیں گزرا تا پڑے گا، کیونکہ میں بیلا کے قریب رہوں گی، دوسری اچھی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیلا
 اپنا ذاتی پارلر شروع کر سکتی ہے، اسے اپنے ہنر کو استعمال کرنا چاہیے، یہ مصروفیت اس کے لیے ضروری بھی ہے
 اور یہ تم اپنی طرح سمجھ سکتے ہو۔ بہت سنجیدہ سمجھانے والے انداز میں خرمن نے بات مکمل کی تھی جبکہ عثمان نے
 ایک اپنی نگاہ بیلا پر ڈالی تھی جو سر جھکائے خاموش بیٹھی سب سن رہی تھی۔

”بس اس سے پوچھ لو کہ اسے کسی گھر کی ضرورت ہے بھی یا نہیں؟“ عثمان کے لہجے میں تقنی درآئی تھی۔
 ”جو تیز چکا ہے، اسے بار بار دوہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے اذیت کے، بہتر یہی ہے کہ جو غلط

بیلا کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے بھی سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اس بے چاری کو
 ذہنی مریض بنانے میں، تم نے دیکھا تھا کہ وہ کس طرح کانپ رہی تھی خوف سے، ابھی تک وہ اس خوف سے
 باہر نہیں نکلی ہے، برف کی طرح سختی پڑ چکی ہے، غصے میں اگر کہیں وہ بیلا کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا تو کیا
 کر لیتے میں اور تم؟“ وہ شدید اضطراب میں مبتلا ہوئی تھی۔
 ”ایسا کیسے ہو سکتا تھا، بیلا کی باتوں نے اسے غصے میں ضرور مبتلا کیا تھا، مگر اس نے بیلا کو ہاتھ تک نہیں لگایا
 ہے، وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے مگر بیلا کو نہیں۔“

”جو نقصان اس کے دل و دماغ کو وہ پہنچا چکا ہے اس کے بعد کس نقصان کی کس باتی رہ جاتی ہے؟“ خرمن
 نے ناگواری سے اس کی بات کاٹی تھی۔

”بیلا کو نہیں اسے سائیکا ٹرسٹ کی ضرورت ہے، میں تو صاف کہہ دوں گی اسے۔“ وہ مزید بولی تھی۔
 ”وہ دونوں اپنی اپنی فرسٹریشن ایک دوسرے پر نکال چکے ہیں، اب تم مان کے سامنے ایسی کوئی بات مت
 کرنا جو اسے پھر غصے سے اکھاڑ دے، مجھے اس سے جو کہنا تھا میں کہہ چکا ہوں اور اس کے ہوش بھی ٹھکانے لگ
 گئے ہیں، جو ہوا ہے اسے بس ختم کرو، بھول کر بھی اس بارے میں کوئی بات اب ان دونوں کے سامنے نہ ہی کرنا
 تو بہتر ہے، ان دونوں کو کسی سائیکا ٹرسٹ سے زیادہ ایک دوسرے کی ضرورت ہے، وہ دونوں ہی ایک دوسرے
 کو سنبھال سکتے ہیں، ان کو بس یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے۔“ عارش کے سمجھانے والے انداز پر اس نے
 سر جھٹکا تھا۔

”جہنم میں غرق ہو ایسی محبت جو اچھے بھلے انسان کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے، پتہ نہیں کیوں یہ محبت کے
 کیڑے انسان کے دماغ میں کھلاتے ہیں۔“ اس کے ناگوار لہجے پر عارش نے چونک کر بغور اس کے سفید
 دوپٹے میں قید چہرے کو دیکھا تھا۔

”جس جذبے سے انسان بے بہرہ ہو، ناواقف ہو، اس جذبے کے خلاف اتنے وثوق سے کوئی بھی
 اسٹینڈ دینا اسے زیب نہیں دیتا۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سر دلچھے میں بولا تھا۔
 ”مجھے واقفیت حاصل بھی نہیں کرنی، کیونکہ میرے دماغ میں خلل نہیں ہے۔“ وہ بگڑ کر بولی تھی۔
 ”سن کر اچھا لگا۔“ عارش کے سپاٹ لہجے پر اس نے کھولتی نظروں سے اسے دیکھا تھا، مگر وہ اپنی چائے کی
 طرف متوجہ رہا تھا۔

”سنو! براہ مہربانی سے کہو کہ آئی کی بات کرو انیس عثمان سے، انکل سے چھپ کر یہی سہی مگر وہ اتنا تو کر
 ہی سکتی ہیں، عثمان کو کچھ تو ڈھارس ملے گی۔“ روکھے لہجے میں وہ عارش سے مخاطب ہوئی تھی۔
 ”ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا، صبح اٹھ کر میں پہلا کام یہی کروں گا مگر مان کو اس بات کی خبر نہ ہو۔“ عارش
 نے تاکید کی لہجے میں کہا تھا، جواباً اثبات میں سر ہلاتی وہ مگ سے سب لینے لگی تھی۔

”چائے کیسی لگی تمہیں؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔
 ”زہرا! وہ سخت سے بولی تھی، مگر اگلے ہی پل اس نے عارش کو چومنے دیکھا تھا۔

”تمہارے سر پر کوئی چیز ہے فوراً ہٹاؤ۔“ عارش کے دہلا دینے والے انداز پر وہ ہڑا کر اٹھی پورا دوپٹہ
 ہی کھینچ کر پرے کھینچتی عارش کی طرف آئی تھی جو اس کی بدحواسی پر خود بھی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔
 ”کیا چیز ہے، آگے جا کر دیکھو۔“ عارش سے کہتی وہ فرش پر پڑے دوپٹے کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اس

ہوا ہے اسے سدھارو۔ عارش نے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

”بیلا کو میں واپس اس فلیٹ میں نہیں بھیجوں گا ہم کل ہی جا کر وہاں کے معاملات منشاؤ اور گراؤنڈ فلور میں شفٹ ہونے کی تیاری کرو، اس دوران تم صرف ریڈیو جاؤ گے یہاں سیٹل ہونے کے بعد ہی انشی ٹیوٹ آنا۔“ عارش کے فیصلہ کن لہجے پر وہ خاموش ہی رہا تھا، تب ہی خرمن چونک کر اٹھی تھی، سیل فون پر کال آئی تھی جو کہ میڈروم میں تھا، خوشگوار حیرت کے ساتھ اس نے برہان کی کال ریسیو کی تھی۔

”خرمن! یہ دونوں کہاں ہیں؟ مانی کال ریسیو کر رہا ہے نہ بیلا۔“ چندرسی کلمات کے بعد برہان نے پوچھا، ایک پل کے لیے وہ کڑبڑا سی گئی مگر پھر فوراً بات سنبھالی تھی۔

”وہ دونوں رات سے یہیں ہیں، بیلا تو سیل فون گھر بھول آئی ہے عثمان کا مجھے نہیں پتہ، خیریت تو ہے سب؟“

”سب خیریت ہی ہے، تم جلدی سے مانی سے بات کرو، اسی اس سے بات کرنا چاہتی ہیں۔“ برہان کا مکمل جملہ نے بغیر ہی وہ خوشی سے چیختی دروازے کی سمت گئی تھی مگر اس کے باہر نکلنے سے پہلے ہی برق رفتاری سے عثمان اندر آنا شدید بے تابی سے سیل فون اس سے لے چکا تھا، عارش کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوئی بیلا نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا تھا جو سیل فون پر بات کر رہا تھا مگر اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا تھا اس نے بھی عثمان کی آنکھوں سے آنسو بہتے نہیں دیکھے تھے مگر آج دیکھ رہی تھی، اس کے آنسوؤں کی دھندلائی اس کی اپنی آنکھوں میں بھی پھیل چکی تھی، دھندلائی آنکھوں سے اس نے خرمن کو دیکھا تھا جو مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا رہی تھی جبکہ ارد گرد سے غافل عثمان کو دیکھتے ہوئے عارش نے سکھ کی سانس لی تھی، اسے یقین تھا کہ اپنی ماں سے بات کر کے ان کی رضا اور سپورٹ حاصل کر کے عثمان کا حوصلہ بڑھے گا، یہ ایک اہم پیش رفت تھی ان بگڑتے حالات کو سنبھالنے میں۔

☆.....☆.....☆

”فیشیول پورے ویک چلے گا، آج ہی وہاں جانا ضروری ہے؟ بارش تیز ہوتی جا رہی ہے، راستے مزید خراب ہو جائیں گے، ابھی بھی وقت ہے سوچ لو، میں تمہیں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ عارش نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی جو مان کر نہیں دے رہی تھی۔

”میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ وہاں میری فرینڈز میرا انتظار کر رہی ہیں، بارش ہو رہی ہے تو بھی کیا ہوا، میں اسے انجوائے کروں گی، ویسے بھی دوپہر سے شام تک تمہارے انشی ٹیوٹ میں رہ کر دماغ خشک ہو چکا ہے میرا، صرف ایک گھنٹہ کی تو بات ہے، بھائی آ جائیں گے مجھے پک کر لے۔“

”تم نے تمہیر کر لیا ہے کہ ڈھٹائی نہیں چھوڑو گی۔“ عارش نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”ہاں بالکل، مجھے جلدی پہنچا دو، پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔“ غلت میں بولتے ہوئے اس نے رسٹ وائٹ دیکھی تھی، سڑک کے دوسری جانب ٹریفک بالکل ہی جام لگ رہا تھا، یوٹرن لے کر ہال کے سامنے پہنچنے تک بہت وقت لگ جاتا جبکہ عارش کو واپس انشی ٹیوٹ جانا تھا، وہ تو ویسے ہی بہانہ ڈھونڈ رہا تھا اسے گھر تک پہنچانے کا۔

”عارش! میں یہیں اتر جاتی ہوں، مجھے بس سڑک ہی تو کراس کرنی ہے۔“ عارش کی کوئی بات نے بغیر غلت میں بیک کندھے پر اور دوپٹہ سر پر ڈالتی فرنٹ سیٹ سے اتر گئی تھی، ہال کا مین گیٹ بالکل سامنے تھا۔

عارش اس کے وہاں تک پہنچ جانے کا اطمینان کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا، بارش سے بچتی وہ گاڑیوں کے درمیان سے گزرتی اب ہال کی سیڑھیاں طے کر رہی تھی، اس کی طرف سے نظر ہٹاتے ہٹاتے عارش چونک کر دوبارہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ہال کے گیٹ سے باہر نکلا تھا اور مکمل طور پر میزہ کی طرف متوجہ تھا جو اس کے سامنے رک گئی تھی، درمیان میں فاصلہ تھا مگر بارش ایسی دھواں دھار نہیں تھی کہ عارش اس شخص کو پہچان نہیں پاتا، وہ دونوں اب ایک دوسرے سے باتوں میں مگن ہال کے اندر جا رہے تھے، دور سے ہی اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان اجنبیت نہیں ہے اور یہ بھی کہ وہ شخص میزہ کے انتظار میں یا اس کے استقبال کے لیے ہی وہاں موجود تھا، گاڑی اشارت کرتے ہوئے عارش وسط حیرت میں ہی تھا، یہ ٹھیک تھا کہ انشی ٹیوٹ میں میزہ اور ہارون کا آنا سامنا ہوا تھا، مگر اس نے خاص طور پر میزہ کا تعارف ہارون اور ایک سے نہیں کروایا تھا، کیونکہ نہ اس کی ضرورت تھی نہ عارش کو یہ مناسب لگتا، خرمن سے زیادہ وہ میزہ کے لیے کنزرویٹیو ہو جایا کرتا تھا، یونیورسٹی میں میزہ کا ڈیپارٹ الگ تھا مگر اس کے گروپ کے تمام لڑکے، لڑکیوں سے وہ واقف تھا، اپنے گروپ کے علاوہ اگر وہ کسی لڑکے سے محو گفتگو نظر آ جاتی تو عارش کو اس کی وجوہات بتانی پڑتی تھیں، ان سوال جواب کو لے کر ہی میزہ اور اس کے درمیان کئی بار چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو چکی تھیں، ان جھڑپوں کو مزید نیک مرچ لگانے کے لیے عثمان بھی موجود رہتا تھا، تنگ آ کر وہ بے چاری اپنے گروپ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، اگر ایسا نہ کرتی تو یقیناً عارش اس کی شکایتیں لے کر اس کے باپ اور بھائی تک پہنچ جاتا۔ لہذا یونیورسٹی کا دوران وہ اس نے بہت محتاط ہو کر عارش اور عثمان کے زیر سایہ گزارا تھا، اگر آج اس نے اپنی فرینڈز کا بہانہ بنا کر عارش سے جھوٹ بولا تھا تو اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ سچ کو وہ ناپسند کرے گا اس پر ناراض ہوگا، ڈرائیو کے دوران وہ اسی بارے میں سوچ رہا تھا، ہوسکتا تھا کہ ہارون کی موجودگی وہاں ایک اتفاق ہو مگر اپنی آنکھوں سے سب دیکھنے کے بعد اسے یہ بات بھی ہضم نہیں ہو رہی تھی، بہر حال اسے کچھ عجیب نہیں لگا تھا کہ میزہ خود مختار ہے، میچور ہے، مگر ہارون اور میزہ نے اسے حیرت میں ضرور ڈال دیا تھا، فی الحال وہ سوچ رہا تھا کہ خاموش رہ کر میزہ کے بولنے کا انتظار کرے گا، اسے یقین تھا کہ میزہ اپنے دل کی بات سب سے پہلے اسے ہی بتائے گی۔

☆.....☆.....☆

”میں انشی ٹیوٹ میں بارش کے تھمنے کا انتظار کرتی رہی تھی، اسی وجہ سے کچھ دیر ہو گئی۔“ بارش کی بوندیں چہرے سے ہٹائی وہ بولی تھی۔

”آپ کو کچھ دیر ہوئی مگر میں کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا، پھر مجھے لگا کہ آپ بارش کی وجہ سے نہیں آئیں گی اس لیے میں بھی واپس جانے کے ارادے سے گیٹ تک گیا مگر آپ بروقت آ گئیں۔“ سنجیدہ نظروں سے وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو بارش میں دھل کر مزید نکھر گیا تھا، رائل بلیو کالر کے کچھ بھیکے لبادے سے لٹھی سمور کن بھیننی مہک ہارون کو اپنی سانسوں میں رچتی بستی محسوس ہوئی تھی۔

”آپ نے یہ کون سی کتاب لی ہے؟“ شانوں پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے میزہ نے اس کے ہاتھ میں موجود کتاب کو دیکھا تھا۔

”یہ کتاب میں نے آپ کے لیے لی ہے، آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔“ ہارون کے پر یقین لہجے پر اس نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا تھا اور کتاب لے لی تھی، ایک نظر اس نے شاعری کے بھاری بھر کم

دیوان کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
 ”میں نے کہا تھا ناں آپ بہت خوش ہوں گی۔“ مسکراتی نظروں سے ہارون نے اس کے چہرے پر ہنسی
 شرمندگی اور ہنسی کی سرفی کو دیکھا تھا۔
 ”میں اس قیمتی تحفے کے قابل نہیں ہوں، خدا کے لیے اسے واپس لے لیجئے۔“ میزہ نے دیوان واپس
 اسے دینا چاہا تھا۔

”آپ ہی تو اس کے قابل ہیں۔“ ہارون کے فوراً ہی کہنے پر وہ مزید ہنسی تھی۔
 ”آئیے اب جس کام کے لیے یہاں موجود ہیں اسے شروع کرتے ہیں۔“ ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے
 اس نے ہارون سے کہا تھا جو اثبات میں سر ملاتا اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا، بہت سنجیدگی سے کتابوں پر
 تبادلہ خیال کرتے وہ دونوں کتابیں لینے میں ایک دوسرے سے مشورے بھی لیتے رہے تھے، وقت اتنی تیزی
 سے گزرا کہ پتہ ہی نہیں چلا تھا، میزہ نے سوچا تھا کہ جس طرح ہارون نے اسے کتاب دی ہے تو اسے بھی
 لازمی ایک کتاب دینی چاہیے، ایک اسٹائل پر ہارون کو مصروف چھوڑ کر وہ دوسرے اسٹائل کی سمت بڑھ گئی تھی،
 وہاں اسے ہارون کے لیے ایک کتاب پسند آئی تھی۔

”زندگی گزارنے کے رہنما اصول۔“ کتاب کے سرورق پر چمکتے حروف کو دیکھتا وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔
 ”یہ میری طرف سے آپ کے لیے ہے۔“ میزہ نے کہا تھا۔
 ”آپ کا بہت شکریہ، مجھے اس کتاب کی اشد ضرورت تھی مگر میرے فادر میرے پاس یہ نایاب کتاب دیکھ
 کر شاید کڈ رہ جائیں گے۔“ ہارون کے سنجیدہ لہجے مگر مسکراتی نظروں پر وہ دھیرے سے ہنسی لگی۔
 ”وہ بھی مطالعے کا شوق رکھتے ہیں؟“ میزہ نے پوچھا تھا۔

”بہت زیادہ، ان کے پاس کتابوں کا زبردست کلیکشن ہے، میں نے زیادہ تر کتابیں ان کے ذوق کو مد نظر
 رکھ کر لی ہیں، وہ بہت خوش ہوں گے یہ کتابیں دیکھ کر، ویسے آپ کی مدد سے ہی میں اتنی اچھی کتابیں لے سکا
 ہوں۔“

”میں نے نہیں آپ نے میری زیادہ مدد کی ہے اس سلسلے میں، آج ہم یہاں ایک دوسرے کی مدد کرنے
 کے لیے ہی تو آئے تھے۔“ میزہ کے کہنے پر ہارون نے اسے دیکھا تھا۔
 ”شاید آپ یہ کہہ سکتی ہیں۔“

”شاید کیوں یقیناً آپ اور میں ایک ہی مقصد کو لے کر یہاں آئے تھے۔“ میزہ کے حیران لہجے پر وہ اس
 کے چہرے سے نگاہ ہٹاتا دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا، اس سے پہلے کہ ہارون کے سنجیدہ تاثرات پر وہ انجنتی
 اس کے سیل فون پر کال آگئی تھی۔

”مجھے اب جانا ہوگا، آپ کے ساتھ یہاں اچھا وقت گزرا، اور کتابیں بھی اچھی مل گئیں۔“
 ”ان ریکی جملوں کی ضرورت تو نہیں تھی۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا وہ اسے شرمندہ کر گیا تھا۔
 ”میں چاہتا ہوں کہ آپ نے جو کتاب مجھے دی ہے اس میں آپ کا آؤگراف موجود ہو سو پلیز!“ ہارون

نے کتاب کے ساتھ فوراً ہی پین بھی اس کی سمت بڑھایا تھا جبکہ اس کے اس مطالبے پر حیران ہوئی وہ کچھ بول
 بھی نہیں سکی تھی۔

"Wish you all the best in the world."

”میں نے کبھی آؤگراف نہیں دیا، بس یہ ایک کوشش ہے۔“ اپنے سائن کرتے ہوئے وہ جھپٹنے انداز میں
 بولی تھی اور کتاب ہارون کے حوالے کر دی تھی۔
 ”بھینس آپ کی دس میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔“ ہارون نے اس کے جھپٹنے تاثرات کو بغور
 دیکھا تھا۔
 ”مجھے آؤگراف نہیں لینا چاہیے گی؟“

”نہیں، میں آؤگراف نہیں لیتی۔“ میزہ کے غیر متوقع جواب نے اسے دنگ کیا تھا۔
 ”مجھے دیر ہو رہی ہے، بھائی انتظار کر رہے ہوں گے، خدا حافظ!“ عجلت میں کہتی وہ رکی نہیں تھی، ہارون
 اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا جو لوگوں کے درمیان سے گزرتی نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی، آج دوسری
 ملاقات کے اختتام تک بھی اس نے ہارون سے اس کا نام تک نہیں پوچھا تھا اگر وہ آؤگراف اس سے نہ لیتا تو
 خود بھی اس کے نام سے انجان رہتا، ہارون کو وہ بہت الگ سی لگی تھی، وہ نہیں جانتا تھا کہ اب آگے دوبارہ کب
 وہ اس سے ملے گا، مگر اسے یقین تھا کہ آئندہ بھی وہ اسے کسی بند کتاب کی طرح ہی ملے گی اس کے باوجود وہ
 پھر اس سے ملنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

عروسہ سے ان کو کوئی بات کرنی تھی، ان کی تلاش میں وہ پچن تک آئے تھے مگر فاران کی آواز سن کر چوتھے
 وہ باہر ہی رک گئے تھے۔
 ”آپ اور ان ماموں نے وہ فلیٹ چھوڑ دیا ہے، یہ بہت اچھا ہوا، خرمن آپ کی قریب رہ کر آپ کی تنہائی
 دور ہو جائے گی۔“

”مجھے یہ سب مت بتاؤ، کون سی زبان سمجھتے ہو تم، میرے منع کرنے کے باوجود فاروق کی تنبیہ کے باوجود تم
 اپنی من مانی کر رہے ہو۔“ عروسہ کی عصیلی آواز سنائی دی تھی۔
 ”میں ان دونوں کے بارے میں اسی لیے آپ کو باخبر رکھتا ہوں کہ مجھے پتہ ہے آپ ان دونوں کے
 بارے میں ہی سوچتی رہتی ہیں، آپ کچھ کہتی نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو ان دونوں کی فکر نہیں
 ہے۔“

”خاموش ہو جاؤ تم، فاروق کو اگر معلوم ہو گیا کہ ان کے منع کرنے کے باوجود تم ان دونوں سے مل رہے ہو
 تو جانے ہو کیا ہوگا، انھوں نے اپنی بات پر عمل کر کے تمہیں بھی گھر سے نکال دیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی، میں
 اب مزید کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔“ عروسہ کا لہجہ کمزور اور آواز زرنی ہوئی تھی۔

”آپ میری جدائی برداشت نہیں کر سکتیں مگر اپنے بھائی سے ہر تعلق توڑنا کتنی آسانی سے منظور کر لیا تھا،
 آپ نے اور پاپا نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ بھائی، بہن اور اولاد میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ فاران کا لہجہ
 نکتہ تھا۔

”دن رات اپنی ماں کو زندہ لاش بنا دیکھتے ہو، اپنے باپ کو ساری دنیا سے کٹا دیکھتے ہو پھر بھی کچھ کے
 لگانے سے باز نہیں آتے۔“ عروسہ رو پڑی تھیں۔

”فاروق نے جو کیا ٹھیک کیا، ان کی عزت اور وقار کی سلامتی کے لیے مجھے ساری دنیا سے بھی منہ موڑنا پڑا
 تو میں ایسا ہی کروں گی۔“

”مجھے معلوم ہے آپ اپنے شوہر کی کتنی فرمانبردار ہیں، وہ اگر رات کو دن کہیں گے تو بھی آپ ان خلاف نہیں بولیں گی، میں پایا کے خلاف نہیں ہوں نہ ہی ان کو غلط کہہ رہا ہوں، مگر آپ دونوں بھی اس بات سمجھیں کہ میں آپ اور ماموں سے لاتعلقی نہیں رہ سکتا، میں پایا کو کوئی پہنچانا چاہتا، مگر میں آپ اور ماموں کے بغیر بھی نہیں رہ سکتا، آپ فکر نہ کریں، پایا کی صورت مجھے خود سے الگ نہیں کر سکتے، آپ کی طرح وہ مجھے اس گھر سے بے دخل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ان کی بہن تھیں، جن سے ہمیشہ وہ لاتعلقی رہے مگر میں ان کی اور ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں“۔ فاران کے یہ آخری جملے فاروق کے لیے نیڑوں سے کم نہیں سنائے میں گھر سے وہ واپس پلٹ آئے تھے، کہ مزید کچھ سننے کی تاب نہ تھی، بیٹے کے یہ جملے ان کے دل گھونٹوں کی طرح لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

درد سے پھٹے سر کو اس نے تکیے پر بٹھا تھا مگر کسی طرح بھی سر کے پچھلے حصے میں ہوتے دھماکے کم نہیں ہوئے تھے، نیند سے آنکھیں جل رہی تھیں مگر درد کی شدت اسے سو نہ بھی نہیں دے رہی تھی، بے تحاشہ بھانپتے ہوئے سر کو سنبھالتا ہلا خروہ اٹھ بیٹھا تھا، وال کلاک میں اس نے وقت دیکھا، 2 بج چکے تھے مگر خرمین کی واہی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

آج صبح سے ہی اس کا سر اور طبیعت بوجھل ہو رہی تھی، عثمان کو انسٹیٹیوٹ سے فری کرنے کے بعد اسے اسے روز آفس سے سیدھا انسٹیٹیوٹ جانا پڑا تھا، رات 10 بجے گھر واپس آتے ہوئے اسے معلوم تھا کہ خرمین کو آج ریڈیو جانا ہے، اس کے شو کی ٹائمنگ 10 سے 12 بجے تک تھی، راتے میں ہی اسے خرمین نے ان کے خوب غصے کا اظہار کیا تھا، کیونکہ اس کی وجہ سے ہی اس کا شو آج لیٹ ہو جانا تھا، اس کے غصے برداشت عارش کو کرنا ہی تھا، لہذا امین گیٹ سے ہی خرمین کو لے کر وہ ریڈیو ایشن روانہ ہو گیا، سارا راستہ وہ اس پر گرم ہوتی مشتعل ہوتی رہی تھی، عارش بمشکل ہی ضبط کرتے ہوئے خاموش رہا تھا، ورنہ وہ اسے بتانا چاہتا تو کہ اگر اس کی مصروفیات سے واقف ہونے کے باوجود وہ اسے غیر ذمے دار کہہ رہی ہے، تو خود وہ کتنی ہی طرح اپنی ذمے داریوں کو پورا کر رہی ہے؟ اسے تو بس یہ یاد تھا کہ بیلا اور عثمان کی مدد کرنی ہے، شغفنگ سلسلے میں، گزرے دنوں میں وہ صبح سے رات تک بیلا کی طرف ہی مصروف تھی، اسے اپنے گھر کا ہوش تھا کہ عارش کی پرواہ۔ آج صبح بھی عارش کے کچھ نہ کہنے کے باوجود وہ اس کی طبیعت کی ناسازی کو محسوس کر چکی تھی مگر اس نے تو شاید قسم کھا رکھی تھی کہ کسی صورت عارش کو کال نہیں کرنی ہے، اس کی طبیعت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھی نہیں، حالانکہ اسی بات کو لے کر ان کے درمیان جھڑپ ہوئے بہت زیادہ دن گزرے تھے۔

اسے ریڈیو ایشن ڈراپ کرنے کے بعد واپس آتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ بیلا سے چائے بنا کر درد کی ٹیلیٹ لے گا مگر پھر اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا، کیونکہ اس وقت عثمان ریڈیو پر ہی تھا، اب ایسے ہی اس کے گھر جانا اسے معیوب لگا تھا، مگر پہنچ کر وہ لاؤنج میں ہی بے سدھ ہو کر صوفے پر بیٹھ رہا تھا، سوچا نہیں سکتا تھا کہ دو گھنٹے بعد خرمین کو لینے واپس ریڈیو جانا ہے، حالانکہ اب ڈرائیو کرنے کی اس میں سکت تھی، بیلا نے کال کر کے اس سے کھانے کا پوچھا تھا، مگر اس نے سلیقے سے انکار کر دیا تھا، اس کی جھجک کو اس کیسے محسوس کر کے بیلا نے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے کھانا اوپر ہی لے آئی ہے، عارش کو اسے یقین دلانا پڑا تھا

وہ واقعی بھوک محسوس نہیں کر رہا۔ اسے شدید غصہ آیا تھا یہ جان کر کہ وہ بیلا کو یہ ہدایت دے کر گئی ہے، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی ذمہ داری بیلا کی نہیں تھی، اگر بیلا اور عثمان قریب آگئے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا خرمین کی توجہ بھی تقسیم ہونا وہ برداشت کر لے گا۔

اسی بجلی کی طبیعت کے باوجود وہ ٹھیک 12 بجے خرمین کو یک کرنے پہنچ گیا تھا، آج وہ خرمین کا شو نہیں سن سکا تھا، مگر اسے یقین تھا کہ یہ شو بھی بہت زبردست گیا ہوگا، گھر کی طرف واپس آتے ہوئے تمام راستہ خاموشی سے گزرا تھا، خرمین کا موڈ اس کا چہرہ دیکھتے ہی دوبارہ خراب ہو گیا تھا، اس کے تیوروں سے اندازہ ہو چکا تھا، وہ خاموش تھی، یہی بہتر تھا کیونکہ اس وقت وہ اس کی آواز سننا بھی نہیں چاہتا تھا۔

پارکنگ سے نکلے ہی وہ سیدھا بیلا کے گھر کی طرف بڑھ گئی تھی، اسے اب عثمان کی واپسی کے بعد ہی واپس آنا تھا، لہذا عارش خاموشی سے لفٹ کی جانب بڑھ گیا تھا، مگر اس کا دماغ غصے میں کھول رہا تھا، خرمین کو یہ تک پوچھنے کی زحمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کھانا کھا چکا ہے یا نہیں؟ کبھی کبھی عارش کو لگتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا رویہ اختیار کرتی ہے تاکہ عارش اس سے بدظن ہو، اس سے بھڑک کر اسے یا اس کے خلاف ہو جائے، اگر واقعی وہ ایسا چاہتی تھی تو عارش کے لیے یہ غیر متوقع بات نہ ہوتی، مگر احقانہ ضرور ہوتی، کچن میں وہ ٹیبل کے گرد موجود پانی کے گھونٹ لے رہا تھا، جب اسے گیٹ کھلنے کی آواز سنائی دی تھی، خرمین کے علاوہ کون ہو سکتا تھا، اس کے پاس گھر کی چابی موجود تھی، بس ایک نگاہ عارش نے اسے دیکھا تھا، جو تیز قدموں کے ساتھ اس کے سامنے آ کر کھڑی تھی۔

”امی سے تم نے میرے بارے میں کیا کیا بکواس کی ہے؟“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ تیز لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

”میں نے ان سے کوئی بکواس نہیں کی ہے۔“

”تم نے کی ہے۔“ وہ درمیان میں چبھی تھی۔

”تم نے ان کو بتایا کہ میں کتنی غیر ذمے دار ہوں، تمہارا خیال نہیں رکھتی، تم بستر مرگ پر پڑے ہو اور میں پرواہ تک نہیں کرتی۔“

”خرمین!! اپنی آواز ہلکی رکھو، پہلے ہی میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے، تم جانتی ہو کہ میں تمہارے خلاف مای یا ماموں جان سے کچھ نہیں کہہ سکتا، مای میری آواز سے میری طبیعت کو محسوس کر گئی تھیں، انھوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تم بیلا کی طرف ہو۔“ خرمین کی آواز اس کے سر پر ہونٹوں کی طرح برسی تھی، جو وہ غصہ ضبط نہیں کر سکا تھا۔

”مجھے صفائیاں مت دو، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کتنے معصوم ہو، تم کچھ کہتے ہو نہ کرتے ہو، بس آگ بھڑکا کر اپنے ہاتھ سینکتے ہو، معصومیت کے پردوں میں رہ کر تم پہلے میرے گھر پر، پھر میرے ماں باپ پر مسلط ہو گئے، مگر اس کے بعد بھی سکون نہ ملا تو مجھ پر تسلط جا کر اب تم مجھے میرے ہی ماں باپ کی نظروں میں ذلیل کر رہے ہو، میں نے تم سے کب کہا تھا کہ مجھے اپنے گلے کا طوق بناؤ؟“ میری طرف سے تم ابھی جا کر ڈھونڈ لو کوئی ایسا جو تمہارے معیار پر کھری اترے، جو صبح شام تمہاری دلداریاں کرنی رہے، تمہارے قدموں میں بیٹھی رہے، مگر مجھ سے اس غلامی کی توقع رکھنے سے پہلے آئینہ دیکھو، وہ تمہیں بتائے گا کہ خرمین کو تمہاری نہیں، تمہیں خرمین کی ضرورت تھی۔“ حلق کے بل اس کے پرچنے آوازی وہ ہر خند نظروں سے اسے دیکھتی کچن سے نکل گئی

تھی، دوسری جانب عارش کو اپنی رگوں میں خون کی جگہ آگ گردش کرتی محسوس ہو رہی تھی، اس کا ضبط حاصل سے گزرنے لگا تھا، اس نے چاہا تھا کہ پانی پی کر غصے پر قابو پائے مگر اسے خود پینے نہیں تھا کہ اس نے کب کب فرش پر دے مارا اور کب جارحانہ قدموں کے ساتھ چکن سے نکل آیا تھا۔

جائے نماز بچھاتے وہ رک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو ایک جھکے سے دروازہ کھولتا اندر آیا تھا، اس کے دیکھتے چہرے اور سرخ انگارہ آنکھوں سے بے نیاز ہوئی وہ جاننا پراگمائی تھی۔

”تمہیں لگتا ہے تمہاری نماز قبول ہوگی؟“ عارش کا لہجہ مشتعل تھا۔

”آواز بند کرو اپنی“ - خرمن کا لہجہ کرخت تھا۔

”میں اپنی آواز بند نہیں کروں گا، میں بھی تمہارا غلام نہیں ہوں کہ تمہاری اجازت لے کر بھونکوں گا۔“ عارش کی آواز بلند تھی جبکہ خرمن ایک گہری سانس لیتی اسے بالکل نظر انداز کیے نماز کی نیت باندھ چکی تھی۔

”جس کی صبح شام عبادت کرتی ہو، اس کے فرمان تک تمہیں یاد نہیں، عقین کی طرح سجدے سے ٹھونکنے سے فرصت مل جائے تو دیکھنا، تمہاری اپنی زبان تمہاری عبادتیں کھا رہی ہے۔“ بھڑکتے لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھا جواب رکوع میں جا رہی تھی، اپنی جلتی نظریں اس کے پرسکون چہرے سے ہٹا تا وہ پلٹ کر کمرے سے دروازے دھماکے دار آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتا گیا تھا۔

رات کے گہرے سکوت میں وال کلاک کی ٹک ٹک بھی اس کے سر میں بھاری ضرب کی طرح لگ رہی تھی، فلور کشن کے درمیان سر کو دباتا وہ حقیقتاً درد سے تڑپ رہا تھا، جس کے پاس اس درد کا مداوا تھا، وہ سنگدلی کی انتہاؤں پر پہنچ کر اسے بے قیمت کر چکی تھی، لاؤنج کی نیم تاریکی میں اب درد کی اذیت سے اس کی مدھم مدھم کراہیں پھیلنے لگی تھیں، یہ ناقابل برداشت تکلیف اس کی آنکھوں میں گرم سیال اتارنے لگی تھی، دفعتاً اسے اپنے شانے پر ایک ہاتھ کس محسوس ہوا تھا، یہ وہ نہیں تھا، اس کا یقین ہونے پر بھی اس نے کشن سے نہیں ہٹایا تھا بلکہ اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک کر الگ کر دیا تھا، چند لمحوں کے توقف کے بعد خرمن نے دوبارہ اس کے شانے کو تھاما تھا اور اس کی کمزور مزاحمت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے نہ صرف اس کا رخ ٹھیک کیا تھا بلکہ کشن اس کے چہرے سے الگ کر کے اس کے سر کے نیچے رکھ دیا تھا، اس نے چاہا تھا کہ اس کے ہاتھ کو ہٹا کر جھٹک دے، اسے خود سے دور کر دے مگر چاہتے ہوئے بھی وہ ایسا نہیں کر سکا تھا، ٹھیک ہی تو کہا تھا اس نے، تو ہر لمحہ ہر پل اس کی ضرورت دل میں رکھتا تھا، اس وقت بھی وہ اس کی ضرورت کے سامنے انا کے جھنڈے کو بلند نہ رکھ سکا تھا، بند آنکھوں کے ساتھ وہ اپنی جلتی پیشانی پر گداز کس کو محسوس کر رہا تھا، بالوں میں سرسراہٹ ریشمی انگلیاں کسی مقناطیس کی طرح اس شدت کے درد کو چھتی جا رہی تھیں، اس کے لمبوس کی جھینگی بھی خوش سے وہ اپنے دل و دماغ کو معطر ہوتا محسوس کر رہا تھا، آہستہ آہستہ درد کی جگہ ایک عجیب سے غماز نے لپی شروہ کر دی تھی، گنپٹوں کی پھر گتی رگیں پرسکون ہونے لگی تھیں، آخری احساس بس یہ تھا کہ وہ ہوا کے دھارے دھیرے دھیرے کسی اونچائی سے نیچے کی جانب سفر کر رہا ہے، گہری نیند کا سفر۔

نیند سے بوجھل پلوں کو بھٹکے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اس کا سر دبا رہی تھی، تاکہ اس کی نیند میں خلل آئے، اس کے گھٹنوں پر سر رکھے وہ کافی دیر سے ارد گرد سے غافل تھا، اس کی گہری نیند کا یقین ہونے کے بعد خرمن نے اس کا سر اپنی گود سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اس دوران اگر عارش کی نیند ٹوٹ جاتی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ مزید ایک گھنٹہ جاگ کر اس کا سر دبانا پڑتا، فاطمہ نے اس کی عادتیں بگاڑ رکھی تھیں، وہ سر کا

سادر کیا ہلکا سا بخار بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، جب تک سر درد ٹھیک نہیں ہوتا تھا فاطمہ کو اس کے سر ہانے بیٹھے رہ کر سر دبانا پڑتا تھا، وہ خود بھی ان کو بیٹھے نہیں دیتا تھا، بلکہ ان کا دامن پکڑے رکھتا تھا کہ کہیں وہ غنودگی میں چلا جائے اور فاطمہ اس کے سر سے ہاتھ ہٹا کر کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو جائیں، اس وقت بھی اس نے عادت کے مطابق خرمن کا دامن نیند میں بھی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا، ہاتھ بڑھا کر اس نے فلور کشن کو کچھ قریب کیا اور احتیاط سے پیروں کو ذرا سیدھا کرتے ہوئے کشن پر سر رکھ دیا تھا، عارش مستقل اس کے گھٹنوں پر چہرہ ٹکائے گہری نیند میں تھا، بروقتی خشکی سے کسی حد تک بچنے کے لیے اس نے دوپٹہ اچھی طرح خود پر پھیلا لیا تھا، حالانکہ اس پوزیشن میں سونا مشکل تھا مگر اس وقت نیند کے غلبے نے اسے ہر چیز سے غافل کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

گہری نیند سے اچانک ہی اس کی آنکھیں کھلی تھیں، چند لمحوں تک وہ غنودگی میں پلکیں جھپک رہا تھا مگر نیند ٹوٹنے کی وجہ نہیں جان سکا تھا، پر کیف سا خمیر آنکھوں میں اترا ہوا تھا، سر اور وجود بہت ہلکا چھلکا اور پرسکون محسوس ہو رہا تھا، پلکیں دوبارہ آپس میں جڑنے لگی تھیں، تب ہی اس کے سر کے نیچے کچھ حرکت ہوئی تھی، جوشکل آنکھیں کھول کر اس نے ذرا سراسر اٹھایا تھا اور اگلے ہی پل چونک گیا تھا، گھٹنوں پر سے اس کے سر کا وزن ہٹنے ہی وہ اپنے پیر پر پیر رہ گئی گہری نیند میں ہی تھی، اپنے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ لاؤنج میں ہی کارپٹ پر دروازہ ہو گیا تھا اور یہ کہ وہ درد کی کس اذیت میں مبتلا تھا، مگر اس وقت کی درد اور اذیت کا نام و نشان تک نہ تھا، اسے یاد آیا تھا کہ وہ خرمن کی گود میں سر رکھے ہی سویا تھا، اٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ چند لمحوں تک اس کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتا رہا تھا، مدھم مدھم سنہری سنہری روشنی میں اس کی بند پلوں کے سائے عارضوں پر پھیلے تھے، اس کے مصمم اور پاکیزہ نقوش کو پلک جھپکے بغیر دیکھتے ہوئے اس پل عارش کے دل میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی، آنکھوں میں چاہتوں کے سمندر لیے وہ اس کے قریب ہوا تھا اور دھیرے سے اس کی گردن پر دھکتے دوڑھیا نشان کو چھوا تھا، جو اسے سحر میں جکڑتا اپنی سمت کھینچ رہا تھا، کوئی برقی لہری تھی اس لمس میں کہ وہ پلکیں سی جبر جبری لے کر نیند سے بیدار ہوئی تھی، نیم وا آنکھوں سے وہ اس کی چاہت سے لبریز نگاہوں میں دیکھتی رہی تھی جو اس کی پیشانی پر بکھری لٹیں پوروں سے سیٹھ رہا تھا۔

”تم کبھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں، تمہاری بیزاری، تمہارا اشتعال میرے دل میں بسی تمہاری محبت کو مزید بڑھاتا ہے، تم کبھی میرے دل سے اس محبت کو کم نہیں کر سکتیں، مجھے ہر بار قتل کر کے بھی نہیں“ اس کی مدھم سو گوشیوں نے خرمن کی سانسیں روکی تھیں۔

”یہ جاننے ہوئے بھی، کیوں آزمائی ہو مجھے؟ کیوں زندگی تنگ کرتی ہو مجھ پر؟ زندہ رہنے کے لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے، اس کی سزا کب تک دوگی مجھے؟“ اس کے مدھم گمبیر لہجے میں ایک عجیب سادہ پنہاں تھا، اگلے ہی پل ہی وہ تھکے تھکے انداز میں اپنی پیشانی دھیرے سے اس کے خاموش نرم ہونٹوں سے لگا چکا تھا، اس کی پیشانی اپنے لمبوں پر محسوس کرتے ہوئے خرمن کو پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ کب اس کا ہاتھ دھیرے سے عارش کے مضبوط شانے سے گزرتا اس کی گردن میں جمائل ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دروازہ کھلتی وہ ایک نگاہ بھی اس پر ڈالے بغیر واپس پلٹ گئی تھی، دروازہ بند کرتا وہ بوجھل قدموں کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھتے ہوئے متلاشی نگاہوں سے اسے ڈھونڈتا رہا تھا، جو پتہ نہیں کس کونے میں جا

چھپی تھی، صوفے پر تھکے تھکے انداز میں بیٹھے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر لاؤنچ میں دوڑائی تھی اور صوفے کی پشت سے سرٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں، گھر مکمل طور پر سٹیٹ ہو گیا تھا، ندامت بھی یا کچھ اور کہہ سکتا تھا اس نے بہت مستعدی سے کیا تھا، یہ گھر بڑا تھا، ہر لحاظ سے اس دو کمروں کے فلیٹ سے بہتر تھا، ایک نازیل سے چھوٹے علاقے کو چھوڑ کر پوش علاقے کے اس خوبصورت اپارٹمنٹ میں منتقل ہونا اس کے لیے باعث مسرت ہو سکتا تھا، اگر اسے بیلا کے چہرے پر خوشی کی ہلکی سی رنق بھی دکھائی دیتی، وہ خوش نہیں تھی، یہ سچ اس کے لیے ایک انداز سے جھلک رہا تھا، مارے باندھے وہ گھر کے لیے چیزوں کی خریداری کرنے خرمن کے ساتھ جاتی رہی تھی، گھر میں کوئی چیز کہاں رکھنی ہے، خرمن اس سے مشورہ دیتی تو وہ سب کچھ اس پر ہی چھوڑتی رہی تھی اسے کوئی غرض نہیں تھی کہ گھر کس طرح سجا سناورانا ہے، خرمن کے بار بار سمجھانے کا بھی اس پر خاص اثر نہیں ہو رہا تھا، عثمان کی نظروں سے اس کی یہ لاشعلی اور کھنچا کھنچا انداز چھپا نہیں تھا اور اس چیز کے لیے وہ خود کوئی مورد الزام ٹھہراتا تھا، وہ جانتا تھا کہ بیلا کو اس دو کمروں کے مختصر سے فلیٹ سے کتنی محبت اور لگاؤ تھا، کتنی حاجت اور لگن سے اس نے اپنے پہلے گھر کو سناورانا تھا اور وہ کتنی بے دردی سے اس گھر کی ہر چیز کو اس کے سامنے نہیں نہیں کر چکا تھا، اب اگر وہ اس کے لیے محل بھی تعمیر کروا لیتا تو بھی بیلا کے لیے اس محل کی کوئی اہمیت نہ ہوتی، اہمیت اور انیسیت اپنے پہلے گھر کے لیے اس کے دل میں تھی، اپنی جارحانہ حرکت کے بعد ایک پل کے لیے اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ کہیں فاروق کے خدشات درست تو نہیں تھے، کیا واقعی اس کی گرم مزاجی بیلا کے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے؟ مگر وہ فوراً اس خیال کو جھٹک گیا تھا، اسی وقت وہ دل سے تہیہ کر گیا تھا کہ فاروق کی پیشن گوئی کو درست ثابت نہیں ہونے دے گا، جو غلط اس سے سرزد ہوا، وہ اس پر نادم تھا مگر اسے سب کچھ ٹھیک رکھنے کا عہد نبھا سکتا تھا، اور اسے خود سے بڑھ کر اپنی محبت اور جذبول پر بھروسہ تھا، کچھ چونک کر آنکھیں کھولتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا چونکہ کی طرف جارہی تھی، وہ عثمان سے کلام کرنا ختم کر چکی تھی یہاں تک کہ اسے دیکھنے سے بھی احتراز کرتی تھی، مگر اس کی چیزوں کا اور اس کے کھانے کا پورا خیال رکھتی تھی مگر اس نے عثمان کے ساتھ کھانا کھانے کی روش کو یہاں آ کر ختم کر دیا تھا، پتہ نہیں وہ اپنے اور اس کے درمیان سے کیا کچھ ختم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، گہری سانس لیتا وہ کچن کی سمت بڑھ گیا تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے، کھانا مت نکالو میرے لیے“۔ وہ اس سے مخاطب ہوا تھا جو فرج کھولتے ہوئے ایک پل کو رکھتی تھی اور پھر خاموشی سے فرج کے پاس سے ہٹتی ٹیبل تک آگئی تھی، بغور عثمان اسے دیکھتا رہا تھا نظر اٹھائے بغیر ٹیبل سے پیلیں اٹھا کر واپس ان کی جگہ پر رکھ رہی تھی، اس کی جانب بڑھنے سے آج وہ خود روک نہیں سکا تھا، براہ راست بات کبھی تو کرنی تھی، تو پھر آج ہی کیوں نہیں۔ وہ کترا کر نکل جانا چاہتی تھی عثمان اس کے راستے میں آ گیا تھا۔

”مجھے کچھ کہنے کا ایک موقع بھی نہیں دو گی تم؟“ عثمان نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر وہ اسی طرح جھکائے سرعت سے پیچھے ہوتی تھی۔

”تم اتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے کہ میری طرف دیکھنا بھی تمہیں گناہ لگتا ہے؟“ دزدیدہ نظروں سے اس کی پیشانی پر پڑتے ناگواری کے بل دیکھ رہا تھا۔

”مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی ہے، ہو میرے سامنے سے“۔ نظر جھکائے ہی وہ لرزاتے لہجے میں تھی۔

”تم کب تک مجھے معاف نہیں کرو گی، بتاؤ مجھے؟“ شدید اضطراب میں وہ اسے شانوں سے تھام گیا تھا۔

”میں تمہاری آواز بھی نہیں سنتا چاہتی“۔ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ الگ کرتی وہ چیختی تھی اور اگلے ہی پل اسے ساکت چھوڑتی تیزی سے کچن سے نکل کر کمرے میں پہنچ کر ہی سانس لی تھی، اپنے آنسوؤں کو روکتی وہ بے دم سی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

”اپنے ہاتھوں سے سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہ شخص معافی کا طلب گار ہے۔“ اس کا دل اذیت سے چنچا تھا، جب ہی کھتے دروازے نے اسے چونکا دیا تھا، چند حوٹ تک وہ دروازے پر رکا اس کی بھیگی سرخ آنکھوں کو دیکھتا رہا تھا اور اگلے ہی پل بیلا دنگ رہ گئی تھی جب وہ دروازہ بند کرتا اسے لاک بھی کر رہا تھا، سن بیٹھی وہ اسے دیکھتی رہی تھی جو دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”تمہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، دروازہ لاک میں نے اس لیے کیا ہے کہ اگر نیند میں چل نڈی کرنے کا تمہارا موڈ ہو تو اس دوران تم کمرے تک ہی محدود رہو، ورنہ باہر تم کسی چیز سے ٹکرا کر خود کو زخمی بھی کر سکتی ہو“۔ اس کے فک چہرے کو دیکھتا وہ بولا تھا۔

”اور اگر میں اس کمرے میں موجود ہوں تو اس لیے کہ مجھے یہاں موجود ہونے کا حق ہے اور میں اسی حق کو استعمال کر رہا ہوں“۔ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا وہ وارڈ روب کی سمت گیا تھا۔

”اگر تم نے اس کمرے سے نکلنے کی کوشش کی تو بس اتنا یاد رکھنا کہ میں اس گھر سے نکل جاؤں گا“۔ شاید اس کے چہرے سے ہی وہ اس کے ارادے بھانپ گیا تھا، لہذا واش روم کی سمت جاتے جاتے اس کو تائید کرتا نہیں بھولا تھا دوسری جانب حق دق بیٹھی وہ واش روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی، اس کے لیے یقین کرنا مشکل تھا، عثمان نے پہلے بھی اتنے استحقاق کا مظاہرہ جو نہیں کیا تھا۔ واش روم سے باہر آتے ہوئے عثمان نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو اسی طرح سر جھکائے ساکت بیٹھی تھی، اس کی ولسنگ کو سنتے ہوئے بیلا نے چور لگا ہوں سے ڈرینگ کی جانب دیکھا تھا، بلیک ٹراؤزر اور نائٹ شرٹ میں ملبوس وہ اپنے گیلے بالوں کو انگلیوں سے سنوار رہا تھا، اور پھر ولسنگ روک کر ڈرینگ سے پرفیوم اٹھا لیا تھا۔

”لیڈیز پرفیوم مجھے بچپن سے ہی بہت اٹریکٹ کرتے ہیں“۔ پرفیوم کا سپرے خود پر کرتا وہ جانے کس سے مخاطب تھا، لائٹ آف کرنے سے پہلے اس نے نائٹ بلب آن کیا تھا، اور پھر بیڈ کی سمت آیا تھا، جھٹکے سر کے ساتھ بیلا کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا، مگر اسے بالکل نظر انداز کیے عثمان نے اس کے پاس رکھا نکلیے اٹھا لیا تھا، بالکل سانس لے سکی تھی، تکیہ کا ریٹ پر رکھتا وہ سونے کے لیے دراز ہو چکا تھا۔

”گڈ نائٹ!“۔ یکدم وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو سرعت سے نظریں چراتی بیڈ کے دوسرے کنارے پر جا کر مکمل سر تک تان گئی تھی، دھڑکنیں کسی طور قابو میں نہیں آ رہی تھیں، اپنی دھڑکنوں کو سنتے ہوئے جانے کب اس پر غالب آ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج ویک اینڈ نائٹ شو تھا، عثمان بروگرام وقت پر شروع کرنے کے لیے اس کے انتظار میں تھا اور وہ عثمان کی کمی کے وقت سے پہلے ہی وہ ریڈیو اسٹیشن پہنچ چکی ہے، تیزی سے میٹر ہیاں وہ طے کرتی سینکڑوں پر پینچی جب اس نے اوپر سے آتے ہارون کو دیکھا تھا، ر کے بغیر سنجیدگی سے سلام کرتا وہ میٹر ہیاں اترتا چلا گیا

نہ اپریل 2014 سے 10 جولائی 2014 تک

زبردست ڈسکاؤنٹ آفر

برائیدل میک اپ اور پارٹی میک اپ پر

20% ڈسکاؤنٹ

ایکسپریٹ
دلیہ میک اپ

Only Rs.4000/-
20% Discount
Only Rs.3200/-
For 1000 Rs. and Above
Rs.2560/-

From Rs. 8000/-
Upto Rs. 10,000/-

Make-up: Satwat Ehsan

روز اوکسیجن وائٹنگ اینڈ لفٹنگ فیشل



کیراٹن

ٹریٹمنٹ

From Rs. 10,000/-
Upto Rs. 25,000/-

ری بونڈنگ

زیادہ خوبصورت
پہلے سے بھی

ہال

بلوڈ راک سے ہمیشہ کیلئے نجات!

35833929-35833930

زمرہ

34977970-34977972

گلشن اقبال

36636824-36636825

دارتھ ناٹھ پورہ

36707479-36707480

دھرم پورہ

روز بیوٹی پارلر

Email: rosegroupk@gmail.com Website: www.roseparlour.com

”آپ رکیں گے ذرا؟“ خرمن کی پکار پر وہ رک کر متوجہ ہوا تھا، اور اسے میڑھیاں اترتے دیکھ کر خود ہی اوپر اس کے مقابل آ گیا تھا۔

”خیریت سے ہیں آپ؟“ انہی حیرانی چھپائے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”جی اور آپ کیسے ہیں؟“ کچھ جھکتے ہوئے وہ اسے مزید حیران کر گئی تھی۔

”الحمد للہ! آئے میں آپ کو اور تک چھوڑ دیتا ہوں۔“

”نہیں، میں نے اس لیے آپ کو نہیں روکا تھا۔“ وہ فوراً شرمندہ ہوتی بولی تھی۔

”سوری! سیکنڈ اور تھرڈ فلور تک اس وقت سناٹا ہوتا ہے، لفٹ بھی خراب ہے اس لیے مجھے ایسا لگا تھا، آپ کو کچھ کہنا تھا مجھ سے؟“ بولتے ہوئے وہ آج پھر بغور اس کے سرخ رنگ کے اسکارف میں قید چہرے کو دیکھنے سے خود کو روک نہیں سکا تھا۔

”وہ دراصل میں آپ سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی، میں نے بہت غلط طریقے سے آپ سے بات کی۔“

”کسی معذرت کی ضرورت نہیں، میں وہ سب بھول چکا ہوں۔“ ہارون نے درمیان میں ہی اسے روکا تھا۔

”لیکن میں پھر بھی آپ سے شرمندہ ہوں، میں نے پہلی بار کسی مخلوط ادارے کو جوائن کیا ہے، زیادہ محتاط رہنے کی فکر میں، میں آپ کے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کر گئی تھی۔“

”آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا لہذا شرمندہ مت ہوں، میرے دل میں پہلے سے زیادہ آپ کے لیے عزت بڑھ چکی ہے محتاط رہنا اچھی بات ہے آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ہارون نے اسے تسلی دہی بھیج کر اس کی یہ انکساری خرمن کو اپنے سابقہ رویوں پر مزید شرمندہ کر گئی تھی۔

”مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو؟“ ہارون کے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”میرا اچھوٹا بھائی، آپ کا اور عثمان کا فین ہے، آپ دونوں کا ویک اینڈ شوہ لازمی سنتا ہے، آج اس کا برتھ ڈے ہے اور اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں آپ سے کہوں کہ آج کے شو میں آپ اسے برتھ ڈے ش کریں، میں عثمان کو بھی اس کا یہ پیغام دے چکا ہوں۔“

”میں ضرور ش کریں گی، نام کیا ہے ان کا؟“ خرمن نے مسکرا کر کہا تھا۔

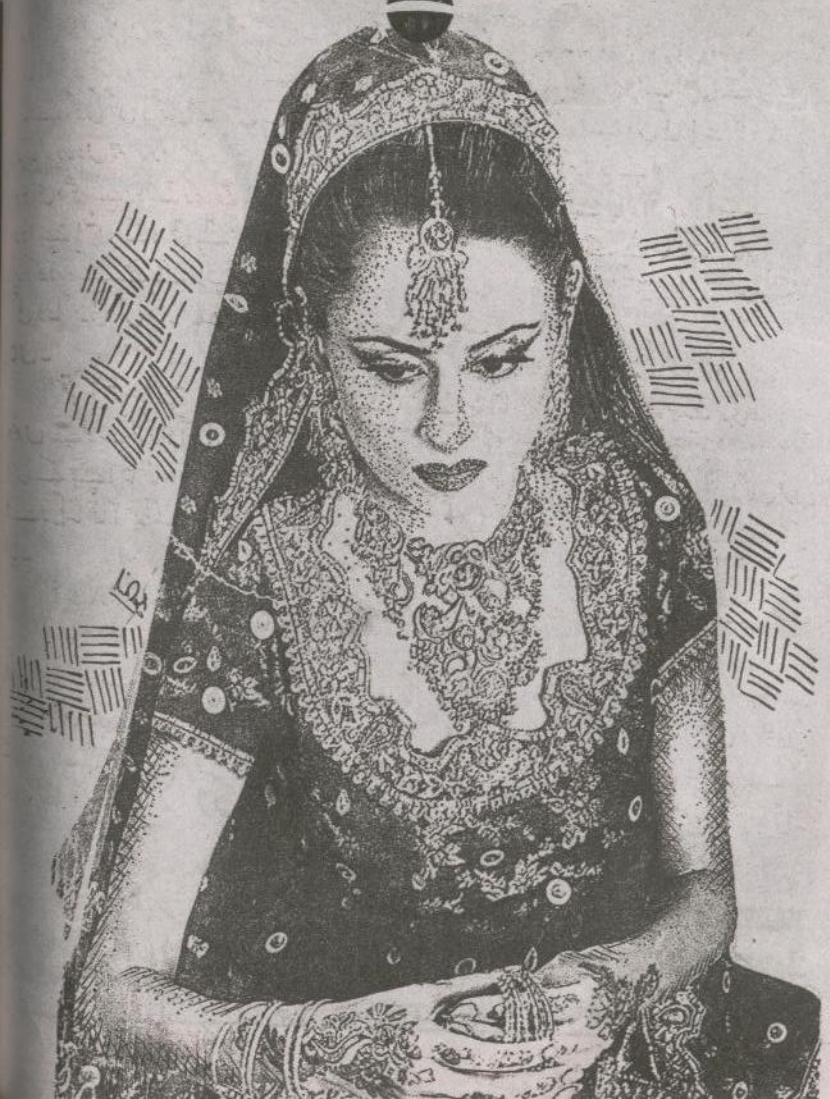
”اس کا نام ایک ہے، ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ میری مدد بھی آپ کو بے حد پسند کرتی ہیں، ریڈیو وہ صرف میری وجہ سے ہی سنی تھیں مگر اب وہ آپ کا کوئی بھی پروگرام سن نہیں کرتی ہیں۔“

”واقعی؟ پھر تو آپ کو مجھ سے جیلس ہونا چاہیے۔“ وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”ہرگز نہیں، مگر مجھے ہونا تو چاہیے۔“ وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

”عثمان کو آپ کا انتظار ہوگا، مجھے اب جانا چاہیے۔“ ہارون نے کہا تھا اور پھر فوراً ہی خدا حافظ کہہ میڑھیاں اترتا چلا گیا تھا، جبکہ خرمن کا نظریہ اس کے بارے میں بالکل بدل گیا تھا کہ وہ ایک اچھا ریڈیو پریزنٹر ہی نہیں ایک اچھا انسان بھی ہے، اس سے بات کرتے ہوئے خرمن کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ صدیوں سے اسے جانتی ہے۔

میں ہوں ایک سفر اور ٹو ستر



آج اس کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا اسی لیے وہ باہر لان میں چلی آئی، ہوا بہت تیز تیز چل رہی تھی، گلاب کا پودا چنبیلی کے پودے سے جھوم جھوم کر سرگوشیاں کر رہا تھا، ہر طرف اندھیرا تھا، بالکل اس کے دل کی طرح آسان پر ستاروں میں چاند بڑی شان سے کھڑا تھا، مگر اسے لگا کہ چاند بھی اس کی طرح اداس ہے، اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آج اتاروئے کہ سارا دکھ سارا درد آنسوؤں کے ذریعے نکل جائے، کوئی بھی تو نہیں تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ دل بھر کر رو سکے، جسے وہ کہے کہ آج کل وہ کتنی دکھی ہے روتے روتے نا چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے ماضی کے ورق پلٹنے لگی، جس کے ہر صفحے پر دکھ درد لکھے تھے جسے سوچتے ہوئے وہ مر جانے کی دعا کرتی تھی، مگر موت بھی تو نہیں آئی تھی ناں۔

”تم آخر چاہتے کیا ہو؟“ میزاب کتنے دنوں سے نوٹ کر رہی تھی، وہ جہاں جانی اٹھل اس کے پیچھے آتا تھا، اور بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھتا تھا آخر تنگ آ کر میزاب نے پوچھ ہی لیا۔

”آپ کو!“

”کیا مطلب؟“ میزاب شدید غصے سے بولی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”اس میں مطلب کی کوئی بات نہیں ہے، میں آپ کو چاہتا ہوں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اٹھل مسکرا کر بولا تو میزاب غصے سے بولی۔

”بکومت میں تم سے شادی نہیں کروں گی، کبھی تم آج کے بعد میرے راستے میں مت آنا۔“ میزاب انگلی اٹھا کر وارن کرتی بولی تو وہ

قدرے معصومیت سے بولا۔
”تو نہ کرو، میں تم سے شادی کر لوں گا، آئی تو یو!“ اٹھل نے اتنا کہا ہی تھا کہ میزاب نے اسے ایک تھپڑ رسید کیا۔

”بٹ آئی ڈونٹ ٹو یو!“ میزاب غصے سے پیر پٹختی چلی گئی، جبکہ لائبریری میں سب حیرت سے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ احساس تو بہن سے اٹھل کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ اپنا غصہ کنٹرول کرتا لائبریری سے باہر نکلتا چلا گیا۔

”یہ تم نے کیا کیا میزاب! اس نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا، بس اپنے دل کی بات ہی کہی تھی، تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ نمرہ نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا تو اقراء بولی۔

”اور وہ بھی سب کے سامنے... کچھ تو خیال کرتیں، اور اگر وہ الٹا تمہیں مار دیتا تو...؟“ وہ تاسف سے بولی۔

”مگر مجھے بہت غصہ آ گیا تھا۔“ میزاب نے اپنا دفاع کرنا چاہا تو اقراء جھٹ بولی۔
”تو اپنے غصے کو کنٹرول کرنا سیکھو۔“

”اچھا یار! میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔“ آخر میزاب نے اپنی غلطی ماننے ہوئے کہا تو اقراء بولی۔

”معافی سے کیا ہو جائے گا، تم نے تو سب کے سامنے اس کی توہین کی ہے۔“

”تو کیا بیروں میں گر جاؤں؟“ میزاب جھنجھلا کر بولی تو نمرہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اقراء کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میزاب کی ماں کی موت اس کی پیدائش پر ہو گئی تھی، جبکہ میزاب ہوسٹل میں تھی کہ اس کے ابو کی موت روڈ ایکسیڈنٹ میں ہو گئی، میزاب کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا وہ ہوسٹل میں رہتی تھی۔ اس کی دوستیں نمرہ اور اقراء تھیں جو کہ کھاتے پیتے گھرانے سے

تھیں۔

میزاب کے تھپڑ مارنے پر اشمیل کے اندر کا چوہدری جاگ گیا تھا، وہ میزاب کو بہت چاہتا تھا، وہ اپنے ماں باپ کی اکلونی اولاد تھا، جبکہ اس کے امی ابو حویلی میں رہتے تھے، وہ کبھی کبھی ان سے ملنے چلا جاتا تھا، مگر اسے جاگیروں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، وہ من موچی سالڑکا تھا کہ اچانک اس کی زندگی میں میزاب چلی آئی اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ وہ اسے چاہنے لگا اسے پتہ تو تھا کہ اس کے پر پوز کرنے پر میزاب غصہ کرے گی، مگر وہ تھپڑ مار دے گی اسے پتہ نہیں تھا۔ اس دن کالج میں کوئی شوق تھا، جس کی وجہ سے میزاب کالج نہیں گئی تھی، صبح سے موسم خراب تھا، اسے مارکیٹ سے کچھ چیزیں بھی خریدنی تھیں، سو وہ مارکیٹ چلی آئی۔

وہ چیزیں خرید کر مارکیٹ سے نکلی ہی تھی کہ ایک وائٹ کرولا اس کے پاس آ کر رکی، اس میں سے دو نقاب پوش نکلے اور میزاب کو بازوؤں سے پکڑ کر گاڑی میں دھکیل دیا۔ جب تک وہ کچھ سمجھتی یا کرتی ایک رومال اس کے منہ پر رکھ دیا گیا، اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ اسے جب ہوش آیا وہ ایک بڑے سے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی۔ جیسے جیسے اس نے سوچنا شروع کیا تو یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کا سر چکرار رہا تھا، سر کو ہاتھوں سے تھام کر وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی، کمرے میں ہر ضرورت کی چیز تھی۔ وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ کوئی کمرے میں داخل ہوا، قدموں کی آہٹ پر اس نے دیکھا وہ کوئی اور نہیں وہی اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ موجود تھا۔

”تم...؟“ وہ حیرانگی سے بولی۔

”ہاں میں، میں نے تمہیں کڈنیپ کرایا ہے، اور یہ سب کرنے پر مجھے تم نے ہی مجبور کیا

ہے۔“ وہ غصے سے بولا۔

”میں نے؟“ وہ آہستہ سے بولی۔

”ہاں جب میں نے تمہیں پر پوز کیا تھا تو تم نے انکار کیوں کیا؟“

”او آئی سی.... مجھے تم جیسے گھٹیا لڑکے سے یہی امید تھی، تم سمجھتے کیا ہو خود کو، شہزادے ہو نہیں کے؟“

”وہ تو میں ہوں۔“ اشمیل ہنستا ہوا اس کے

پاس چلا آیا جبکہ میزاب خوف سے کچھ بول ہی نہیں پائی۔

”ابھی ایک عورت کپڑے لائے گی پہن کر تیار ہو جاؤ، ابھی ہمارا نکاح ہوگا۔“

”کیا...؟“ میزاب حیرت سے بولی جبکہ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

”اور تم انکار بھی نہیں کرو گی، ویسے بھی تمہاری مرضی، میرے ساتھ جائز طریقے سے ہو

پانا جائز جیسے تم کہو۔“ اس طرح سے میزاب کا اور اشمیل کا نکاح ہو گیا، وہ کبھی کیا سکتی تھی، سوائے رونے کے، بھی کمرے میں اشمیل دولہا بنا مسکراتا

ہو داخل ہوا۔

”دیکھو اگر تم نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو میں خودکشی کر لوں گی۔“ میزاب غصے سے بولی تو

مل میں اشمیل کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی، اور وہ آہستہ سے بولا۔

”ٹھیک ہے جیسے تم چاہو، تم نے میری بات مانی ہے مجھے بھی تمہاری بات مانی ہو گی، اور

ویسے بھی اب تم میری ہو تو مجھے کوئی جلدی نہیں۔“ وہ جیسے آیا تھا ویسے واپس چلا گیا، اور

میزاب پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس کے بعد اشمیل کبھی بھی آتا بھی تو اس سے بات کیے بنا ہی چلا جاتا، میزاب کو لگتا کہ

جیسے وہ اسے بھول گیا ہو، میزاب نے سمجھو کہ

تھا۔

☆.....☆.....☆

آج پورے 15 دنوں بعد اشمیل آیا تھا وہ لان میں بیٹھی رو رہی تھی، جب وہ اس کے پاس چلا آیا،

جیسے ہی اس نے میزاب کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ پھٹ پڑی اور اس کا گریبان پکڑ کر بولی۔

”تم خود کو سمجھتے کیا ہو، بولو! مجھے کھلونا سمجھ رکھا ہے، جب چاہے کھیل لیا، جب دل بھر جائے

پھینک دیا، کیوں.... کیوں تم مجھے یہاں رکھ کر بھول گئے ہو، کس کے ساتھ گھومتے پھرتے ہو،

بولو! میں کہتی ہوں جواب دو!“ آہستہ سے اشمیل نے اپنا گریبان میزاب کے ہاتھوں سے چھڑایا،

اور اندر بڑھنے ہی والا تھا کہ میزاب اس کے سامنے آ کر بولی۔

”میں تھک گئی ہوں تمہارا رہتے رہتے، مجھے آزاد کر دو اپنے اس پنجرے سے، اس سے پہلے

کہ میں مرجاؤں۔“ میزاب اشمیل کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، جبکہ وہ اسے خود سے

الگ کرتا بولا۔

”ٹھیک ہے اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے، تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا، اب خوش؟ میں نے تم

سے محبت کی ہے، شدید محبت، عشق کیا ہے میں نے اور عشق میں انسان صرف اور صرف اپنے

محبوب کی خوشیاں چاہتا ہے، اور اگر تمہاری خوشی مجھ سے الگ ہونے میں ہے تو ٹھیک ہے کل

تمہیں ڈائیورس کے پیپر مل جائیں گے آؤ اندر چلو!“ اشمیل اسے پکڑ کر اندر کمرے میں لے آیا،

مگر وہ حیرت سے ساکت رہ گئی اسے پتہ نہیں کیوں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، سب کچھ اس کی مرضی سے ہو رہا تھا مگر پھر بھی کچھ کی سی تھی۔

”تو کیا اشمیل مجھے طلاق دے دے گا؟“ یہ خیال آتے ہی وہ پھر سے رو دی۔ نجانے کب

خیال آتے ہی وہ پھر سے رو دی۔ نجانے کب

کیسے وہ اسے اپنا سمجھ بیٹھی تھی، انجانے میں اس دشمن جاں کو دل دے بیٹھی تھی، نجانے نکاح کے یوں میں کیا تھا کہ وہ جو اشمیل سے نفرت کرتی تھی اسے چاہنے لگی تھی۔

”مگر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی، میں اسے روک سکتی ہوں۔“ یہ خیال آتے ہی میزاب تیر کی سی تیزی سے

باہر آئی نوکرانی ٹیبل پر برتن رکھ رہی تھی۔

”سنو! وہ کہاں ہیں؟“

”کون بی بی جی؟“ نوکرانی حیرت سے پوچھنے لگی۔

”اشمل...!“

”وہ تو چلے گئے، میں نے تو کہا بھی تھا کہ کھانا کھا کر جائیں مگر...!“ اس سے پہلے کہ

نوکرانی اپنی بات مکمل کرتی میزاب وہیں پر بے ہوش ہو گئی، نوکرانی نے ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے

کچھ دوائیں لکھ کر دیں اور چلا گیا، میزاب کو جب ہوش آیا تو اشمیل اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

”کیسی ہو؟“ کتنا نکمرا نکمرا لگ رہا تھا وہ، بڑھی ہوئی شیو، گندے کپڑے پہنے، وہ ایسا تو

نہیں تھا، وہ تو اپنی ڈرائنگ کا بہت خیال رکھتا تھا، میزاب اسے ایک ٹک دیکھے گی تو وہ کچھ پیپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”یہ لو ڈائیورس پیپر۔“ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میزاب اس کے کانپتے ہاتھوں میں تھے پیپر دیکھنے لگی۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔“ میزاب نے سرفنی میں ہلاتے ہوئے کہا تو اشمیل نے کہا۔

”اوہ.... میں سائن کرنا تو بھول گیا۔“ جیسے ہی اشمیل نے سائن کرنے کے لیے پین تھاما تھا

کہ میزاب نے پیپر پوری طاقت سے پھاڑ دیے، اشمیل نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”نہیں اشمیل! تم مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جاسکتے،

Italiano®

Permanent Hair Colour Cream

Free Developer Inside



01 Natural Black

02 Dark Brown

03 Medium Brown

04 Light Brown

Nourishment for Hair With
Silk Protein, Vitamin E & Hair Conditioner

رداؤ انجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ناول
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

تم میرے ہو کے رہو

صالحہ محمود

قیمت 600/- روپے

کچی کلیاں آنگن کی

صالحہ محمود

قیمت 600/- روپے

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

شازیہ مصطفیٰ عمران

قیمت 550/- روپے

کچھ عشق میں رنگ جنوں بھی تھا

نانکھ طارق

قیمت 500/- روپے

القربیش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ چوکے اردو بازار لاہور

فون: 042-37652546, 37668958

ویلم بک پورٹ اردو بازار کراچی

فون: 021-32633151

میں مرجاؤں گی تمہارے بغیر، پلیز تم مجھے چھوڑ کے
مت جانا، میرا ہے ہی کون تمہارے سوا، میں تم سے
بہت محبت کرتی ہوں بہت زیادہ۔“ میزاب بولتے
بولتے انھی اور روتے ہوئے غسل کے گلے لگ گئی،
جبکہ شمل حیرت اور خوشی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔
”میں کہیں نہیں جاؤں گا، میں تمہارے پاس

ہوں۔“

”میں آج بہت خوش ہوں، قسم سے مجھے خدا
پر یقین تھا کہ اگر ہمارا ملن لکھا ہے تو ہم ضرور ملیں
گے، آج میں خود کو دنیا کا سب سے زیادہ خوش
قسم آدمی تصور کر رہا ہوں، ویسے یہ انقلاب
کب اور کیسے ہوا؟“ آخر میں وہ شرارت سے
بولا، تو میزاب شرم سے سرخ ہوتی ہوئی اس سے
الگ ہونے کی کوشش کرنے لگی، پھر آخر شرما کر
بولی۔

”مجھے خود بھی پتہ نہیں چلا۔“

”یہ تو بہت اچھا ہوا، ویسے اب تو خود کشی نہیں
کر دگی ناں؟“ آخر میں وہ پھر سے شرارت سے
بولا۔

”نہیں...!“

میری محبت ہے کیا

میرے دل کی آواز

کو کب سن پاؤ گی

میری چاہتوں کی انتہا

کب دیکھ پاؤ گی

سنو! اے چاندی لڑکی

اگر میں دل ہوں تو تو دھڑکن ہے میری

میں ہوں اک سفر اور تو منزل ہے میری

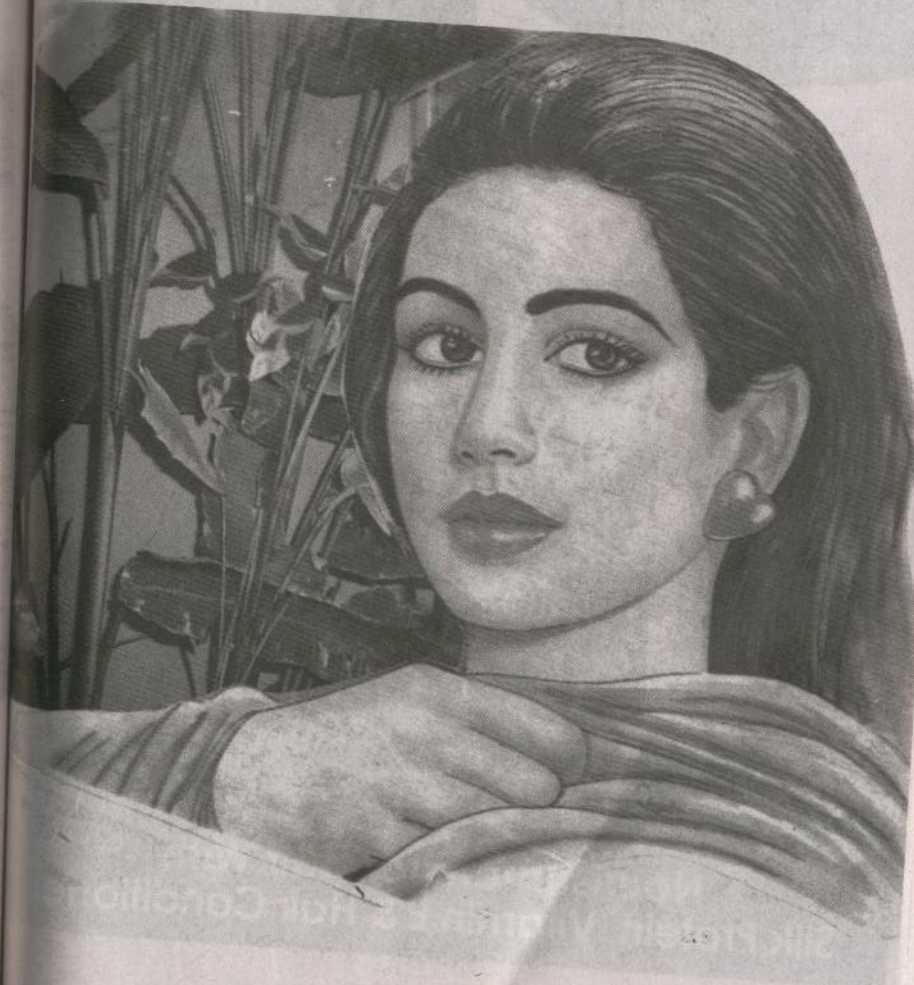
شمل کے چپ ہونے پر میزاب نے

سرشاری سے سرا شمل کے کندھے پر رکھ دیا اور

اس کی محبت کی بارش میں بھیقتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

مائی اللہ والی



”ارے خالہ جان! آپ!...! اچانک یکدم ہی اتنے برسوں بعد؟“ راحیلہ کی آنکھیں حیرت و خوشی سے پٹی جا رہی تھیں۔

”خالہ! آج کیسے آپ کو دس پندرہ سال بعد یاد آگئی، پورے پندرہ سال ہو گئے ہیں، آپ کا محلہ چھوڑے اور ان پندرہ سالوں میں آج تک آپ نے نہ فواد بھائی نے پلٹ کر ہماری خبر لی، لیکن آج اچانک سچی مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یوں اچانک یہاں دیکھ کر۔“ راحیلہ کی حیرانگی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، تب ہی خالہ فرحت نے لاڈ سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

”ارے میری گڑیا! وہ میری بھانجی تھی ناں ناہید، ڈاکٹر نے اسے چھائی کا کینسر بتایا ہے، بڑی حالت خراب ہے، غریب بھی ہے بس اسے دیکھنے ہی ادھر آئی تھی، اور پھر بڑے پیر صاحب کی نیاز بھی دلائی تھی، زردے کی دیگ پر، سوچا اپنی راحیلہ بٹیا کے لیے بھی لیتی جاؤں۔ وہ بڑے شوق سے ہمارے گھر کا زردہ کیسے مانگ مانگ کر اور چھین چھین کر کھاتی تھی اور اپنے پورے خاندان، رشتے داروں کو کھلاتی تھی۔“ خالہ فرحت شفقت بھری نگاہوں سے راحیلہ کو دیکھنے لگیں۔

”ارے نیاز کا تو بہانہ تھا، دراصل میں نے سوچا عید بھی قریب ہے اب جا رہی ہوں تو بٹیا اور اس کے بچوں کے عید کے جوڑے بھی لیتی جاؤں، یاد ہے ہر سال عید پر تو بچوں کو میرے لائے ہوئے جوڑے پہناتی تھی۔“ خالہ فرحت ماضی کی یادوں میں گم شائینگ بیگ سے راحیلہ اور اس کے بچوں کے عید کے جوڑے نکالنے لگیں۔

”اللہ... خالہ! آپ نے خواہ مخواہ میں اتنی تکلیف کی، اتنا ڈھیروں نیاز کا بیٹھا لے آئیں اور اوپر سے عید کا جوڑا بھی۔“ راحیلہ لپٹائی ہوئی نظروں سے بیک سے جھانکتے قیمتی جوڑے کو دیکھتے ہوئے

مصنوعی غصے سے بولی۔

”خالہ! چلیں یہ جوڑے تک تو صحیح ہے۔“ وہ جلدی سے خالہ کے ہاتھ سے جوڑے لیتے ہوئے بولی۔

”لیکن یہ پانچ کلوز روے کی دیگ رکشے پر لا د کر لانا، آپ نے خواہ مخواہ میں تکلیف کی۔“ وہ پاس بڑی زردے کی دیگ دیکھتے ہوئے خالہ کی حماقت پر سچ سچ خفا ہو بیٹھی۔

”خالہ! آپ کو پتا ہے کہ ہم بندے ہی کتنے ہیں، میں میرے میاں اور بس دونوں بچے، بچے بیٹھا اتنا شوق سے کھاتے نہیں اور میں اور میرے میاں کتنا کھالیں گے، یہ پانچ کلوی دیگ ہوگی، فضول میں آپ اتنی دور سے یہ لا کر لائیں۔“ راحیلہ کو خالہ کی حماقت پر ڈھیروں غصہ آئے جا رہا تھا، وہ پیار سے ان کا ہاتھ تھامے سمجھانے لگی، تو جھٹ خالہ نے خفگی سے اس کا ہاتھ جھٹک ڈالا۔

”ارے تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ ٹو اکیلے یہ پانچ کلوی دیگ ختم کر لے، ارے تجھے جتنا کھانا ہے کھا، ارے میری نیلہ ہے، شائلہ ہے، جواد ہے ان کو کھلا دینا، وہ اپنے اپنے بچوں سمیت کھائیں گے، تو مجھے خوشی ہوگی۔“ خالہ فرحت بڑے ہی لاڈ اور محبت سے راحیلہ کے بہن بھائیوں کے نام ان کے بچوں سمیت گنوانے لگیں تو راحیلہ ان کے حسن اخلاق اور محبت پر ایمان لائے بغیر نہ رہ سکی۔

”جی خالہ! یہ تو آپ سچ کہہ رہی ہیں، ویسے ایک بات تو ہے میری بیاری سی خالہ کی مل پانٹ کر کھانے کی عادت اب تک نہ گئی، ایک تو بھلا اتنی دور سے اپنی راحیلہ کا پتہ پوچھتی اسے دینے چلی آئیں۔“ اس نے بھی خالہ پر محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے پیار سے سران کے کندھے پر رکھ دیا۔

”اچھا چندا! اب میں چلتی ہوں، تیرے خالو اکیلے گھر رہے ہوں گے۔“ خالہ جانے کے لیے پر

تو لے لیں۔

”ارے خالہ! ابھی تو آئی ہیں آپ بیٹھیں ناں!“ وہ لاڈ سے خالہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر روکتے ہوئے بولی۔

”ارے بیٹا! میں نے بتایا تو ہے کہ تیرے خالو اکیلے ہیں ناں گھبراتے ہوں گے ورنہ میں ضرور بیٹھتی۔“ خالہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں تو وہ ہرگز ان کی باتوں میں نہ آئی۔

”کیوں فواد بھائی اور بھابی بچے گھر پر نہیں ہیں کیا؟“ وہ خالہ کی بات کا یقین نہ مانتے ہوئے بولی۔

”ارے بیٹا! اب کیا بتاؤں وہ جو تیری بھابی ہے ناں، وہ تو ہر مہینے ایک ایک ہفتے بچوں سمیت مکے بیٹھ جاتی ہے اور فواد کا تو بچے پتا ہی ہوگا، صبح نکلتا ہے، رات گئے لوٹتا ہے کام سے۔“ خالہ کی آنکھوں میں

بچے کے لیے ہمدردی تھی۔
”وہ خالہ! مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں فواد بھابی کی شادی میں شریک نہیں ہو سکی، بس اماں کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اس کا ایک اسلام آباد جانا پڑا کہ نہ تو شادی میں شریک ہو سکی اور نہ پھر بھابی بچوں سے ملنے کا موقع ملا، بس گھر میاں بچے، اس میں آدمی ایسا اچھ کر رہ جاتا ہے کہ کہیں آنے جانے، ملنے جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا، بس زیادہ سے زیادہ موقع نکلا بھی تو آدمی برابر والے یا سامنے والے پڑوس کے یہاں ہوا یا اور بس اب تو زندگی اسی میں مصروف ہو کر رہ گئی ہے، اور آپ کا گھر کراچی کے آخری کونے یعنی گلشن میں ہے وہاں بھلا جانے نکلنے کا کہاں ٹائم ملتا ہے، بس سوچتی رہی کہ ایک دن فواد بھائی کی دلہن کو دیکھنے جاؤں، ان کے بیوی بچوں کو نہ دیکھنا ملی، ایک دن مل آؤں، لیکن ٹائم ہی نہ نکال پائی۔ سچی خالہ! بہت دل چاہتا ہے فواد بھائی کی دلہن کو ملنے کا، کسی دن آؤں گی وقت نکال کر صبح سے شام تک کے لیے۔“ وہ محبت بھری نگاہوں سے خالہ کو دیکھتے

ہوئے ان کی چادر میں پڑی سلوٹیں دور کرنے لگی کہ تب ہی خالہ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئیں، تب راحیلہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں خدا حافظ کہنا پڑا۔

خالہ کو وہ پچھلے میں برس سے جانتی تھی، جب وہ اپنے والدین، بہن بھائیوں کے ساتھ ان کے پڑوس میں رہتی تھیں، خالہ کیا تھیں ایک بیٹا بیٹا اللہ کی طرف سے نیکی کا فرشتہ تھیں، بے حد مخلص، منساہر، خدا ترس اور سب سے بڑھ کر بے حد سچی، ان کی یہ سخاوت ہی تو تھی، جو نہ صرف انہیں اپنے محلے، خاندان، رشتے داروں اور پڑوسیوں میں ہی مشہور کیے ہوئے تھی، بلکہ پورے کراچی میں ان کی سخاوت کا ڈنکا بجا رہا تھا، رشتے داروں سے لے کر پورے پڑوس بلکہ کراچی کے زیادہ تر جاننے والوں کا یہی خیال تھا کہ خالہ فرحت اور ان کا بیٹا سخاوت فیاضی میں تو سب سے آگے آگے ہیں ہی لیکن ساتھ ہی دکھ، بیماری کی حالت میں بیمار داری اور مفلوس کی مدد میں بھی آگے آگے رہتے ہیں اور سخاوت اور خدا ترسی کا یہ عالم ہے کہ جہاں انہیں خبر ہوئی کہ فلاں پڑوسی یا شخص کے یہاں دودن سے دال روٹی پک رہی ہے، یا ہفتے ہفتے بھر گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا، بس پورے گھر کے لیے بکرا کٹوا کر ان کے گھر پہنچ جاتا، جہاں کسی پڑوس کا پتا چلا کہ اس کا شوہر چار پانچ بچے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، اب چاہے وہ کروڑوں کی جائیداد اور ہزار گز کا بنگلہ ہی چھوڑ کے کیوں نہ دنیا سے رخصت ہوا ہو، بس وہ بیوہ اور بچوں کے یتیم ہو جانے کی خبر ہی ان کے لیے بہت ہوتی، بس پھر کیا خالہ اور فواد بھائی کے گھر سے تینوں ٹائم کے قسم قسم کے لوازمات سے بھر پور تھاں جج جج کر آتے لگتے، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں تھا کہ کسی بیوہ یتیم مجبور کے لیے وہ سخاوت کا دریا ہو، وہ تو ہر آتے جاتے، اجنبی، امیر غریب، جان پہچان، انجان ہر کسی کے لیے سخاوت و فیاضی کا بہتا سمندر بلکہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھیں، جہاں کسی پڑوسی،

اجنبی، نوکر چاکر کاروٹی، پھل، فروٹ کھانے کو دل چاہے، چائے، کافی، ٹھنڈا پینے کو دل چاہا جھٹ ان کے دروازے پر پہنچ گیا، نہ صرف خود بلکہ اپنے جان پہچان کے دوست احباب اور جی چاہا تو رشتے داروں کو بھی مفت کی دعوت اڑانے لے آیا، اور کھانے پینے کے ساتھ ساتھ گھر کی کوئی قیمتی شے پسند آئی تو جھٹ وہ بھی اٹھالے گیا، یا مانگ ڈالی اور محال ہے اللہ کی اس نیک بندی نے کسی کو خالی منہ یا خالی ہاتھ لوٹا یا ہو، جہاں منہ سے کسی کے فلاں شے کی پسند کا اظہار یا مانگنے کا سوال ہوا، وہاں وہ شے جھٹ اس کے بیگ میں اس کے مانگنے سے پہلے پہنچ جاتی، جہاں ان کے لاکھوں کے پڑوس میں بھائی نے بہن کے لیے گاڑیاں بھر بھر کر پھل فروٹ، گھر کا راشن بھیجا، وہاں محلے اور جاننے والوں نے خالہ کے گھر لائٹ لگا دی اور پھر محال ہے، اس اللہ کی نیک بندی نے کسی کو خالی ہاتھ لوٹا یا ہو، کسٹر اور تھاں بھر بھر کر سارے پھل، فروٹ اور راشن بانٹ ڈالا، لیکن کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دیا، چاہے وہ چھوٹی پڑوسی سے آیا ہو یا ہزار گز کے بنگلے سے۔ خالہ کے برابر میں رہنے والی زینہ باجی تو اکثر کہتیں۔

”بچی اپنے گھر کے لیے راشن ڈلوانا ہی نہیں پڑتا، خالہ راشن ختم ہونے سے پہلے ہی ڈلوادیتی ہیں۔“ سامنے والی ساجدہ آ پا اتر کر کہتیں۔

”بچی راحیلہ! میری سگی بہن بھی ہوتی ناں تو وہ بھی اتنا نہ کرتی، جتنا کہ فرحت باجی نے اپنی منہ بولی بہن بنا کر سگی بہنوں سے بھی بڑھ کر کیا ہے، ارے لوگ تو اپنی اولاد، بیٹی کو اس مہنگائی کے زمانے میں دس تو لے سونے کا سیٹ بنا کر نہیں دیتے، لیکن فرحت باجی نے تو میری بیٹی کی شادی پر پورے دس تو لے کا سیٹ بنا کر دیا ہے، ارے لوگ اپنی سگی بہن کو نہ دیں جتنا کہ ہماری باجی نے کیا اور دیا ہے، ہماری بچی کے بیاہ پر۔“ ساجدہ فخر سے بتاتیں اور اس کے شوہر

حادثہ.... وہ تو جب بھی خالہ کے یہاں سے دیکھ بھر بھر کر نیاز کا کھانا آتا تو وہ مزے لے لے کر کھاتے جاتے اور خالہ کو دعائیں دیتے جاتے اور کبھی کبھی تو مسخرے پین سے ”مائی اللہ والی“ کے نعرے بلکہ مائی اللہ والی زندہ باد!“ کے نعرے لگاتے جاتے اور نیاز کا کھانا کھاتے جاتے اور وہ ان کے مسخرے پین پر ہنسی سے دوہری ہو جایا کرتیں، خالہ تھیں بھی واقعی میں اللہ والی مائی، خوش اخلاق، مخلص سخی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عبادت گزار اور تہجد گزار خاتون سے ملنے جلنے والے ان کی دین داری اور عبادت گزاری سے مرعوب ہوئے بناء نہ رہ سکتے تھے، صبح میں حارث ٹھیک ہی تو کہتے تھے کہ خالہ ”مائی اللہ والی“ ہے، بس اسے تو اب تک اس بات کا افسوس تھا کہ وہ ان کے بیٹے فواد کی شادی میں ماں کی بیماری کے باعث شریک نہ ہو سکی اور نہ ہی اب تک اس کی دلہن سے مل سکی، پورے پندرہ سال ہونے کو تھے، اسے خالہ کا محلہ

چھوڑے اور ان دس پندرہ سالوں میں وہ ایک بار بھی تو خالہ کے گھر نہ جا سکی تھی، فواد بھائی کو شادی کی مبارک باد دینے اور ان کی دلہن کو دیکھنے۔ حالانکہ فواد بھائی نے ہمیشہ خالہ کے ساتھ مل کر اس کا کتنا ساتھ دیا اور خیال رکھا تھا، بالکل جیسے خالہ رکھتی تھیں کم سے کم کچھ نہیں تو وہ اگر ان کی شادی میں شریک نہ ہو سکی تھی، تو انہیں بعد میں جا کر شادی کی مبارکباد ہی دے آئی۔

آج پندرہ سال بعد خالہ کے آ جانے پر اس کا احساس ندامت جاگ اٹھا تھا۔

”خیر کچھ بھی ہو، وہ ایک دن جانے گی ضرور، فواد بھائی کو ان کی شادی کی مبارکباد دینے اور خاص کر ان کی دلہن کو دیکھنے، کہ ذرا وہ دیکھے تو سہی کہ فواد بھائی جیسے خوب رو حسین و جمیل، وجہہ اور ہر دل عزیز انسان کو بیوی بھی اس کی ملے گی ہے یا نہیں، اب تک تو خالہ بیٹے کی کمائی پر کھل کر دنیا والوں پر سخاوت کے خزانے

لنا رہی تھیں، اگر ان کا بیٹا ہی اس سخاوت اور فیاضی سے منع کر دیتا یا ہاتھ روک دیتا تو وہ کیا کر سکتی تھیں، کچھ بھی نہیں، یہ تو ان کے بیٹے کی عنایت اور سخاوت تھی کہ خالہ دونوں ہاتھوں سے سخاوت کے خزانے لٹا رہی تھیں، اب دیکھنا تو یہ ہے کہ فواد بھائی کی بیگم میاں کی کمائی پر سخاوت کے کتنے خزانے لٹائی ہے، کوئی کتنا بھی نجی ہو، لیکن خالہ جیسا ہونا مشکل ہی ہے، فی زمانہ اس دور میں اتنا خلص اور نجی ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ خاص کر اس مہنگائی اور خود غرضی کے دور میں جبکہ لوگ اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس دور میں یوں دوسروں پر اپنی سخاوت کے خزانے لٹانا ایک بہت بڑی نیکی اور بزرگی کی علامت ہے۔

راحیلہ نے فرحت خالہ کے بارے میں بڑی عقیدت سے سوچا اور دل ہی دل میں کل ہی خالہ کی بہو اور فواد کی دلہن سے ملنے جانے کا تہیہ کر لیا، چاہے ذریعہ ہی سے حج وہ فواد بھائی کو شادی کی مبارکباد تو دینے آئے گی اور اس بھانے ان کی دلہن سے بھی مل آئے گی چاہے سالوں بعد ہی سمی۔

☆.....☆.....☆
”کھٹ...کھٹ، کھٹ!“ راحیلہ نے چندہ سال پرانے انداز میں چندہ سال پرانے محلے کے گیٹ پر دستک دی۔

”جی! کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ تب ہی ایک خستہ حال خاتون، چہرے پر برسوں کی مفلکی کی چھاپ لگائے گویا ہوئی۔
”خالہ گھر پر ہیں؟“
”جی آپ کون؟“
”راحیلہ حارث!“

”جی اچھا اچھا، آپ آئیے، اندر آ جائیے! وہ ابھی مارکیٹ تک گئی ہیں، بس آنے ہی والی ہوں گی۔“ تب ہی ایک خستہ حال حلیے میں لمبوں، جابجا

بچھے سوراخ والے دوپٹے میں لپٹا چہرے پر برسوں کی مفلکی کی چھاپ لیے نوکرانی نے دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھادیا اور اس کے ہاتھ میں ایک میگزین اور شربت کا ایک گلاس دے کر گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ گئی، وہ ڈرائنگ روم سے منسلک سامنے والے کمرے میں رگڑ رگڑ کر زور لگا لگا کر پوچھا رہی تھی، اور میری نظر اس کے بچھے دوپٹے اور بچھی بوسیدہ حال قمیض پر تھی، جو کہ پوچے کے زور سے مزید بچھے جا رہی تھی، اور جسے وہ اس کی نگاہ سے بے خبر گھبرا گھبرا کر وہ دوپٹے سے ڈھکے جا رہی تھی۔

”سنو! ادھر آؤ... دیکھ لو، کپڑے بنالینا۔“ یکدم ہی مجھے اس کی حالت زار پر ڈھیر سارا ترس آ گیا، تو میں نے دھیرے سے پرس میں سے ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

”ج...ج...ج...جی؟“ اچانک میری اس حرکت اور ہمدردی پر حیرت سے اس نے مجھے دیکھا۔
”رکھو، کھو، تمہارے کام آئے گا، اپنے لیے پھل فروٹ اور کپڑے بنالینا، ایسی حالت میں عورتوں کو اچھی غذا کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔“ میں نے اس کے بڑھے پیٹ کی طرف دیکھ کر دو ہزار روپے مزید پرس سے نکال کر اس کی طرف بڑھائے، اور دل میں سوچنے لگی کہ آج خالہ فرحت آئیں تو ان کی اچھی طرح خبر لیتی ہوں، دیکھو تو ساری دنیا میں پیسے لٹائی پھرتی ہیں، دعوتیں کرتی پھرتی ہیں اور اپنے گھر کے ملازموں کا انھیں ذرا بھی خیال نہیں ہے۔

میں نے ہمدردی سے ایک بار پھر اس کے مفلکی زدہ چہرے کی طرف دیکھا جو کام کر کر کے اور اچھی غذا نہ ملنے پر بالکل اندر دھنسا ہوا تھا، بالکل لاغر کمزور ہو چکا تھا۔

”ج...جی معاف کیجیے گا میں اس گھر کی کوئی ملازمہ نہیں، خالہ کی بہو اور فواد صاحب کی بیوی ہوں، مسز فوادؓ۔“

”کہ...کہ...کہ کیا؟“ اس کی بات سنتے ہی مارے حیرت و دکھ کے میرے ہاتھ سے شربت کا گلاس چھوٹنے چھوٹنے پڑا۔

”مسز فواد! اور یہ حلیہ اور حالت... گھر میں کوئی نوکر چاکر نہیں ہے کیا جو آپ اس طرح... میرا مطلب ہے جھاڑو پوچے اور برتن، کپڑوں کے لیے تو آج کل چھوٹے چھوٹے گھروں میں بھی ماسی ہوتی ہے اور خالہ اور فواد بھائی کی حیثیت ایسی تو نہیں کہ وہ گھر کے ان کاموں کے لیے ماسی نہ رکھ سکیں، ماشاء اللہ سے اچھا کھانا پیتا گھرانہ ہے ان کا۔“ مسز فواد کے پیام پر میں فوراً ادب و تہذیب کے دائرے میں داخل ہو گئی تھی۔

”جی... لیکن ہمارے یہاں کوئی ملازم، ماسی نہیں ہے، فواد صاحب اور ان کی ماں کا خیال ہے کہ جب گھر میں بہو، بیوی موجود ہے تو ملازم کی کیا ضرورت ہے، یہ کیا گھر بیٹھے بیٹھے روٹیاں توڑے گی۔“ فواد کی بیوی ماہ رخ نے طنزیہ لہجے میں کہا، اور اپنی ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ فواد اور خالہ کی زیادتیوں اور اسے پانی پانی کا محتاج کر دینے کی ساری داستان الف سے لے تک سنا ڈالی، تو ایک لمحے کو تو جیسے راحیلہ کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا کہ وہ فرشتہ صفت خالہ اپنی سگی بہو کے ساتھ اتنی ظالم اور سفاک بھی ہو سکتی ہیں، بہو کو نوکرانی بنا کر رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ بہو کی گاہے بہ گاہے ہاتھ پاؤں سے بھی خاطر تو واضح کرتی رہتی تھیں۔

یہ... یہ سب کچھ میرے لیے ناقابل یقین تھا، لیکن ماہ رخ کی ڈبڈبائی آنکھوں اور خستہ حال حلیے اور حالت نے ان باتوں کی تصدیق کر دی تھی تب یکدم ہی مائی اللہ والی کا شیطانی کمزورہ چہرہ میری نظروں کے سامنے ناچنے لگا، کمزورہ، شیطانی اور منافق وجود، جس کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ تھا۔ میں نے اپنی ڈبڈبائی آنکھوں کے آنسو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے دکھ سے یوں ہی سوچا۔

”کاش... ہم سب اپنے گھر کی بہو، بیٹیوں سے برا سلوک کرنے سے پہلے آقائے دو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ یاد کر لیا کریں کہ ”ایک وہ دینار جو تم خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو، ایک وہ دینار جو تم کسی ضرورت مند پر خرچ کرتے ہو، اور ایک وہ دینار جو تم اپنی بیوی پر اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ ابراہیم اللہ کے نزدیک اس دینار کا ہے جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو۔“ میں چپکے سے دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ۔

”کیا ایسے نمازی، تہجد گزار، منافق لوگوں کی بخشش ہے، جو نمود و نمائش اور دکھاوے کے لیے اپنے تعلقات دنیا سے بنانے کے لیے خوب اخلاق اور دولت کے خزانے ان پر لٹاتے ہیں، لیکن اپنے ہی گھر کی بہو، بیٹیوں، بہنوں، بھائیوں کے ساتھ ان کا سلوک اور رویہ وحشیانہ اور جارحانہ ہوتا ہے۔“

☆.....☆.....☆

للا اللہ رزاقا کما تحبہ کی طرف سے
بچوں کے لیے خوب صورت ناول

گھنگی ہوئی رت میں
قیمت 150 روپے
صالحہ محمود

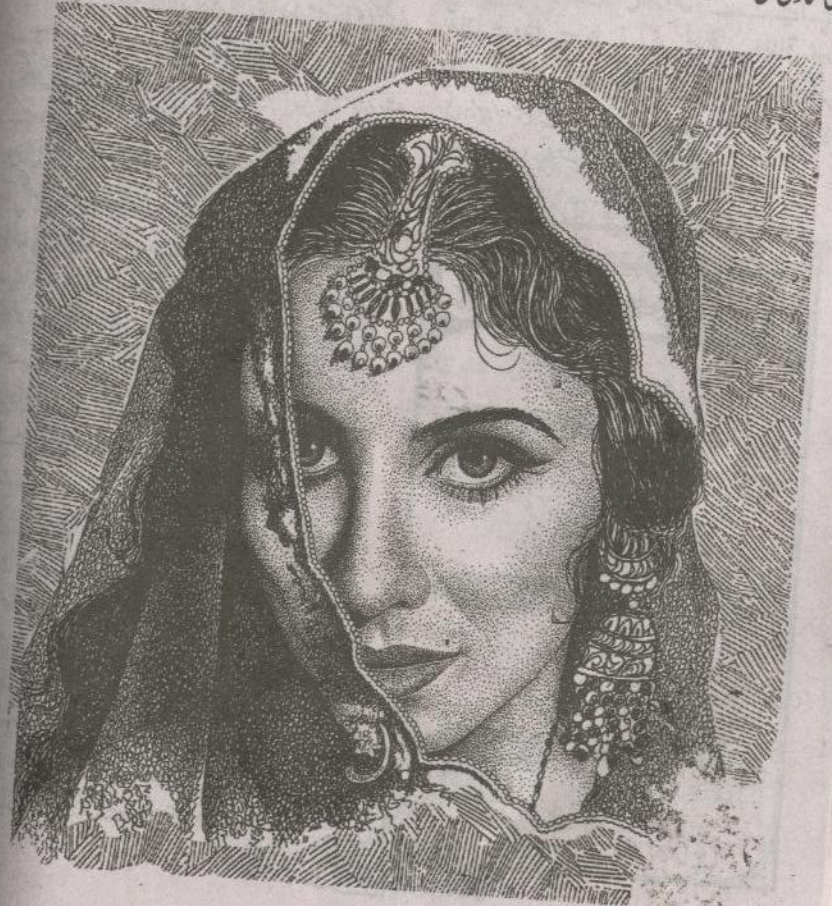
گھنگی گلیاں آگن کی
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

تم میرے ہو گے رہو
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود

ویل کم بک پورٹ اردو بازار کراچی
میلے کا پتہ

بشرِ قبا کا منہ لگی جانا

”مہی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، میں آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی، مجھے خود سے دور نہ کریں۔“ آج شام اس کی شادی تھی، تاریخ طے تھی، جسے نوید عالم نے منسوخ نہ کیا تھا، انہیں اب زندگی کا کوئی بھروسہ نہ تھا اور اپنی زندگی



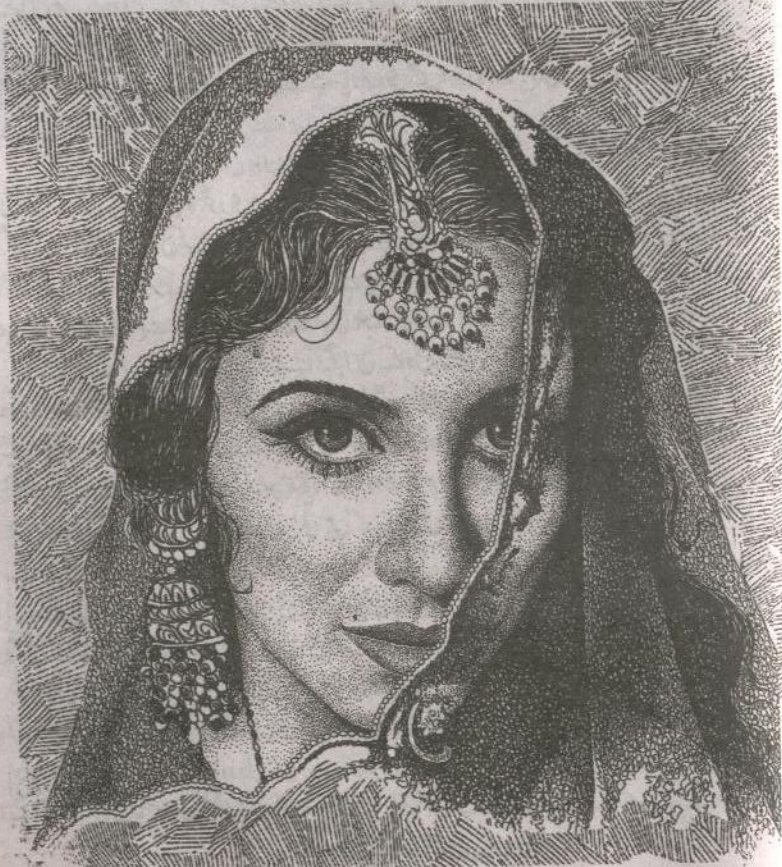
میں ہی وہ حنین کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے، جبکہ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ تھی۔ ساجدہ مایوں کے زرد جوڑے میں سرسوں کا پھول لگتی بیٹی کو خود سے لپٹا گئی تھیں۔

”حنین میری جان! روؤ نہیں، تمہارے دور جانے کے احساس سے ہی میری سانس رک رہی ہے، مگر یہی زمانے کی ریت ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹیوں کو رخصت کرنا پڑتا ہے۔“ وہ اس کو خود سے لگائے بلک رہی تھیں۔

”کیوں ہے ایسی ریت مہی! مجھے آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا ہے۔“ وہ سکی تھی۔

”ایسے نہیں کہتے بیٹا! اللہ سب بہتر کرے گا، تم آج ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہو، تمہاری ماں کی دعائیں ہمیشہ تم پر سایہ کیے رہیں گی، ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے تمہیں بھی کچھ قربانیاں دینی ہوں گی۔“ وہ اپنے آنسو پونچھتی تھیں، وہ جذباتیت دکھائیں تو ممتا کا فرض کب پورا کرتیں؟

”ماں باپ کے گھر گزاری جانے والی زندگی اور شوہر کے ساتھ شادی شدہ زندگی میں زمین آسمان کا سا فرق ہوتا ہے، والدین اولاد کی پہاڑ برابر غلطی بھی معاف کر کے بھول جاتے ہیں اور شوہر اور اس سے وابستہ رشتے رانی کو



بھی پہاڑ بنا دیتے ہیں، عورت کو اپنا گھر بنانے، سسرال میں جگہ بنانے، شوہر کا دل جیتنے کے لیے اپنا پتہ پانی کرنا پڑتا ہے کہ ایک اچھی بیٹی ضروری نہیں ہوتا کہ اچھی بہو بھی بن جائے کہ کچھ رشتوں پر زندگی بھی وارد تو وہ پرانے رچے ہیں، ان ہی پرانے رشتوں کو اپنا راور نیک عادات و فطرت سے تم نے اپنا نا ہے، اپنا ظرف بڑا رکھنا ہے، لینے سے زیادہ دینا ہے۔ وہ نرمی سے اسے رشتوں کی نزاکتیں ان کی اونچ نیچ سمجھا رہی تھیں۔

”یہ یاد رکھنا کہ اب شوہر کا گھر ہی تمہارے لیے سب کچھ ہوگا، یہاں تم ایک مہمان کی حیثیت سے آیا کرو گی۔“

وہ ماں کو غور سے سنتی یکدم بے یقینی سے کہنے لگی تھی۔

”ممی! مجھے اتنا بھی پرانا نہ کریں کہ اپنے ہی گھر میں، میں مہمان بن جاؤں، کیا شادی کے بعد اس گھر سے،

آپ سب سے میرا تعلق ختم ہو جائے گا؟“ وہ چھوہ کنال لہجے میں کہتی بلک اٹھی تھی۔

”رشتے کبھی نہیں ٹوٹے سنیں! بس انھیں ان کے اصل مقام پر رکھنے کا ہنر آنا چاہیے، اور بیٹی شادی کے بعد

پرائی ہو جاتی ہے، والدین اس کی ذمہ داری اپنی خوشی اور رب کی رضا سے ایک ایسے شخص کو سونپ دیتے ہیں، جو

نکاح کے تین بولوں کے ذریعے سب کچھ بن جاتا ہے، اور اب تم نے اس رشتے کو ہر شے سے اہم جاننا ہے، سمجھنا

ہے اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے رہیں گے، تم اپنی خوشی آؤ گی تو ہم مطمئن ہو کر تمہیں دل سے لگائیں گے،

مگر یہ یاد رکھنا بیٹا! کہ جس دن اللہ نہ کرے کہ تم اپنے شوہر سے لڑ کر آئیں، اس گھر کے دروازے خود پر بند

پاؤ گی۔“ وہ اس کو ہر طرح کے حالات کے لیے تیار کر رہی تھیں اور وہ رونا بھول کر ماں کو چٹھی چٹھی نگاہوں سے دیکھ

رہی تھی۔

”میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو بیٹیوں کی ہر اچھی، بری بات میں حمایت کر کے انھیں سرچڑھاتی ہیں اور

خدا خواستہ ان کی بربادی کا خود ہی موجب بن جاتی ہیں، شادی شدہ لائف کے ہر مسئلے، ہر قسم کے حالات سے

تمہیں خود ہی نبرد آزما کرنا ہوگی، کیسے بھی حالات ہوں، شوہر کو نہیں چھوڑنا کہ مشرقی عورتیں گھر بنانے کے لیے

خود کو واردیتی ہیں، اور تم نے بھی گھر بنانا، بسانا ہے یاد رکھنا کہ شادی سے پہلے ایک مرد کی محبت اور اسی کے شوہر بن

جانے کے بعد کی محبت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اور تم بہت پچھتا دھکا چکیں، کنعان کے ساتھ مس بی بیو

کر چکیں، آگے تم نے ایسا کچھ نہیں کرنا ہے کہ تم اس کے دل سے اتر جاؤ بیوی ایک دفعہ دل سے اتر جائے، تو کبھی

دوبارہ وہی مقام حاصل نہیں کر پاتی، اس لیے تم نے شوہر کی عزت کرنی ہے، اس سے محبت کرنی ہے، اس کے دل

میں مضبوط مقام بنانا ہے اور اس کے لیے تمہیں مجھداری کا ثبوت دینا ہوگا، اپنی ذات کو پس پشت ڈالنا ہوگا، ضدیں

چھوڑ کر اپنی منوانے کا خیال چھوڑ کر سبر جھکا نا سیکھنا ہوگا، تمام میدان سرائی کر نہیں جیتے جاتے کچھ جیتیں ایسی ہوتی

ہیں، جو نرمی سے، جھک کر حاصل کرنی پڑتی ہیں۔“ وہ بیٹی کی خود پسندی اور ”میں“ سے واقف تھیں، اس لیے نرمی

سے کچھ سختی سے اسے بہت بڑا سبق تھی، مگر وہ اپنی ذات کو کہیں پاتال میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اسے لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی

اس کے لیے بہت بڑا سبق تھی، مگر وہ اپنی ذات کو کہیں پاتال میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اسے لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی

مقتل گاہ میں جا رہی ہو، جہاں اس کی خودی، اس کی اتنا اور اس کی ”میں“ ذبح کر دی جائے گی، لفظ شادی اور لفظ

شوہر نہیں اس سے وابستہ تمام لفظوں، تمام رشتوں اور احساسات سے اسے چڑ اور بے زاری سی محسوس ہو رہی تھی،

اسے اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا تھا، مگر کوئی اسے ایسی جائے پناہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں وہ اپنی ذات کی قبا اوڑھ کر

پوشیدہ ہو جاتی، راہ فرار نہ تھی اور دل میں ہزار وہم، ہزار خدشے، ہزار ہا وہم لیے اس کے تن پر خوبصورت آنکھوں کو

خیرہ کرتی عروسی قبا سجادی لگی تھی، اس کا پور پور ایک ایسے شخص کے لیے سجایا جا رہا تھا، جس کے لیے وہ اب تک کچھ

اچھا نہیں سوچ سکی تھی کہ جب سوچنا چاہا تھا، بدگمانیاں ہی بڑھتی تھیں، نرم گرم جذبات نہ اندھ سکے تھے، وہ بہت رقیق القلب ہو رہی تھی، اس کی آنکھیں رہ رہ کر برس رہی تھیں اور وہ ڈیپ ریڈ لکڑے شرارے سوٹ میں روایتی دلیوں کی طرح گچی ہر دیکھنے والی آنکھ کو کھٹکھا دے رہی تھی، اس کے ہنسنے نین نقش میک اپ نے دوا تھ کر دیے تھے، اس پر اس کی سوگاری اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی، ماہ کنعان کی نگاہ اس پر اٹھی تھی اور وہیں پھری رہ گئی تھی کہ نگاہ نے تو پلٹنا ہی تھا مگر نگاہ کا ہر احساس، ہر جذبہ اس کے چہرے پر ہی رہ گیا تھا، اور وہ بلیک شیروانی میں روایتی دلیوں کی طرح کلاہ سر پر سجائے اپنی چار منگ پر سٹیلیٹی کے ساتھ خود اعتمادی و سرمستی کے عالم میں اس کے پہلو میں کھڑا کتنے ہی دل دھڑکا گیا تھا کہ وہ دونوں ساتھ کھڑے بہت مکمل اور نظر لگ جانے کی حد تک پیارے لگ رہے تھے، جہاں وہ خوش و اعتماد تھا وہیں وہ اداس اور نروس تھی، روش پر گلاب کی پتیوں بکھری تھیں، اوپر سے بھی پتیوں الگ ان پر قربان ہو رہی تھیں اور اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے وہ زیر لب مسکراتا اس کی تنائی سرخ کالج کی چوڑیوں سے مزین کلائی تھام گیا تھا، اس کی حرکت پر اس نے نگاہ اٹھائی تھی اور وہ دفتر سے ہی مسکرایا تو اچھی کپکپوں اور غنائی لیوں کی ذمہ داری سکر اہٹ کا حسین منظر کمرے کی آنکھ میں مقید ہو گیا، وہ دونوں ساتھ چلتے آج تک پہنچے تھے، اور رسوں کا آغاز ہو گیا تھا، ہر فرد اس تھا کہ وہ بھی سب کی لاڈلی، رخصتی کے وقت وہ دھواں دھار روئی تھی اور سب کو رلا گئی تھی، کیا ساجدہ، کیا ارحم اور نوید عالم سب اس کو رخصت کرتے اس کے ساتھ رو رہے تھے، نوید عالم اپنی سگی دو بیٹیوں کو رخصت کرتے اتنے اداس نہ تھے، مگر بھائی کی نشانی جسے انھوں نے اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا اس کی رخصتی کے منظر نے ان کی آنکھیں نم کر دی تھیں، ساجدہ شوہر کی کمزوریوں سے محسوس کرنے لگی تھیں اور وہ اپنوں کی دعاؤں اور آنسوؤں تلے چم چم روئی ماہ کنعان عابدی کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”مانندہ! زکوبات سنو میری۔“ وہ رخصتی کے بعد واپسی کی تیاریوں میں تھے کہ اس کی نگاہ پارکنگ میں ارحم کی گاڑی سے ٹپک لگنے لگی کھڑی ماندہ پر پڑی تھی، جو سبز رنگ کے دیدہ زیب سوٹ میں نیچرل میک اپ کیے سوگاری بہت حسین لگ رہی تھی اور اس کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھنے لگے تھے، وہ اپنے نام کی پکار پر اپنے خیالات سے چونکی اور اسے دیکھ کر ناگواری کی واضح لہر اس کی آنکھوں میں اٹھ ائی۔

”مانندہ! مجھے بات کرنی ہے تم سے، پلیز۔“ وہ اس کے سامنے بھی ہوا تھا کہ اس کو لڑکی کو وہ کس قدر تکلیف سے دوچار کر چکا تھا، ایسی اذیت سے نواز چکا تھا، اندازہ تھا، شرمندگی تھی اور جو اس کی آنکھوں میں اترتے سہم اور آنسو کے سبب بڑھ گئی تھی، وہ بے اعتباری کا شکار تھی، اور اس سے زیادہ باعث ندامت اس کے لیے کیا بات ہو سکتی تھی، وہ لڑکی جس پر وہ تمام جائز اختیارات رکھتا تھا، اپنے غلط انداز کے سبب اس پر اپنا اعتماد کھو چکا تھا وہ خود کو ذمہ میں گڑھتا محسوس کرنے لگا تھا۔

”لیکن مجھے آپ سے بات نہیں کرنی ہے، آپ یوں میرے سامنے آ کر مجھے مزید اذیتیں دے کر کانٹوں پر نہ گھسیٹیں۔“ وہ رونا نہیں چاہتی تھی اس شخص کے سامنے جو اس کے سکون کا قاتل تھا، مگر وہ بہت کمزور تھی، اس کی فطرت کی نرمی کو ملتا ذرا سی توجہ پر ہی بکھری تھی اور وہ ہزن کے سامنے کھڑی بے بسی سے رو رہی تھی۔

”مانندہ! میں بہت شرمندہ ہوں، خدا کے لیے مجھے معاف!....“ وہ اس کے بے بسی سے کانپتے وجود سے نگاہ چراتا نہایت دکھ اور شرمندگی سے کہنے لگا تھا۔

”میں آپ کو مگر کبھی معاف نہیں کروں گی اجد عالم! آپ نے عرش سے مجھے فرش بنا دیا ہے۔“ وہ رو رہی تھی

اور وہ شرمندگی سے اسے دیکھتا دو قدم پیچھے ہو گیا تھا۔
 ”اپنا وجود فرش کی قاب محسوس ہوتا ہے اور گرد آلود اندھیرے میں ڈوبی قبا آپ اپنی مردانگی کے ثبوت کے لیے استعمال کر چکے، اب اس قبا کو اتار بھیجئے، مجھے آپ سے ملنے والی ہر ذلت نہ چاہئے ہوئے بھی قبول ہے، اور میں اپنی داغ داغ زندگی و ذات کے ساتھ سچی رہوں گی، اب میں اٹھ نہیں سکتی کیونکہ فرش، کبھی عرش نہیں بنایا اور آپ نے مجھے فرش بنادیا، اب اگر رجا جائے، نہ خود کو پریشان کریں، نہ میری اذیتوں کو بڑھا سکیں، فرش سے گزر کر عرش پر پہنچ جائے اور جب اس عرش پر ملوں گی آپ سے تب آپ کا گریبان تمام کمر سوال کروں گی، پوچھوں گی آپ سے اپنا قصور؟ ابھی جائے کہ ہر بات، ہر کوشش اب بے کار جائے گی کہ اس ماندہ کو آپ نے روند ڈالا ہے، جو رشتوں کے لیے، ان کے احساسات کی خاطر جیا کرتی تھی، گری ہوئی عمارت کی جو باقیات ہیں ناں... اسجد عالم! ان سے میں نے اپنا ایک نیا خاکہ تراشا ہے، جس میں رشتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی کہ رشتوں کے نام پر ماندہ نے بہت ذلت سہی، بہت عزت کمالی، اس لیے اب مجھے صرف نام نہاد رشتوں سے چھٹکارا چاہیے، مجھے آپ سے طلاق چاہیے اسجد عالم!“ اس نے آنسو گرے تھے پھر ساکت کھڑے اسجد عالم پر نگاہ کی تھی، جسے وہ احساس دلانے بغیر ذلیل کیے بنا عداوت کے زیر اثر لے گئی تھی، ایسی عداوت کہ وہ ختم بھی ہو جاتی تو اس کا احساس چٹارہ جانا تھا۔
 ”میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔“ وہ وہاں سے نکلنے لگی تھی کہ اس نے اپنی تمام تمہیں جمع کر کے کہا تھا۔
 ”میں یہ نہیں جانتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں مزید نام نہاد رشتے کو نہیں نبھاسکتی، آپ طلاق دے دیں گے تو ٹھیک، ورنہ یاد رکھیے گا کہ میرے پاس خلع کا آپشن ہے اور جسے میں سب کی مخالفت کے بغیر بھی استعمال کروں گی۔“ وہ اس کی آواز پر تھی، اور پلٹے پیاسہ دل بھی بے کبریٰ اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی، وہ شکستہ قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا، اپنی ذات کی شکست پر وہ جتنی آرزو تھی اتنی ہی آرزو تھی اس نے اس کی شکست پر بھی محسوس کی تھی، اپنی شکست سے تو جان چھڑا نہیں با رہی تھی، اس کی شکست کی اذیت سے بچنے کو رنج پھیر کر آنکھیں بند کر لی تھیں، آنسو اس کے رخساروں پر گرتے چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

اس نے ماہ کنعان عابدی کی ہمراہی میں ”ماہ دلاز“ میں قدم رکھے تھے، مشراہند مسز عابدی رسما اسے منہ دکھائی میں قیمتی تحفے دیتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے، اس کا استقبال ماہ لاج اور میرا نے ہی کیا تھا، ماں باپ کا یوں چلے جانا وہ خود پر ضبط کے کڑے پہرے نہ بٹھاتا تو کچھ التماسیدھا کر بیٹھتا اور اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے ہی فیصل نے بیوی کو اشارہ کیا تھا، سمیرا جو خود پریشان تھی اسے لاج کے ہمراہ ماہ کنعان عابدی کے کمرے میں لے گئی تھی، اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا کہ اس کے گھر میں بھی شادیاں ہوئی تھیں، اس نے نئی دہلی کا اب تک شاندار استقبال اور نہ جانے کون کون سی رسمیں ہوئی دیکھی تھیں اور اس کا روکھا پچھا کا استقبال ہوا تھا، بناء کسی رسم کے اسے کمرے میں چھوڑ کر وہ دونوں ہی چلی گئی تھیں، اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ گرنے لگے تھے۔
 ”ممی! جو لوگ میرا اچھا استقبال نہ کر سکے، میری آمد پر خوشی کا جھوٹا نکتہ اظہار نہ کر سکے، کیا میں ان کے لیے کبھی اپنے دل میں جگہ بنا پاؤں گی، جنھوں نے میری پہلے ہی قدم پر تذلیل کی، انھیں عزت دے پاؤں گی؟“ وہ روتے ہوئے ماں سے مخاطب ہوئی تھی۔

”میں محبتوں کی نہیں عزتوں کی بھی عادی رہی ہوں، بقول آپ کے ارحم بھائی! شخص مجھے محبت دے گا، مگر کیا میں عزت اور مان کے بغیر وہ پاؤں گی؟ جو شخص میرا اچھا استقبال نہ کر و اس کا وہ مجھے محبتوں میں رنگ بھی دے تو کیا؟“

کہ رنگ تو موسم کی پہلی بارش میں ہی نکل جاتے ہیں۔“ اس نے سسکی لی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی اس کی سوچ کنعان کے لیے بہت غلط ہے، وہ جب اسے نہ سمجھ سکتی تھی، اس کی محبت اس کی گہرائی تک کیسے پہنچ سکتی تھی کہ اس کی محبت پر تو عشق کا رنگ غالب تھا اور محبت کے رنگ اتنے کچھ نہیں ہوتے کہ سال کی پہلی بارش کی نظر ہو جائیں، تو پھر وہ تو اس کے عشق میں رنگا تھا اور اس کی کوری ذات کو اپنے عشق میں رنگ دینے والا تھا، ایسا پکا مضبوط رنگ جو مرتے دم تک نہیں نکلتا، انسان فنا ہو جاتا ہے، مگر عشق کا رنگ نہیں دھلتا کہ عشق روح کی قبا ہوتا ہے، اور عشق کی بند قبا ہے بہت مشکل سے اپنی معراج تک جا کر کھلے، مگر کھلتی ضرور ہے کہ عشق ایک جادواں سفر ہے، روح سے روح تک پہنچ ہی جاتا ہے، بس اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ عشق و روح کا سفر، یہ عشق میں رنگ دینے کے مرحلے کب طے ہونے لگے؟ محبوب نے محبت کے دل تک کب سفر کرنا تھا کہ ابتداء تو ہونے کو تھی، عشق نے اپنی کمر کس لی تھی اور عاشق تو تھا ہی والد و شیدا، سب کچھ وارنے کو تیار، قدموں میں ڈھیر کرنے کو راضی، جھکنے کو تیار، جھکانے سے برگشتہ، ملن کو بے قرار، تن من وارنے کو تیار و راضی، وہ کتنی ہی خواہشیں دل میں جگائے، آنکھوں میں مسرت و خمار لیے با اعتماد و سرشاری سے لبریز چال چلتا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا کہ یہ کمرہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے اپنی پسند سے سجایا تھا، بیڈروم سیٹ سیاہ رنگ کا تھا، دیوار پر پینٹ اور پردے وائٹ تھے، بلیک فرنی کارپٹ جو وائٹ پھولوں سے مزین تھا، کمرے کی دیواروں پر آویزاں ان کے نکاح کی سب سے حسین تصویریں، ڈریسنگ ٹیبل کے عین سامنے والی دیوار پر لگا اس کا پورٹریٹ جو اتنا حسین تھا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ کو ساکت کر دے، بیڈ سے اٹھتی گلاب اور موہی کی مہک، کمرے کے کلبے سے اندھیرے میں کھلی کھڑکی سے جھانکتی چاند کی نرم سی روشنی ہر چیز بہت مکمل تھی، بہت حسین تھی، اس کے احساسات ڈر و خوف کے ساتھ ساتھ عجیب سی لے اختیار کرنے لگے تھے کہ دروازہ کھل کر بند ہونے کی آواز نے رہی سہی کسر بھی پوری کر ڈالی تھی، بیڈ سے زافا صلی پر اس نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا، جو گلاب کے پھولوں اور پتیوں میں گھری بیٹھی خود گلاب کا پھول لگ رہی تھی، اس کے لرزتے وجود اور ارتعاش زدہ پکوں کو دیکھ کر وہ دھیسے سے مسکا تا بیڈ کے سر پانے تک گیا تھا، اس نے آنکھیں تختی سے بند کر لی تھیں، مگر زونسن کا وہ عالم تھا کہ بند پکوں پر بھی لرزا ہٹ طاری تھی، خوبصورت لب ڈارک سرخ لب اسٹک سے سج لڑتے ہوئے بڑے ہی قاتل لگ رہے تھے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کر دیکھتے ہیں
 یہ بات ہے تو چلو اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں
 سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
 کہ پھول اپنی قابیں کتر کے دیکھتے ہیں

کمرے کے خوابناک ماحول میں اس کا میجر لہجہ کیا گونجا اس کا دل پسیاں تو زکر باہر آنے کو بے تاب ہونے لگا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تمام لیا۔

”آج میں کتنا خوش ہوں، خود کو کتنا مطمئن پارہا ہوں لفظوں میں تو کیا اپنے کسی انداز سے بیان نہ کر سکوں گا، تم تو وہ ہو جان کنعان! کہ جسے میں نے خود سے زیادہ سوچا، محسوس کیا، لگتا ہے کہ آج میرے پہلو میں تم نہیں، میری خواہشیں، میرا جنون، میرا عشق براجمان ہے۔“ وہ میجر لہجے میں اپنے جذباتوں کا کچھ حصہ کہہ گیا تھا اور ایک ہاتھ، ہاتھ میں تھا دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے کے نیچے میں نقش چھو رہا تھا اس نے گہرا کر آنکھیں کھولی تھیں، دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں، وہ پچھلی پچھلی جھکائی تھی اور وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

”یار! کہنے کو اتنا ہے کہ اگر تم سے اپنے جذبات، محسوسات کہنے پر آؤں تو ایک عمر بیت جائے۔“ وہ غمناک لہو میں اظہار کی ابتدا کر گیا تھا۔

”اپنی آخری سانس تک کے لیے تمہیں اپنا بنالیا ہے، آخری سانس تک کے لیے یہ ماہ کنعان عابدی بس تمہارا، کہ اب صرف تمہارے لیے ہی جیے گا، زندگی میری نام تمہارے، آج پورے کا پورا ماہ کنعان عابدی تمہارا۔“ وہ بہت میٹھے جذبوں سے چور لہجے میں کہہ رہا تھا، اسے اس سے مانگنے کے بجائے خود کو اسے سوپ دیا تھا رود ڈر و خوف بھلائے حیرانگی سے اسے سن رہی تھی کہ جو وہ کہہ رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پاری تھی، مگر دل کی لے بھی

غیب ہی تھی۔ میں نہیں تم سے نہیں مانگوں گا کہ میں نے صرف تمہارا بننا ہے، کیونکہ تم تو میری اسی دن بن گئی تھیں، جب تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا، جب پہلی دفعہ تمہیں محسوس کیا تھا، جب تمہیں اپنے نام کیا تھا، تم تو صرف میری ہو اور میں تمہیں بس یہ یقین سوچنا چاہتا ہوں کہ میں صرف تمہارا ہوں، میری ہر سانس صرف تمہارے نام، یہ ماہ کنعان عابدی تمہارا ہوا جنین عابدی! اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنے کنعان کو دل میں رکھتی ہو، نظر میں رکھتی ہو، محبت بناتی ہو، نفرت سمجھتی ہو، کہ جذبہ کوئی بھی ہو، احساس کوئی بھی ہو تم سوچو گی مجھے ہی کیونکہ تم میری ہو، تم نے مجھے ہی سوچنا ہے اور میں بھی تمہارا ہوں، میں نے بھی صرف تمہیں ہی سوچنا ہے، میں تمہیں دل سے نکلنے نہ دوں گا اور تم کیا کرتی ہو، یہ تمہارا کام ہے کہ مجھے اپنی جنین کی حفاظت خود کرنی ہوگی اور تمہیں اپنے ماہ کنعان کی حفاظت خود کرنی ہوگی۔“ وہ عجب بے تکلف لہجے میں کہہ رہا تھا اور وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس کے ہاتھ کالس آٹکھوں سے لیوں تک آ جانے پر محض سوچ کر ہی رہ گئی تھی اور اس نے اس کی چپو لری اتارنی شروع کر دی تھی۔

”یار! میں تو تمہاری ایک جھلک پر ہی مرنا تھا، مزید میرے قتل کا سامان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ اب کے دوستانہ انداز میں اس کو تیاری کے حوالے سے چھیڑ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے کہ وہ اس کی بے تابیوں کی تاب نہیں لا پاری تھی۔

”اف... تمہارے یہ آنسو، کسی دن اس کھاری ندیا میں ڈوب جاؤں گا۔“ وہ اس کے آنسو خونی سے کہتا لیوں سے چن رہا تھا، اس کا چہرہ شدت ضبط و جذبات سے غمناک تھا، وہ خاموش تھی اور صرف وہ بول نہیں رہا تھا، اس کے جذبات، اس کے محسوسات ہی نہیں اس کا بس بھی بول رہا تھا، وہ اس کی مرمریں کلائی سے چوڑیاں اتار رہا تھا اور اس کی جان پر بن آئی تھی۔

”جس شام میں تمہاری نازک کلائی مرمریں ہاتھوں کی خوبصورتی کو محسوس کیا تھا، نگاہ سے چھوٹا تھا تب ہی سوچ لیا تھا کہ میں تمہیں رونمائی میں نکلن دوں گا۔ نہایت حسین سیاہ جڑاؤ نکلن اس کی دودھیا کلائی میں سج کریتی ہو گئے تھے، اس نے اپنے لب بے ساختگی میں نکلن پر رکھے تھے وہ چھوٹی موٹی سی ہوئی جا رہی تھی، اس کی ساری توجہ اس کے ہاتھوں پر ہی مرکوز تھی، وہ دھیرے دھیرے نکلن کو چھو رہا تھا کہ یکدم اس نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا، اس کی تو وہ حالت تھی کہ اب جان لگی کہ تب نکلن اس نے سرخ زرتار آچل کو بڑی نرمی سے اس کے وجود سے چھین لیا تھا اور دراز ہو کر اس نے ساری لائش ہاتھ مار کر بجا دی تھیں، چاند کی نرم روشنی کمرے کی خوابنا کی کوا لگی ہی سحر عطا کرنے لگی تھی۔ اسے اپنے چہرے و گردن پر اس کی ہر جدت سانسوں کی پیش محسوس ہونے لگی تھی، اس نے لب کچلتے ہوئے آنکھیں میچ لی تھیں اور وہ اس کو اپنے سینے پر گرائے اس کا ہاتھ تھامے محسوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”اور جب کبھی بند قبا کھلتے لگتی جاناں! اپنی آنکھوں کو تیرے حسن سے خیرہ کرتا مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ میں تیری زلف کے آنگن میں مہلکا رہتا کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا نکلن ہوتا“

وہ دودھیا کلائی میں سجے نکلن کو انگلی سے جنبش دیتا لیوں سے چھوٹا محسوس لہجے میں دل کی شدتوں سے کہہ رہا تھا، اپنے حق کا استعمال کر رہا تھا، اور وہ اس کے جذبوں اور جساتوں پر بند نہ باندھ سکی تھی، اور وہ کاش کی گردان کرتا، بے نام سے بندھن میں الجھا سب سے مضبوط رشتے کی بنیاد رکھ چکا تھا، وہ رشتہ جو ناک کے تین بولوں سے شروع ہوا تھا، وہ رشتہ جسے بہت اہمیت حاصل تھی، وہ رشتہ جس میں بندھ کر دو انجان لوگ بہت اپنے بن جاتے تھے اور دو انجان و اجنبی دل کی ڈور سے بندھے، حجاب و دوری کی قبا کھولتے، قربت و ملن کی قبا اوڑھ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”پلیز یئر! اسے چپ کرواؤ، اس کی آواز میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی ہے۔“ وہ اس کی شکل دیکھتی لب چلتی روٹی ہوئی تھی حسنی کو لیے کمرے سے نکل گئی تھی اور آدھے گھنٹے بعد اسے سلا کر بواجی کے حوالے کر کے، وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی، تو وہ کھڑکی میں کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا، اسے حیرت ہوئی تھی کہ ایسا فرسٹ ٹائم دیکھا تھا تو حیرت بے جا نہ تھی۔

”اجدا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ حیرت کو سائیڈ میں رکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

”دھیرے دھیرے میرے ہاتھوں سے سب کچھ نکلتا جا رہا ہے، رشتے ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسلتے جا رہے ہیں۔“ وہ آزدگی سے کہتا تھا میں دھواں آزا کر گیا تھا۔

”ابو نے تو کیا امی نے بھی میرے سلام کا جواب تک نہیں دیا، شاز مین الگ ناراض ہے کہ راحم اس سے خفا ہے، میں نے شاز مین کے بیٹے کو پیسے دینے چاہے تو وہ اس نے اٹھا کر پھینک دیئے، اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی میں آنے والی دشواریوں کا وہ مجھے سب سمجھتی ہے اور وہ کچھ غلط بھی تو نہیں سمجھتی ناں، میں ہوں ہی براء، مجھے رشتے نبھانے نہیں آئے ان کی عزت نہیں کر سکا میں۔“ وہ اس سے لپٹ کر رو پڑا تھا۔

”اور اس سب کی ذمے دار صرف میں ہوں، میری خود غرضی نے آپ کو یہ دن دکھایا ہے۔“ وہ اس کو بیڈ پر بٹھاتی اسے پانی پلانے کے بعد نیچے کارپٹ پر اس کے پیروں میں بیٹھ گئی تھی۔

”لیکن میں بہت مجبور تھی اجدا! آپ کو کھونے کا حوصلہ ہی نہیں تھا مجھ میں، اس لیے میں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ شادی کر لیں، لیکن میں غلطی کی اجدا اور آپ صحیح تھے، آپ نے صحیح کہا تھا کہ راستے لوگوں کی زندگی برباد ہونے سے بہتر ہے کہ ہمارے دل اجڑ جائیں، لیکن میں اس کے لیے آبادہ نہ ہوئی، آپ کی محبت مجھے آپ سے دور ہونے کا حوصلہ نہیں دیتی تھی، آپ کے دور جانے کا خیال میری سانسیں چھیننے لگتا تھا اور آپ کو پالیا میں نے مگر ہمارے ملن میں کتنی آہیں تھیں، کتنے دل کتنے رشتے ٹوٹے تھے اور ان میں سے کسی کی ایک آہ ہمیں لگ گئی، ہم بہت کچھ پاکر بھی ادھورے ہیں کہ ہمارے پاس رشتے نہیں ہیں، اپنوں کا ساتھ ان کا مان نہیں ہے، دیر ہو گئی ہے اجدا! بہت دیر... مگر کوئی روز ان ابھی بھی ضرور کھلا ہوگا، اسی کے ذریعے آپ اپنے رشتوں تک پلٹ جائیں، میں

آپ کے بغیر مر کر جی لوں گی، بس آپ لوٹ جائیں اپنوں میں، مجھے چھوڑ دیں اسجد! وہ رورہی تھی، بلکہ رہی تھی، وہ اپنی ہر تکلیف بھلا کر، ماندہ کے لفظوں اور نگاہ سے اتنی دل میں اذیت کو فراموش کیے ناگواری غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے آپ سے آپ کے رشتے چھیننا کبھی نہیں چاہے تھے، اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ آپ ماندہ سے شادی کر لیں، مجھے لگا تھا کہ وہ کپور و ماہر کر لے گی، مگر وہ نہیں کر سکتی تو آپ اسے مجبور نہ کریں کہ وہ آپ کی خاندانی بیوی ہے، آپ کے ابو کی پسند ہے، آپ اسے کیسے بھی کر کے ساتھ رہنے کو راضی کر لیں، اس سے کہہ دیں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔“ وہ کہہ رہی تھی اس نے اسے بازو سے تھام کر اپنے مقابل کھڑا کیا تھا اور بچکیاں بھرتی یسری کے رخسار پر گھما کر ایک طمانچہ لگا تھا۔

”بکواس بند کرو اپنی، ہر بات کہہ دینا تمہارے لیے کتنا آسان ہوتا ہے، جان دار بھی دیتی ہو اور کھینچ بھی لیتی ہو، اتنی ظالم کیسے ہو سکتی ہو تم؟“ وہ اس پر چلاتے ہوئے اسے کھینچ کر خود سے لگا گیا تھا، اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی، جب وہ ہسپتال سے بہت غصے میں گھر پہنچا تھا تو اس کے کچھ گھنٹوں بعد ہی نوید عالم بھی آ گئے تھے اور انھوں نے اسے ہمیشہ کیسے کے لیے گھر سے نکال دیا تھا، اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آئندہ انھیں اپنی شکل بھی نہ دکھائے اور وہ اس وقت تو یسری سے چھپا گیا تھا مگر تک کہ وہ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ہی اس کے بہت اصرار پر بھی گھر سے بغیر چلا جاتا تھا اور اب دو دن، دو راتوں سے ساتھ تھا، وہ سوال کر رہی تھی اور اس نے ڈپٹ کر غصہ دکھا کر خاموش کر دیا تھا کہ وہاں ارحم الحسن کا آنا اس کی باتیں اسے کچھ نہ کچھ سمجھا گئی تھیں اور اس کے اصرار پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر میں اس کی شادی کا پتہ چل گیا ہے، ماندہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے اور نوید عالم نے اسے گھر سے نکال دیا ہے، وہ اس کو اپنے کارنامے کو چھپا کر بانی ہر بات سچائی سے بتا گیا تھا، وہ اس کے ساتھ ساتھ دھکی تھی، مگر اس کے لیے کچھ نہیں باری تھی اس نے جب کہا تھا کہ وہ ماندہ سے ملے گی تو اس نے سختی سے منع کر دیا تھا، یہاں تک کہ اپنے پیرئس سے بھی اسے کسی قسم کا رابطہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

”اسجد! یہ میرے لیے آپ کے لیے بہت مشکل ہے، مگر اب یہی مناسب رہے گا۔“ وہ اس سے الگ ہوتی ہوئی تھی۔

”اب بکواس کی ناں تو جان سے مار دوں گا۔“ اب کے وہ غصے سے پھنکارا تھا۔

”اتنے لوگوں کی زندگی میری وجہ سے برباد ہو رہی ہیں، کتنے لوگ میری وجہ سے ناخوش ہیں، مجھے تو مر ہی جانا چاہیے۔“ وہ بچکیاں لے رہی تھی۔

”سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے اور اس کا سبب میری ذات ہے، تمہارا لیتا دینا نہیں ہے، میں ہی بہت کمزور تھا، جو اپنی محبت نہ منواسکا، اب پھر کم از کم شادی کے بعد تو تمہیں ابو کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہارے ساتھ نا انصافی کی اور ماندہ... اس کو بھی پریشان کیا، اذیت دی، وہ سب کچھ بہت پہلے جان گئی تھی، اس کو مان لیتا، تم دونوں کو ساتھ رکھ لیتا، مگر میں نے سب کچھ نہیں کر دیا، معاملات بہت بگڑ چکے ہیں، کسی طرح قابو میں نہیں آ رہے کہ ماندہ کو طلاق چاہیے اور میں چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا، اور جب میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، تمہیں کیسے چھوڑ دوں، جو ابو بن کر میری سانسوں میں گردش کر رہی ہے۔“ وہ اپنا بھرم رکھنے کو اپنا ضبط آزماتا جھوٹ بول رہا تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ ماندہ سے جڑے معاملات کے علاوہ اس کا ایک ایک لفظ سچا تھا اور سچائی اور اس کی محبت اس کی آنکھوں میں لکھی تھی۔

”اسجد! مجھے بتائیے آپ نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ اتنا پریشان ہیں، نام ہیں، آپ کی آنکھوں میں اس وقت ہر جذبے پرندامت غالب نظر آ رہی ہے، بتائیے مجھے کیا چھپا رہے ہیں؟“ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام گئی تھی اور وہ نظر چراتا اس کے سامنے سے ہی ہٹ گیا تھا۔

”اسجد! میں اور آپ الگ تو نہیں ہیں ناں، بتائیے مجھے کیا بات ہے؟ آپ نے ماندہ سے کیا کہا ہے؟ جب وہ پہلے سے جانتی تھی تو اس وقت کی بجائے اب طلاق کا مطالبہ کیوں کر رہی ہے؟“ وہ اس کی شرٹ پشت سے دبوچ کر اسے روکتی اس کے سامنے کئی سوال لے کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”اب ہر بات بھی تمہیں نہیں بتا سکتا۔“ وہ سچ کر بولا تھا۔ اور وہ اس کو دیکھنے لگی تھی، وہ غصے کا تیز تھا اور وہ اس پر بھی اچھے، برے موڈ پر اپنا غصہ عیاں کر چکا تھا، مگر وہ اس وقت غصے میں نہ تھا، جھلاہٹ و بے بسی کا شکار محسوس ہو رہا تھا۔

”بات کہہ دینے سے شیز کر لینے سے مسئلوں کا حل نکل آتا ہے اور مجھ پر یقین رکھیں اسجد! میں آپ کا یقین ٹوٹنے نہیں دوں گی، ہر اچھے و برے وقت میں، آپ کی اچھائی و برائی میں آپ مجھے ہم قدم اور رہنمائی کریں گے۔“ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے زری سے کہتی بھکی آنکھوں سے مسکراتی تھی۔

”ہم قدم... رہنما! اور ڈائیرس کی جوابات کر رہی تھیں؟“ اس کے سوالوں سے بچنے کو اس نے خود کو کپورڈ کر کے سوال داغا تھا۔

”کیسے کی تھی آپ تصور میں بھی نہیں لاسکتے، مگر میں مجبور ہوں اسجد! کہ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، آپ کو اپنے رشتوں کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ کو پچھتاوا ہو کہ آپ نے مجھے چنا، اس لیے سب آپ سے پچھڑ گئے، والدین ناراض ہو گئے، بہن کا گھر خراب ہو گیا، میں اپنے اسجد کو رشتوں کا مقروض نہیں بنانا چاہتی، اس لیے یہی بہتر لگا کہ میں آپ کو اپنی محبت سے آزاد کر دوں۔“ وہ بھر پھر کر کہتی اس کو چوٹا گئی تھی۔

”کیا تم سے کسی نے کچھ کہا ہے؟ کیا تم نے پھر میری کوئی کال ریسیو کی ہے؟“ وہ اس کو اب کے غصے سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے زرمین کی کال ریسیو کرنے کے بعد ہی تو اسے اپنی قسم دے کر شادی کے لیے مجبور کیا تھا، اور اب نیا مطالبہ!

”آج جب آپ حنین کی شادی میں چلے گئے تھے، اس کے بعد یہاں راحم الحسن آئے تھے۔“ وہ اس کو بری طرح ٹھٹھکا گئی تھی، الحسن کے مکتوبوں میں وہ واحد تھا، جو اس سے کلام تک نہیں کر رہا تھا، باقی تین افراد نے تو خوش اخلاقی و اعلیٰ ظرفی کی مثال قائم کی تھی۔

”کیا... راحم یہاں آیا تھا؟“ وہ حیرت سے بولا تھا اور وہ تفصیل بتانے لگی تھی۔

”جی، انھوں نے کہا تھا کہ وہ شازمین کے شوہر اور ماندہ کے بھائی ہیں، اپنے تعارف کے بعد انھوں نے کہا کہ میں آپ کی زندگی سے خود ہی چلی جاؤں، اگر میں آپ کو چھوڑ کر نہیں گئی اور آپ نے ماندہ کو چھوڑ دیا، تو وہ شازمین کو ڈائیرس دے دیں گے، میں نے اسی لیے آپ سے کہا کہ آپ مجھے چھوڑ دیں، میری وجہ سے شازمین کا گھر خراب ہو، یہ مجھے گوارا نہیں کہ اتنے لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود آپ کو پا کر بھی نہ خوش ہوں کہ ہماری خوشیاں تمام عمر ادھوری رہیں گی اس لیے بہتر ہے کہ ہم آدھی ادھوری خوشیوں کے لیے ماندہ اور شازمین کی مکمل خوشیاں نہ چھینیں، اس سارے قصے میں شازمین بے قصور ہے اور اس کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو گئی تو میں تمام عمر خود

کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔“ وہ حیرت سے بت بن گیا تھا، اس نے روتے ہوئے نہ صرف تفصیل بتائی تھی بلکہ اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کیا تھا۔

”تم پریشان نہ ہو، کچھ نہیں ہوگا، میں پھپھو کو جانتا ہوں وہ شازمین کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گی، اور ارحم بھی ایسا کبھی نہیں کرے گا کہ وہ شازمین سے محبت کرتا ہے۔“ وہ حیرانگی سے نکلتا اس کو ہی نہیں خود کو بھی پریشان کن سوچوں سے بچانے کے لیے مثبت سمت دیکھ رہا تھا۔

”وہ بہت غصے میں تھے اجد! وہ جو اس دن آئے تھے ان کے برعکس کہ انھوں نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا اور ارحم لجن کا بس چلتا تو وہ مجھے آپ کی زندگی سے لمحہ ضائع کیے بنا نکال دیتے، اس سارے مسئلے میں، میں ہی فساد کی ہوا ہوں اس لیے آپ مجھے ہی چھوڑ دیں۔“

”بکو اس بند کرویسری! اور یاد رکھنا کہ تمہیں چھوڑ دیا تب بھی ماندہ کے ساتھ میری زندگی شروع نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی، وہ میرے لیے اتنی اہم ہے بھی نہیں کہ اس کے لیے تمہیں چھوڑ دوں۔“ وہ اسے گھورتا کرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ بیڈ پر گر کر روتی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میں اس شخص کے لیے اتنی زیادہ غیر اہم ہوں کہ شادی کی تقریبات میں سامنے پر بھی اس نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا مجھے۔“ وہ بستر پر دراز آرزوگی سے سوچ رہی تھی کیونکہ وہ تو کسی خوشبو جیسی بات اور دل میں اتر جانے والی نگاہ کی منتظر تھی، مگر اس کا انتظار، انتظار ہی بنا اس کا منہ چڑاتا اسے دکھ سے دوچار کر رہا تھا، کہ برتھ ڈے پارٹی میں حادثے کے بعد جو آنے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اس نے پورا نہ کیا تھا، اس کے اٹکوتے بھائی کی شادی بھی اس نے ایک ایک چیز بڑی شاندار لی تھی جو اس پرچ کر اور حسین ہو گئی تھی، مگر اس کی تیاری بطور خاص جس شخص کے لیے تھی اس کے سوا سب ہی نے اس کی تعریف کی تھی، اس سنگدل کی ماں نے بلا میں لی تھیں، کتنے ہی نوٹ اس پر سے وارے تھے، اور وہ خوش فہم ہو گئی تھی، آج تو وہ اسے سراہے گا، مگر وہ تو بنجید کی سے بھی اس کے ساتھ تو بھی اس کے ساتھ کھڑا تیس بنا رہا تھا، یہ نہ تھا کہ دونوں کا سامنا ہی نہ ہوا ہو، مایوں کی شب وہ اس پر آ رہا تھا، تو وہ بھائی کے پہلو میں بیٹھی اسے تنگ کر رہی تھی، ہنس رہی تھی، دونوں کی ساتھ پکڑتی تھیں، مگر جمال ہے جو اس نے کچھ کہا ہو یا ماتی سب سے ہٹ کر کسی خاص نظر سے دیکھا ہو، اور ویسے کی شب تو وہ مہوش کے چھپے بھاگتی اس سے ٹکرائی تھی، گجرے اس کے قدموں میں گر گئے تھے اور وہ سادگی سے اٹھا کر انھیں اسے پکڑا تا نکلتا چلا گیا تھا، جب سے ہی اسے روٹنا آ رہا تھا کہ وہ کوئی عام ی آرام سے نظر انداز کر دینے والی بھی نہ تھی کہ اس کی خوبصورتی اپنی مثال آپ تھی، اوپر سے ان کے درمیان جزا رشتہ کی شرارت اور سرگوشی کا متقاضی تھا، مگر لگتا تھا جیسے وہ جذبات سے عاری ہو، محض ”سوری“ کہہ کر گجرے پکڑا تا اس کے برابر سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ جو پوری محفل میں ضبط کرتی رہی تھی، گھر آ کر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے، ساری آرائش اس نے بے دردی سے نوح ڈالی تھی اور نیکیے میں منہ دیے سکے تھی تھی۔

”کہیں جنین نے اپنی جذباتیت میں ہر بات ارحم سے کہہ تو نہیں دی تھی؟“ وہ اپنی سوچ پر گہرا اکڑاٹھ بیٹھی۔

”جنین تو ان سے کچھ چھپاتی بھی نہیں، اس نے انھیں بتا دیا ہو اور انھوں نے منہ منہ صرف جنین کے کہنے پر کی ہو کہ وہ جنین کی کوئی بات نالتے بھی تو نہیں۔“ وہ لب کھلتے ہوئے بے چینی سے سوچ رہی تھی۔

”نہیں، کوئی اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کسی کے لیے کیسے لے سکتا ہے؟“ اس نے سر کو ہلاتے ہوئے اپنی ہی

سوچ کی نفی کی تھی۔

”لیکن جن سے محبت کی جائے، ان کی خوشی کا خیال رکھا جائے تو کیا چھوٹا فیصلہ اور کیا بڑا۔“ دماغ نے نیا پوائنٹ اٹھایا تھا۔

”لالہ جان سے شادی کا فیصلہ اس نے بھی تو صرف ارحم کے لیے کیا، تو پھر ارحم اس کے لیے کیوں مجھ سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے۔“ وہ خود سے سوال جواب کا کھیل کھیل رہی تھی، الجھتی پریشان ہو رہی تھی۔

”تو کیا جنین اور ارحم ایک دوسرے سے...؟“ وہ یکدم ہی لب کا کونا دانتوں تلے چل گئی تھی، ہونٹ کے کنارے سے خون رسنے لگا تھا کہ یہ خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا کجا کہ وہ اس خیال کو ذہن سے نکال کر یوں تک لاتی۔

”نہیں وہ جنین سے محبت نہیں کرتے، ایسا ہوتا تو ان کے درمیان تو کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔“ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی اپنی سوچ کی شدت سے نفی کرنے لگی تھی۔

”ارحم! جنین سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی مجھ سے لالہ جان، ان کے انداز میں، پیار میں نرمی و شائستگی اور پاکیزگی پکیتی ہے۔“ وہ اپنے ذہن میں کتنے ہی مناظر کو لا کر تجزیہ کرتی زیر لب بولی تھی۔

”اس دن جب جنین نے مجھ سے لالہ جان کی وجہ سے لفٹ نہیں لی تھی، تب ان کی آنکھیں دیکھی تھیں میں نے کتنی صاف تھیں، آئینے کی طرح شفاف.... اور جنین.... اس نے تو خود مجھ سے کہا تھا کہ...!“ وہ بھر کر اس کی کبی بات سوچنے لگی تھی۔

”یہ میرے پاپا کی تصویر ہے اور میرے ارحم بھیا، میرے پاپا سے بہت ملتے ہیں، جب میں بہت چھوٹی تھی تب میرے پاپا مجھے چھوڑ گئے تھے، ارحم بھیا مجھ سے تقریباً گیارہ سال بڑے ہیں، مجھے دھیرے دھیرے ان میں اپنے بابا کی شباہت محسوس ہونے لگی اور میں ان کے قریب ہو گئی، مجھ سے وابستہ میرا ہر رشتہ میرے لیے بہت اہم ہے، میرے اپنوں نے مجھے میری سوچ سے بڑھ کر چاہت دی ہے، مجھے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوایا اور جیسے بیٹیاں ماں سے بڑھ کر باپ کے نزدیک ہوتی ہیں، میں تایا ابو کے قریب ہوتی چلی گئی تھی، اپنے پاپا جیسے نظر آنے والے ارحم بھیا تو میری کل کائنات ہیں اور شاید وہ میرے لیے می، تایا ابو اور زرین آپنی سے بڑھ کر اہم ہیں کہ می بھی ایک ہیں، تایا ابو بھی مگر ارحم بھیا تو میرے لیے تین ہیں، میرے پاپا، میرے بھیا اور میرے دوست، اور میں جو بات ایک باپ سے نہیں کہہ سکتی، بھائی سے کہہ دیتی ہوں اور جو بھائی سے نہیں کہہ سکتی وہ دوست سے کہہ جاتی ہوں کہ وہ ایک شخص میرے لیے چاہت و عزت کا بحر و سائبان ہے، وہ جب سے پنڈی گئے ہیں، میں بہت اداس ہوں، دعا کرتی ہوں ان کا ٹرانسفر یہاں کراچی ہو جائے، تو تم بھی دعا کرنا لاج! کہ وہ واپس آ جائیں اور زندگی میں چاہے مجھ سے ہر کوئی روٹھ جائے، ارحم بھیا نہیں، اسی لیے صرف ان کو منانے کو ان کی بات کا مان رکھنے کو میں نے نکاح کیا ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میں ارحم بھیا کا مان نہ توڑ دوں، اس لیے دعا کرنا میں نئے رشتے کو ایکسپٹ کر لوں کہ خود ٹوٹ بھی جاؤں گی تو ارحم بھیا کا مان نہ ٹوٹے دوں۔“ اس کا بھیا لہجہ اس کے کانوں میں کیا گونجا تھا، وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئی تھی اور خود کو ڈھنکے گئی تھی۔

”آئی ایم سوری! میں! میں لمحے بھر کو اپنی سوچ کے ساتھ بھٹک گئی تھی، ایکسپریس سوری، بٹ اگر ارحم نے مجھ سے منہ منہ صرف تمہارے کہنے پر کی ہے، تو میں رشتہ توڑ دوں گی۔“ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا کہ دل تکلیف سے بھر گیا تھا، وہ شخص اپنی تمام تر بے اعتنائیوں اور بنجیدگیوں کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا تھا، اور وہ

اس کے سنجیدہ رویے کو سوچتی پریشان ہوتی رات آنکھوں میں ہی کاٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری یہ اداسی اور خاموشی میری سمجھ سے باہر ہے جنین!“ وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا کہ بے شک وہ کچھ خود سمجھ رہا تھا، کچھ باتیں سننے کے سبب جان گیا تھا، مگر منہ اٹھا کر کہہ تو نہیں سکتا تھا، اس لیے اسے کھوجنا چاہتا تھا، آیا وہ اسے کیا بتاتی ہے؟ بتاتی بھی ہے یا نہیں؟

”میں اداس نہیں ہوں۔“ وہ دھیمے لہجے میں کہتی چوہری اتارنے لگی تھی، یہ اس نے کل سے اب تک پہلا مکمل جملہ اپنے منہ سے کمرے کی فضا میں آزاد کیا تھا۔

”تم اداس نہیں ہو، لیکن پھر مجھے اداس کیوں لگ رہی ہو؟“ ملکہ پھلکے انداز میں بولا تھا۔

”دیکھو جنین! بات کہنے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں، تمہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو کہہ دو۔“ وہ نرمی سے اسے بولنے لگا کسار ہاتھا۔

”میرے کل کے اور آج کے موڈ میں اور رویے میں ذرا بھی فرق نہیں ہے اور جو بات آپ کو کل محسوس نہیں ہوئی، اس کو آج محسوس کر کے اس کا کل نکالنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔“ وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہتی، آنسو بہاتی اٹھی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تمام کمرے سے واپس بٹھا گیا تھا۔

”ہر بات کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے اور اسی لیے میں نے کل کی رات ضائع نہیں کی کہ گلے شکوے تو عمر بھر دور کیے جاسکتے ہیں، مٹانے کو فاصلے بھی بعد میں مٹائے جاسکتے ہیں، مگر خوبصورت وقت تو نکل جاتا کہ زندگی میں کتنی ہی جینیں، کتنی ہی راتیں آئیں، کل کی رات اور آج کی صبح ہر رات صبح پر بھاری ہی رہے گی اور میں کل کی رات کو گوانا نہیں چاہتا تھا۔ تمہارے انداز میں اداسی تھی، جھجک تھی، ڈرتھا، لیکن اس سب کے باوجود بے زاری وغصہ نہ تھا، لائق تھی مگر خود پسندی بھی تھی، کچھ پوزینو تھا، کچھ نیگیو تھا میں نے اگر پوزینو پہلو پر نظر رکھی تو کیا غلط کیا؟ بات کر کے پریشانی تو آج بھی دور ہو سکتی ہے، لیکن کل کی رات مس کر دیے تو عمر بھر نفسی محسوس کرتے۔“ وہ خود اعتماد بولڈ تھا اور بولڈنس کا ثبوت دیتا اس کے ماتھے پر جنین کے قطرے نمودار کر گیا تھا، اور اس کی ذومعنی گفتگو سے اس کے چہرے کی رنگت ٹھنڈا گئی تھی۔

”خاموشی محسوس کی تھی میں نے تمہاری، مگر مجھے یقین تھا کہ تم کچھ بول ہی نہیں پاؤ گی کہ ہاں بول سکتی ہو تو ہوں میں تمہارے سامنے، بولو کیا بولنا ہے؟ دوسرا کیا دینی ہے؟ کہ بات تمہاری بات کو اہمیت نہ دینے کی نہ بھی وقت کو اہمیت دینے کی تھی، میں نے تو رات ہی کہہ دیا تھا کہ تم میری ہوئیں، میں تمہارا ہوا، تم مجھے اس طرح خاموش، شرمیلی، لجائی اچھی لگیں میں اس پر فدا، تم آج بول اچھی نہیں لگ رہیں، تو اس فیئر سے نکالنے کو کوشاں ہوں میں اپنی جنین کو اپنے انداز میں دیکھنا، رکھنا چاہتا ہوں اور اب یہ تم پر ہے کہ تم اپنے ماہ کنعان کو کیسے رکھو، اداس تو میں بھی ہوں کہ تم اداس ہو، میں بول اس لیے رہا ہوں تاکہ تمہاری خاموشی ٹوٹے، جب میں تمہارے لیے اتنا کچھ کر رہا ہوں تو کیا تم میرے لیے کچھ نہیں کرو گی؟ میں بھی تو تمہارے منہ سے اپنے لیے کچھ سننا چاہتا ہوں، آج تک تم نے تو میرا نام بھی پیار و حق سے اپنے احمریں لبوں سے ادا نہیں کیا۔“ وہ دھیمے دھیمے کھیر لہجے میں کہتا اس کے چہرے پر پرچاب سی قوس و قزح بکھرا گیا تھا۔

”کہو ناں کچھ جنین! میرے کان تمہاری آواز سننے کے منتظر ہیں، میری تعریف نہ سہی، برائی سہی، میری برائی نہ سہی، اپنی اداسی کا سبب ہی بتا دو کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو جنین! کہ میں تمہارے لیے تمہاری خوشی کے لیے خود کو

اپنی ذات کو بھول سکتا ہوں، تم بس مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھو۔“ وہ دلکشی سے کہتا اس کا ہاتھ تمام گیا تھا اور اس کے لبوں پر لگے تھے۔

”مجھے نہیں پتہ کچھ، نہیں سمجھ آ رہا کچھ بھی، سب خوش ہیں، مطمئن ہیں، لیکن میں خوش نہیں ہو پا رہی، پتہ نہیں کہی بے اطمینانی میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گئی ہے کہ میں مطمئن نہیں ہو پا رہی۔“ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

”اس ناخوشی و نا مطمئن ہونے والے احساس کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی، وہ کہو مجھ سے اپنے احساسات، خیالات، خیال کرو، یقین کرو جنین! ہم الگ نہیں ہیں، میاں بیوی کو قرآن حکیم میں ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، اور جب ان قریمی رشتہ ہے، جب کوئی پردہ ہے ہی نہیں تو خیالات محسوسات بانٹنے میں کیسا تردد؟ کیسی جھجک، کیسا ڈر؟“ وہ اس کے رونے سے خائف ہوا تھا، مگر جب بولا تھا تو نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہ وہ اس کو غیر محفوظات کا شکار پا رہا تھا اور نرمی سے اس کے تمام بے یقین و پریشان کن احساسات جان کر ختم کر دینا چاہتا تھا۔

”میں نہیں کہہ پا رہی، آپ پر یقین بھی نہیں کر پا رہی، آپ کے بارے میں سوچ بھی نہیں پا رہی۔“ وہ بے بسی سے کہتی اسے سن کر گئی تھی، اتنی چاہت کے بعد ایسا رسائس اس کے شعور، لاشعور میں کہیں بھی نہیں تھا، اس کے رخسار پر رکھا ہاتھ بے جان، بے روح ہو کر اپنے مقام پر آن ٹھہرا تھا، بائیں ہاتھ میں موجود حنائی پتھلی یکدم چھوٹ گئی تھی۔

”ٹھیک ہے تو فیصلہ کر لو کہ زندگی کس طور گزارنی ہے یہ تو طے ہے کہ خوشی کا احساس انسان کو اپنے اندر سے ہی نکالنا ہوتا ہے، اور جب انسان خوش ہوتا ہی نہ چاہے تو اداسی یوں ہی خوشی کے بے کراں محوں میں ٹھہر جایا کرتی ہے، اب یہ تم پر ڈپنڈ کرنا ہے کہ تم خوش ڈھونڈی ہو یا میری خوشی کو بھی ماند کر دیتی ہو۔“ وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”مما پلیر! آپ لوگ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ کم از کم آپ تو میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔“ وہ طلاق لینے پر یقینی اور وہ سب اس کے لیے پریشان، اس کی زندگی سے ہراساں، کیونکہ ایسا ہوا تو وہ بہاڑی زندگی کیسے گزارے گی؟

”میں تمہارے محسوسات سمجھ رہی ہوں، تمہیں حق بجانب مانتی ہوں، لیکن جو سزا تم اجمد کے لیے منتخب کر رہی ہو، وہ صرف اس کے لیے نہیں، ہم سب کے لیے خود تمہاری لیے بھی سزا ہے، زندگی کیسے گزارو گی؟“ وہ رونی ہوئی تھی کہ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبا گئی تھیں۔

”مما! جیسے اب تک گزاری، مگر میں اب آگے ذلت نہیں چاہتی، کیوں آپ مجھے اس قفس میں بھیج کر میرا دم ٹوٹ دینا چاہتی ہیں؟“ اس کی لاچار پری پروہ دہل اٹھی تھیں۔

”اے نہ دیکھیں کہ اس قفس کی ہر اہی میری جان لے لے گی، ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے مجبور نہ کریں۔“ وہ رونی ہوئی اٹھی تھی مگر چند قدم ہی چلی تھی کہ آنکھوں کے نیچے ایسا اندھیرا آیا تھا کہ لہر کر کارپٹ پر جا گری تھی۔

☆.....☆.....☆

”فری! کیا سوچ رہی ہو؟“ ماندہ جب سے احسن ہاؤس آئی تھی، وہ سب ہی پریشان تھے مگر آج فریدہ ہر دن سے زیادہ مضطرب تھیں، گہری سوچ میں مستغرق تھیں شوہر کی آواز پر انھیں دیکھنے لگی تھیں۔

”ماندہ کو لے کر پریشان ہوں یوسف! وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں، وہ غلط نہیں ہے اجمد نے اس

کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے، وہ حق بجانب ہے لیکن کیسا بھی ہے اس کا شوہر ہے۔ آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

”مائدہ نے کمال کا ضبط دکھایا ہے فری! جتنا وہ سہہ گئی کوئی نہیں سہہ سکتا، اس نے ہم سب کے لیے ایثار کا مظاہرہ کیا، کپیر و مازکی راہ پر چلی اور جب شوہر ہی اس کا نہیں تو وہ جو فیصلہ لے رہی ہے، درست ہے، نا آسودہ زندگی گزارنے سے بہتر ہے راستے الگ ہو جائیں کہ بہتری کی دوسری راہ ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ وہ اشارتا جو کچھ گئے تھے اسے سمجھتے ہی وہ مضطرب ہو گئی تھیں۔

”یہ ممکن نہیں ہوگا، طلاق کے بعد مائدہ دوسری شادی کے لیے کسی قیمت پر راضی نہیں ہوگی اور دوسری راہ ڈھونڈنے سے بہتر ہے کہ اس راہ کو سنوارا جائے، اسجد شرمندہ ہے، معافی مانگ رہا ہے، تو ہمیں گنجائش نکالنی چاہیے، اسی میں مائدہ کی بھلائی ہے کہ ہر صورت، ہر طریقے میں نقصان مائدہ کا ہے، اگر اس کا نقصان دونوں صورتوں میں نہ ہوتا تو میں بھی اسے اسجد سے کپیر و مازکی نہ کہتی، کہ اس میں نقصان کی بھرپائی کے آثار موجود ہیں۔ وہ گہری سوچ کے بعد بولی تھیں، وہ ہر پہلو پر سوچ چکی تھیں۔

”اور اب تو مائدہ کے پاس کوئی آپشن بچا بھی نہیں ہے کہ اس نے اپنی راہیں الگ کر لیں تو سوچیں آنے والے بچے کا کیا مستقبل ہوگا؟ اصل پریشانی والی بات تو یہی تھی کہ اس کے قدموں میں بیڑیاں بڑ چکی تھیں۔ اسے اس خبر نے سکت کر دیا تھا اور وہ اضطراب سمیٹ لاتی تھیں کہ آگے کتنا، پیچھے کھائی، بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ بات ہے پریشانی والی، لیکن مائدہ کو جراثیمے نبھانے کے لیے نہ کہا جائے تو بہتر ہے، اس لیے میں اپنی بیٹی کے فیصلے میں اس کے ساتھ ہوں، اس کی مزید ناقدی نہیں چاہتا، اپنی بیٹی کو اس کی اولاد کو ہر طرح سے سپورٹ کروں گا۔ ان کا لہجہ خوش تھا۔

”یوسف! میں کب کہہ رہی ہوں کہ ہم اسے سپورٹ نہیں کریں گے لیکن باپ کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا، مائدہ کی زندگی آگے اور سکھن ہو جائے گی، میں چاہتی ہوں آپ اسے سمجھائیں، مجھ سے تو وہ بحث کر رہی ہے، اپنی بات پر ڈٹی ہے، آپ سے کچھ نہ کہہ پائے گی، کچھ چلک آجائے گی اس کے فیصلے میں۔“ وہ شوہر کو آس سے دیکھ رہی تھیں۔

”یعنی میں اسے مجبور کروں، اموشلی بلیک میل کروں، وہ بھی اس شخص کے لیے جو اسے یہاں سے لے جانے تک نہیں آیا، بھائی صاحب نے گھر سے نکالا تو خاموشی سے نکل کر اپنی من چاہی بیوی اور بیٹی کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرنے لگا، اس بے حس ناقد کے شخص کے لیے اپنی بیٹی کو مجبور کروں؟ تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا فریاد! وہ رہے اپنی زندگی میں خوش، مائدہ کوئی لاوارث نہیں ہے، نہ مجھے وہ اتنی بھاری ہے کہ اسے اس سب کے باوجود اس کے گھر روانہ کر دوں۔“ وہ غصے میں آگئے تھے اور وہ خائف ہو گئی تھیں، وہ بہت نرم مزاج، بردبار انسان تھے، غصہ نہ ہی کرتے تھے مگر جب کرتے تھے ان کی جان پر پرن آتی تھی کہ غصہ نہ کرنے والا غصہ کرے تو سمجھ نہیں آتا اسے کیسے قابو کیا جائے؟ کیسے غصے سے باز رکھا جائے؟

”اسجد آیا تھا، شرمندہ ہے، مائدہ کو ساتھ رکھنا چاہتا ہے، لیکن مائدہ نے اس سے بات ہی نہیں کی، وہ طلاق چاہتی ہے، وہ دینا نہیں چاہتا۔“ وہ کچھ برکی خاموشی کے بعد بولی تھیں۔

”ایسا واقعی میں وہ چاہتا ہے تو وہ کوشش کرے، بیوی کو منکر ساتھ لے جائے، ورنہ میں اپنی بیٹی کے فیصلے میں اس کا ساتھ دوں گا۔“ وہ ٹڑے لہجے میں انھیں باور کروا رہے تھے۔

”دیکھو فری! صرف بھائی صاحب کا منہ دیکھ کر میں خاموش ہوں ورنہ اسجد کا وہ حال کرتا کہ اسے پتہ چلتا مائدہ لاوارث نہ تھی جو اس نے یوں اس کو تکلیف دیں۔“ وہ اداس ہو گئے تھے۔

”مجھے اپنی بیٹی بہت عزیز ہے، اسی لیے صرف اس کی خوشی کے لیے اسجد کے ساتھ نرمی سے پیش آیا کہ وہ میری بیٹی کا شوہر ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ قائم رہے، اگر ایسا نہ ہوا تو یا تو تم اپنے بھائی کو کھودو گی، یا بھائی صاحب بیٹے کو کھودیں گے، اور بھائی صاحب کو میں نے ہمیشہ اپنے بڑے بھائی، اپنے باپ کی جگہ رکھا ہے، انھیں شرمندہ نہیں دیکھ سکتا، نہ یہ چاہتا ہوں کہ ان سے ہم یا اسجد دور ہوں، مگر اس کے لیے اسجد کو کچھ کرنا ہوگا، ہم سب کے اچھا کرنے، سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا، اسجد ہی تمام معاملات کو تمام رشتوں کو سلجھا کر ایک ڈوری میں باندھ سکتا ہے کہ دو شادیاں کرنا، دو بیویوں کو رکھنا مشکل ہے تاہم نہیں، طرف و حوصلہ اسجد کو بڑا کرنا ہوگا، اور ایسا نہیں کرنا تو باپ سے ہی نہیں آنے والی اولاد سے بھی محروم ہو جائے گا۔“ وہ حقیقت بیان کر گئے تھے کہ کرنا تو اسجد نے ہی تھا۔

☆.....☆.....☆

”مجھے معاف کر دیں امی! میں بہت شرمندہ ہوں۔“ وہ ماں کے سامنے رو پڑا تھا کہ اتنے لوگوں کی نفرت وہ سہہ نہیں پار رہا تھا۔

”مت کہو مجھے ماں، تم نے اپنی مردانگی کے زعم میں، میری پرورش کو بدنام داغ لگا دیا ہے، کسی کے سامنے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔“ وہ بھی رونے لگی تھیں۔

”مائدہ سے صرف ایک بار میری بات کروادیں، میں اس کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں گا، اس سے کہیں وہ مجھے جو چاہے سزا دے لے، بس طلاق کا خیال ذہن سے نکال دے، ایسا ہوا تو باپ بالکل ٹوٹ جائیں گے، میں ابو کو مزید اذیت نہیں دینا چاہتا، میں مائدہ کے ساتھ کیسے ہر ظلم کا ازالہ کروں گا، اس کو عزت و مان بھری زندگی دوں گا، میں چاہتا تو نہیں لیکن اگر آپ سب اور مائدہ چاہے گی تو میں میری کچھ چھوڑ دوں گا کہ میں اپنی خوشی کے لیے آپ سب کو بہت اذیتیں دے چکا، مگر اب نہیں، اپنی زندگی کی پہلی و آخری خوشی کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دوں گا، میں نام ہوں ہر حال میں اپنے کیے کا ازالہ چاہتا ہوں، اور اس کے لیے مجھے مائدہ کا ہر فیصلہ، ہر سزا قبول ہے۔“ وہ روتے ہوئے کہتا اپنی بات مکمل کر کے آنسو پونچھتا راشدہ کو سکت چھوڑ کر نکلتا چلا گیا تھا کہ وہ برا نہیں تھا بس حالات ایسے ہوئے کہ وہ برا بن گیا، مگر وہ جو کر چکا تھا اس کے بعد شرمندہ تھا، اذیت میں تھا اور اس کے ازالے کی بھی راہ اس نے سوچ لی تھی، جبکہ یہ بھی جانتا تھا، یہ وہ نہیں کر پائے گا کہ ایسا کر گیا تو جیتے جی مر جائے گا، میری اس کی محبت تھی، مگر وہ زندہ اب بھی کون سا تھا، تل مر رہا تھا، ایک ایک سے نظریں چرائے پھر رہا تھا اور روز کے مرنے سے، روز کے رونے سے کہیں بہتر یہ تھا کہ ایک دفعہ ہی جان کنی کے مرحلے سے گزر جاتا، خود پر فاقہ پڑھ کر ایک ہی دن رولیتا، نوید عالم کے کمرے کے باہر وہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا اور اسجد بہت تیزی سے نکلتا تھا ورنہ اس کو ضرور دیکھ لیتا، مگر وہ اس کے فیصلے پر حیران ہی نہیں دھبی تھا، وہ ایسا کچھ کرتا یہ ان میں سے کسی کو گوارہ نہ تھا، وہ لیکن سے بات کرنے کا ارادہ باندھتا باہر کے باہر ہی پلٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”دیکھو مائدہ! ہم سب تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچ رہے، زندگی میں کتنی جگہ انسان کو کپیر و ماز کرنا پڑتا ہے، تم نے ہم سب کے خیال سے اتنا سیکری فائز کیا، تو اب تھوڑا سا کپیر و ماز بھی کر لو بیٹا! کہ یہ خوشیوں کے لیے ضروری ہے۔“ ارحم نہایت نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

UHU® stic glue stick

The exclusive
screw cap
prevents
the glue
from drying.

UHU®
stic
glue stick
lapiz
adhesivo

solvent
free
sin
disolven-
tes

UHU The World of Adhesives

”مانندہ! ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں، تمہاری پریشانی سمجھ رہے ہیں، دکھ کا اندازہ ہے اور ہم سب کی تکلیف کے احساس سے تم اور زیادہ دکھی ہو، تمہارے لیے تو میں اکیلا پریشان ہوں، لیکن تم تو ہم سب کے لیے پریشان ہو، اور میں تم سے فورس نہیں کر رہا بس اتنا چاہتا ہوں کہ اپنے رویے میں لچک لاؤ، الجبد نے غلط کیا ہے، وہ تمہارا مجرم ہے لیکن معاف کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ سزا دینے سے کیا حاصل ہوگا؟ دکھ و تکلیفیں بڑھیں گی، رشتوں میں دوریاں آئیں گی اور کیا تم بھی یہ برداشت کر پاؤ گی کہ تمہاری وجہ سے کوئی ہرٹ ہو؟“ وہ تاحسانہ انداز اپنائے ہوئے تھا جس میں نرمی و شفقت کا عنصر نمایاں تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم نے تو کبھی کسی چیز یا کے بچے کو بھی نقصان نہیں پہنچایا، الجبد نے مگر تمہارا بہت نقصان کر دیا ہے، اعتبار ایک دفعہ ٹوٹ جائے تو پھر نہیں کیا جاتا، لیکن وہ تمہیں اعتبار سونپنا چاہتا ہے، تمہیں اسے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور ہر غلطی کے ازالے کے لیے وہ اپنی بیوی کو چھوڑنے تک کے لیے راضی ہے۔“ وہ بھی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”وہ کا شانہ عالم لوٹنا چاہتا ہے، ماموں جان سے معافی مانگ رہا ہے، اس کے لیے وہ بیوی کو طلاق دے دے گا بھی راضی ہو گیا ہے، اب تم بتاؤ اگر اس نے بیوی کو چھوڑ دیا تو کیا تم بھی گلٹ سے باہر آ سکو گی؟ اس کی بیٹی اور تمہاری اولاد کا مستقبل کیا ہوگا؟ اتنے لوگوں کی زندگی خراب ہونے سے کیا بہتر یہ نہیں ہے کہ تم صرف ایک مومن اور اسجد کو دے دو؟ اس کو معاف کر کے بھروسہ کر لو۔“ وہ اس کے یکدم کھڑے ہو جانے پر چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

”میں نہ اسجد عالم کو معاف کرنا چاہتی ہوں، نہ لوٹنا چاہتی ہوں، آپ سب کے لیے اس کڑے زہر کو پی لوں گی، لیکن آپ لوگ یہ یاد رکھیے گا کہ اس سب سے میں راضی نہیں ہوں۔“ وہ نکلتی چلی گئی تھی، اور وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا اس کے ذہن میں کئی سوال سر اٹھانے لگے تھے، اس کا اہل فیصلہ انہیں پریشان کر رہا تھا کہ وہ اس کی حساس نرم فطرت سے واقف تھے۔

”مما! پلیز آپ کو تو مانندہ نے بتایا ہوگا ناں کہ ایسی کیا بات ہے کہ وہ کوئی گنجائش نہیں نکال پارہی؟ آج مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میرے سامنے نرم خو، نرم فطرت مانندہ نہیں بیٹھی، مجھے لگا کہ ہم نے مانندہ کو کھو دیا ہے۔“ وہ ماں کے سامنے ہرا بھن کر کہہ گیا تھا۔

”تم تو جانتے ہو ناں کہ بات شیر نہیں کرتی وہ۔“ انھوں نے بمشکل کہا تھا۔

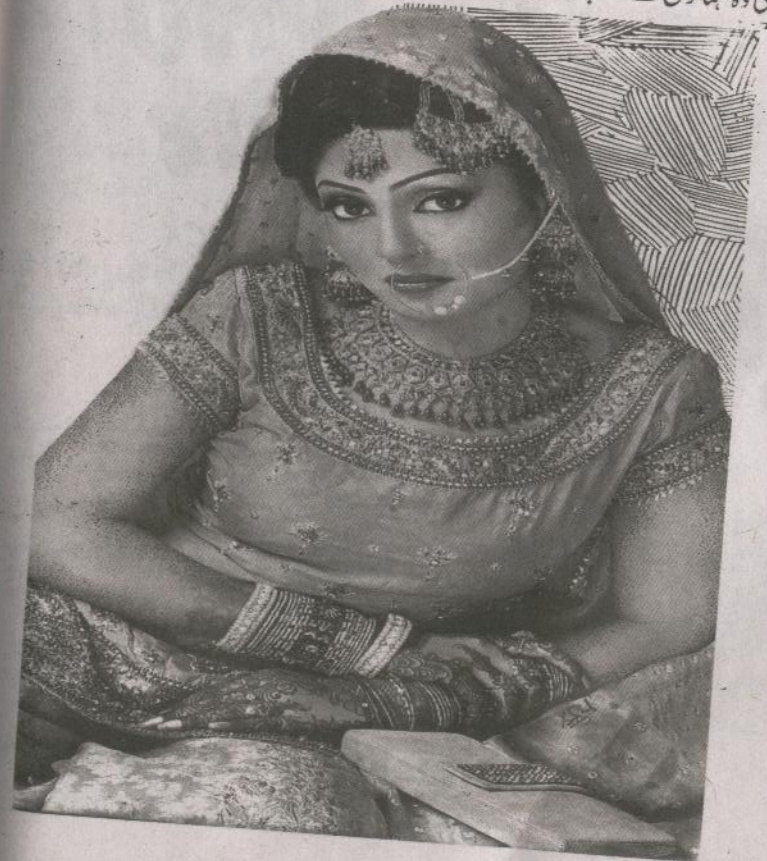
”مما! آج احساس ہوا کہ کچھ نہیں، بہت کچھ غلط ہے، اس لیے ہمیں مانندہ کے فیصلے کو قبول کر لیتا جاویں۔“ وہ برسوں کا انداز میں کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی، مانندہ کا زرد دھواں دھواں بے تاثر چہرہ، یہی مضطرب آنکھیں اس کے ذہن و دل میں ترازو ہو گئی تھیں۔

”اندازہ ہے کہ بات بڑی ہے، اسی لیے وہ کمپر ومانز کی راہ نہیں منتخب کرنا چاہتی لیکن یہ راہ منتخب کرنا دشوار ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ وہ لوٹ جائے، میں اس کے اور اس کی اولاد کے مستقبل سے خوفزدہ ہوں اور کرنا اسے ہی کمپر ومانز ہے، تو ہم اسے وہ راہ کیوں نہ دکھائیں جہاں اس کا نقصان کم ہو کہ جتنا نقصان ہوتا تھا ہو گیا۔“ انھوں نے دونوں کی باتیں سنی تھیں، وہ اس کے جبراً راضی ہو جانے پر بھی مطمئن ہو گئی تھیں، وہ آگے تک سوچ رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

زندگی ایک حقیقت

خوبصورت گہری سنہرے بالوں اور سنہرے پہنے
کلائیوں میں سونے کی جگر جگر کرتی چوڑیاں جن
میں لگے ہیرے کے نگ بڑے تھے، سچ سچ کے
قدم رکھتی وہ مہمانوں کے استقبال میں کھڑی تھیں،
آج بھی وہی بیس سال پرانا حسن لیے، سامنے سے
آتے اپنے شوہر کو دیکھ کر مسکرائیں تو جیسے ہال کی
روشنی میں جان پڑ گئی۔
”امی جان! مہمان آچکے ہیں اور منیب بھائی“



باتھ روم میں گھسے بیٹھے ہیں اور حسیب کا بچہ اپنے
دوستوں میں بیٹھا ہے۔
”اٹس او کے میری جان! میں ابھی دونوں کو
دیکھتی ہوں۔“ وہ مصباح کے گال تھپتھانی ہوئی
اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

☆.....☆.....☆
”ماما! میری سمجھ میں نہیں آتا مجھ میں کیا کمی
ہے؟ آنکھیں، ناک، ہونٹ، سب کچھ تو ہے، جس
چیز کی کمی ہے، رنگ وہ بھی تھوڑی سی محنت سے گورا
ہو سکتا ہے، بیک میری بہت مضبوط ہے، پھر کیا

بات ہے جو وہ اس طرح کر رہا ہے، حالانکہ وہ تو شہر
آ کر نکلے نکلے کی نوکریوں کے لیے خوار پھرنا
ہے۔“ افرانے کانچ سے آتے ہی اپنا غصہ ماں پر
اتارا۔

☆.....☆.....☆
”بھئی!“
”ہاں مامے!“
”میں نے تجھے فصلوں کا حساب لانے کو کہا
تھا، نہ کہ ان میں کھونے کو۔“ فضل دین مامے نے
بھل کو گھر کا۔



”ہاں مامے! حساب لینے ہی جارہا تھا۔“ سب نے جواب دیا۔

”بے شرمے، شرم و حیا تو تیرے اندر ہے نہیں، کھٹو... بے غیرتا، چل دفعہ ہو جا یہاں سے، چار گھنٹے پہلے تجھے بھیجا تھا تو اب جا رہا ہے۔“ فضل دین نے سب کو لات رسید کی، سب اپنے بھرپور سراپے کے ساتھ کہیں سے بھی گاؤں کا نہیں لگ رہا تھا، تو وہ یہ کام کرتا کیسے؟

حیات احمد نامور آرٹ تھے، اس کے ساتھ ساتھ ان کا اپنا بزنس بھی تھا، ان کی دو بیٹیاں تھیں اور ایک بیٹا حبیب جسے پیدا ہوتے ہی انھوں نے اپنی بانجھ بہن کی گود میں ڈال دیا تھا، اور بچوں کو اس بات سے بے خبر رکھا، افرا بہت ہی نازک احساسات رکھنے والی حساس لڑکی تھی، اسے بھائی کی کمی بہت زیادہ محسوس ہوتی تھی، جبکہ سیرئی اپنے حال میں مست و مگن رہتی تھی۔

☆.....☆.....☆
سب کے باپ کا تعلق تھا تو شہر سے، لیکن اس کا نہضیال زمیندار گھرانے سے تھا، سب کے باپ کے ناکارہ اور کام چور ہونے کی وجہ سے سب کا بچپن نہضیال میں ماموؤں کی حقارت زدہ نظروں میں گزرا۔ اس کی ایک بہن رانو بھی ان ہی حالات کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار تھی، اور والدین کی عدم توجہ کی وجہ سے اندر سے باغی ہو رہی تھی، شہر اور گاؤں میں در بدری کی بناء پر اپنی پڑھائی کو بھی خیر یاد کر دیا، کم عمری میں ہی اس کے ماموؤں نے اس کی مگنی کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆
افرا اور رانو دونوں دوست تھیں، بچپن میں کچھ عرصہ پڑوسی بھی رہ چکی تھیں، رانو کو معلوم تھا کہ افرا سب کو پسند کرتی ہے، اسکول تک دونوں کی دوستی رہی، لیکن رانو کے اسکول چھوڑنے سے ان کی

دوستی بھی چھوٹ گئی۔ افرا سب کو ٹوٹ کر چاہتی تھی، لیکن سب اس سے لاپرواہ نظر آتا تھا۔

افرا کی دیوانگی اور شدتیں سب ہی کی نظروں میں آ گئی تھیں، سب اسے بالکل دور ہو گیا، وہ آوارہ مزاج رکھتا تھا، دانہ ڈال کر تماشا دیکھنا اس کے لیے ایک معمول کی طرح تھا، لیکن افرا کا معاملہ دوسرا تھا، یہاں سب کی بری طرح خودی چھنس گیا۔

”ہیلو... ہیلو... پلیز سب! آپ میری بات سنیں۔“ افرا نے سب کی بے اعتنائی سے تنگ آ کر اسے کال کی۔

”بولو!“ سب نے اسی بیگانگی سے جواب دیا۔
”آپ... آپ پلیز اس طرح نہ کریں ناں، آپ نے ہی تو مجھے یہ راہ دکھائی تھی سب! پلیز آپ اس طرح پیچھے نہ ہٹیں ناں پلیز۔“ افرا کہتے کہتے رو پڑی۔

”دیکھو! میں اس معاملے میں تمہاری بالکل مدد نہیں کر سکتا، یہ صرف تمہارا پاگل پن ہے، آئندہ مجھے کال نہ کرنا، تمہاری وجہ سے میں بھی بدنام ہو رہا ہوں، میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جذبہ نہیں ہے۔“

”سب! پلیز!“ ٹوٹ... ٹوٹ... افرا کریڈل سر پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
”اف... میرے خدا! تو مجھے بلا لے، کس قدر بے حس ہو چکی ہوں میں، کس طرح ذلیل کر دیا ہے اس نے مجھے۔“

”ماما!“ افرا کی چیخ پر ماما کے ہاتھ سے کپ چھوٹ کر گر گیا۔

”کیا ہو گیا ہے افرا! ہوش میں تو ہو؟“ ماما نے افرا کو جھجھوڑ ڈالا۔

”ہاں، ہاں ماما! ہوش میں ہی تو آ گئی ہوں۔“ افرا نے سر اٹھا کر اپنی سرخ آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔

”آپ فضیلہ باجی سے کہیے گا کہ مجھے ان کے کزن کا رشتہ منظور ہے۔“

”ارے میری بچی! شکر ہے تم پر سے اس سب کا بھوت تو اترا۔“ ماما نے افرا کو گلے لگانے کے لیے آگے کیا، وہ ان کے ہاتھ کو پرے کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ افرا کا رشتہ اعجاز خان سے ملے ہو گیا، اور پھر بہت جلد ہی شادی بھی ملے ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆
اعجاز خان اپنے تین بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، والدین بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے، انھیں جذبات کے بارے میں کچھ علم نہ تھا، وہ تمام تر جذباتوں سے ناواقف تھے، افرا حیات جو بکھری ہوئی ذات لیے اپنے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے نکاح کر بیٹھی، تو اور ہی خون رسنے لگا، اعجاز خان کی آنکھیں تو سرد تھیں جذبات جیسے ٹھہرے ہوئے سمندر کی طرح تھے۔ افرا نے کچھ پلچل پیدا کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔

عورت تو پہاڑ کی دیوی ہوتی ہے، اگر برف دکھتی ہے، تو ایک لوا سے پکھلا دیتی ہے، یہ مدد ہی تو لودیتے ہیں، ایک بار سب نے بھی تو اسے لودی تھی، پھر چھوڑ دیا۔ افرا پھر سے منجمد ہو گئی تھی، ایک بار پھر اعجاز خان سے آس لگا بیٹھی، لیکن وہ خود پتھر کی چٹان تھا، اس سے ٹکراؤ بھی تو پاش پاش ہو جاؤ۔ افرا تو مصحوم تھی، وہ رخصت ہو کر اعجاز خیل میں آ گئی۔

بال سے رخصت ہو کر اعجاز خیل تک کا سفر بہت تھکا دینے والا تھا، ساری رسموں سے فارغ ہو کر اسے کمرے میں لے جا کے بٹھا دیا گیا۔ افرا کی پتھر کی مورتی کی طرح بیٹھ گئی۔ تقریباً ایک مہینے بعد اعجاز خان کمرے میں آیا، افرا کا دل اس کے ہاتھوں میں پورے جسم میں دھڑکنے لگا، افرا جو

کسی خاص جملے، کسی شرارت کی منتظر تھی، منتظر ہی رہی، کیونکہ اعجاز خان کو اپنی ذات پر غور تھا، اسے صرف نسوانیت سے پیار تھا اسے افرا سے کوئی غرض نہ تھی، افرا تڑپ گئی یہ کیا ہو گیا؟ ایک بار پھر وہ بکھر گئی۔ اعجاز خان کے لیے عورت ذات نشو و نما کی مانند تھی، افرا کو تو یہی محسوس ہوا۔

”ماما! مجھے اس شخص کے ساتھ بالکل بالکل نہیں رہنا۔“ صبح ہی اس نے اعلان کیا اور ماما کے ساتھ گھر لوٹ آئی، سب نے لعن طعن کی لیکن افرا اس سے مٹ نہ ہوئی۔

”نہیں رہنا تو نہیں رہنا۔“ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی، بھی سوچتی اس نے سب کا دل دکھایا ہے، کبھی اپنے آپ سے اپنی توہین کا بدلہ لینے لگتی، سب کو تو اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا، رات بے رات سب کو پکارے جاتی، سارا خاندان اس سے ناراض ہو گیا، وقت گزرتا گیا سب کچھ آہستہ آہستہ روٹین پر آ گیا، لیکن افرا کا دل خراب ہو گیا تھا، اعجاز خان افرا کو چھوڑنے پر تیار نہ تھا تو افرا کو بھی کوئی غرض نہ تھی، وہ اپنی طرف سے تو وہ اسے چھوڑ ہی چکی تھی، اعجاز خان کی باراس کے گھر والوں سے بات کر چکا تھا، مگر کوئی بھی افرا کو راضی نہ کر سکا، کچھ ایسا سکوت افرا کی زندگی میں ٹھہر گیا تھا۔ افرا نے اچانک ہی سب کی مگنی کی خبر سنی، اس پر تو جیسے کوئی پہاڑ ٹوٹ پڑا، وہ ایسی ہو گئی گویا ایک زندہ لاش۔ کھانے کا ہوش نہ پینے کا، کسی سے نہ کوئی بات چیت، اپنے کمرے میں پڑی چھت کو گھورتی رہتی، اسے تو رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ پھر یہ ہونے لگا کہ اس پر ایسے دورے اکثر پڑنے لگے کئی دن تک نہ بال بٹاتی، نہ کھانا کھاتی، گھر والے کہتے اس نے اعجاز خان کے ساتھ دھوکا کیا ہے، وہ لیوں پر چب کی مہر لگائے سب کی سنتی رہتی، آخر کار اس نے خود بھی یہی سمجھنا شروع کر دیا کہ اس نے دھوکا دیا ہے حالانکہ دھوکا تو

اس کے ساتھ ہوا تھا، محبت کا دھوکا، شادی کا دھوکا۔
”افرا! آج کل کی شادی ہے۔“ جیسے ہی افرا کو اطلاع ملی افرا ایک بار پھر بکھر گئی۔

☆.....☆.....☆
”السلام علیکم!“ بجل نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا، کمرہ بھولوں سے سجا تھا اور دہن بیڈ کے عین وسط میں گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھی، بجل مست و مگن اپنا سارا پیار دہن پر نچھاور کر کے گہری نیند سو گیا۔

☆.....☆.....☆
”رانو! رانو! دیکھو تمہاری بھابی کہاں ہے؟“ بجل نے صبح اپنا بستر خالی دیکھا تو رانو کو پکار بیٹھا۔ سارے گھر میں شور مچ گیا دہن کہیں نہ ملی، یہاں تک کہ اس کے میکے والے ناشتہ لے آئے۔
”وہ تو اس شادی پر راضی ہی نہیں تھی۔“ دہن کی کزن نے تیلی دکھائی، ہر جگہ ڈھونڈ لیا گیا سارے خاندان میں فون کیے گئے کسی صورت پتہ نہیں چل سکا، بجل سر پکڑ کے بیٹھ گیا اور پھر بعد میں بجل نے طلاق کے پیپر ججوا دیئے لڑکی والوں کے گھر۔
”جب وہ ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو مجھے بھی ساتھ نہیں رکھنا اسے۔“ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی اور وہاں شادی کرنا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆
”بجل! دو سال گزر چکے اب تو شادی کر لے۔“ بجل کی ماں نے ڈرتے ڈرتے بجل سے کہا۔
”ہاں انجام تو دیکھ لیا تھا ناں؟“ بجل غصے سے پیٹی کوٹھوکر مار کر دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔
”میں نے تیری شادی بیٹا سے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس جعد کو تیرا نکاح ہے۔“ بجل کی ماں نے اب کے بجل کی ایک نہ نی۔

بیٹا کرم دین مامے کی بد صورت چچک زدہ چہرے والی ان پڑھ اور بد اخلاق لڑکی تھی، بجل کے لاکھ واہلا کرنے پر بھی اس کے نکاح میں آگئی، ایک بار پھر بجل کو دہن کا سامنا کرنا پڑا، نہ چاہے ہوئے بھی۔

☆.....☆.....☆
”بجل! تیرے لیے ایک میٹھی خبر ہے۔“ بیٹا نے دوپٹے کا پلو موڑتے ہوئے شرمیلے انداز سے کہا۔
”اب بک بھی چک... گھنٹہ بھر پہلے اماں نے مٹھائی کھلائی اب تو...!“ بجل نے وقت زدہ انداز میں کہا۔

”جی، ہم دو سے تین ہونے والے ہیں۔“ بیٹا کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی، بجل جو کپڑے اٹھائے واش روم میں جانے لگا تھا ایک دم پلٹا۔
”کیا کہہ رہی ہے بیٹا!“ چند ہی لمحوں میں بجل کے لہجے میں شیرینی کھل گئی۔ خبر ہی ایسی تھی، بجل بیٹا کو تفریح کی غرض سے گاؤں لے آیا، گاؤں سے واپسی پر بیٹا کے سیاہ چہرے پر سرنخی تھی، اب بجل اسے اکثر بایک پر گھمانے لے جاتا، ایک روز یہ لوگ Sea View پر ٹہل رہے تھے، بجل کا دوست سلمان مل گیا۔

”ارے بجل! تم... یہ تمہاری بیوی... یار! کچھ برا بلیم ہو گیا تھا ناں تو کیا یہ تمہاری سیکنڈ وائف ہیں؟“ سلمان بیٹا کو دیکھ کر چونکا تھا۔
”ہاں! تم سناؤ تمہارے کیا حال چال ہیں؟“ بجل نے بات کو ٹالا۔

”نہیں یار! میں تو اس شاک سے نہیں نکل پا رہا کہ یہ تمہاری وائف ہیں، حیرت ہے یار! سلمان نے بجل کے ساتھ بیٹا کے خیال سے انگلیش میں بات کی۔ بجل نے ایک گہری سانس لی اور بیٹا کا ہاتھ پکڑ کے آگے چل دیا۔

☆.....☆.....☆
”اے خدا! میں کسی کے لیے بد دعا نہیں کرتی مگر میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے، اے خدا! تو سب کی پریشانیوں کو دور کر دے۔“ افرا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر دعا کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆
آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کا سب کو انتظار تھا۔ اسپتال کے کوریڈور میں سر جھکائے بیٹھے سب کو کافی دیر ہو گئی تھی۔ کافی دیر بعد ایک ڈاکٹر تیزی سے بجل کے پاس آئی۔

”مسٹر بجل! پلینز آپ میرے ساتھ آئیں۔“
”بیٹی! میری بیٹی خیر سے تو ہے ناں؟“ بیٹا کی ماں نے ڈاکٹر سے بیٹا کی خیریت پوچھی، جسے ڈاکٹر نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

”مسٹر بجل! کیس کافی پیچیدہ ہو گیا ہے، یہ آپریشن فارم ہے آپ اس پر سائن کر دیں اور بچے کی جان چاہیے یا ماں کی... ہری اپ؟“
”نہیں ڈاکٹر! مجھے دونوں کی جان چاہیے۔“ بجل نے بین نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

”پلینز وقت کم ہے اگر آپ دیر کریں گے تو دونوں کی جانوں کو خطرہ ہے۔“ بجل نے بیوی کی زندگی کا لکھ دیا۔

☆.....☆.....☆
”سوری!“ ڈاکٹر کے الفاظ پر وہاں بیٹھے تمام افراد کھڑے ہو گئے۔
”ڈاکٹر...!“ کرم دین مامے کو تو سکتہ ہو گیا، انھوں نے اسی وقت بجل کو پیٹ ڈالا۔

”تیری وجہ سے میری دھی مر گئی۔“ ڈاکٹر نے ہی چھڑایا، ورنہ وہ تو بجل کو مارنے کے پورے موڈ میں تھے۔ شاک میں تو بجل بھی تھا، لیکن زبردست شاک اس کو اس وقت لگا جب بچے کا میڈیکل چیک اپ ہوا اور اس میں بچے کے دل میں سوراخ

بتایا گیا، بجل یہ بات سب سے چھپا گیا اور خاموشی سے آنسو پی لیے۔

☆.....☆.....☆
”یار بجل! ایک بات کہوں اگر تو برا نہ مانے تو؟“ بجل کے چچا کے بیٹے فرقان نے کہا۔
”کہہ دے یار! سب کچھ تو ختم ہو چکا ہے، اب بچا کیا ہے برا ماننے کو؟“ بجل بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا۔

”حوصلہ رکھ یار! میں ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ کہیں تجھے کسی کی آہ تو نہیں لگ گئی؟“ فرقان نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”کیا مطلب؟“ بجل نے تیوری چڑھائی۔
”میرا مطلب افرا سے ہے یار!“
”ہاں یار! اب مجھے بھی یہی لگنے لگا ہے کہ کسی نہ کسی کی بد دعا ضرور ہے میرے ساتھ۔“ بجل مزید دھکی ہو گیا۔

☆.....☆.....☆
”بجل! تیرا بیٹا مجھے بہت تنگ کرتا ہے، دو دن سے تو رانو آئی تھی مگر آج تو اس نے حد کر دی، تو اسے اس کی نانی کے گھر چھوڑ آ۔“ بجل کی ماں نے اس کے کام سے واپسی پر کہا۔

”ہونہہ... بھی نہیں رہیں گے وہ لوگ، وہ اسے منوس کہتے ہیں، اور ماں! میں اپنے بچے کو کسی غیر کے پاس پلنے بھی نہیں دوں گا۔“ بجل وہیں دستر خوان پر بیٹھ گیا۔

”تو پھر خود ہی اس کا بندوبست کر، میرے سے نہیں سنبھلتا۔“
”اماں!“

”ہاں کیا ہے؟“
”اماں! میری شادی کر دے۔“
”اے بجل! پاگل ہو گیا ہے کیا، یا ماں کو سمجھ رکھا ہے، اور جانے اگلی تیرے بچے کے ساتھ کیا سلوک

کرے۔“ اماں کو غصہ آ گیا۔
”اب میں تیرے لیے کوئی لڑکی وڑکی نہیں
دھونڈنے کی۔“ اماں نے دسترخوان کے ساتھ
ساتھ بات کو بھی لپیٹا۔

”نہیں اماں! لڑکی مت ڈھونڈو، وہ افرا ہے
ناں۔“ بچل نظر جھکا کر کارپٹ کے پرٹ کو گھور رہا
تھا۔

”بچل! تیرا دماغ چل گیا ہے، اور کوئی بات
نہیں، جو روکے مرنے کا بہت اثر لے لیا ہے تو
نے، بل تک جو تو افرا کی شکل بھی دیکھنا پسند نہ کرتا
تھا، آج چلا ہے اپنی شریک حیات بنانے۔“ اماں
ناک پر انگلی رکھے حیران تھی۔

”بس اماں! میں نے کہہ دیا ہے اس سے بات
چلاؤ گی تو ٹھیک ہے ورنہ دنیا بہت بڑی ہے
میرے لیے۔“ بچل نے بچے کو گود میں اٹھایا اور باہر
نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

افرا نے بہت سے مراحل طے کر کے ”بچل
ہاؤس“ میں قدم رکھا، حال ہی میں بچل نے اپنا گھر
بنوایا تھا، کمرے میں داخل ہوتے ہی افرا ایک
خوشگوار احساس میں گھر گئی، اور جلد ہی اس احساس
کو جھٹک دیا، کمرہ بہت ہی خوبصورتی سی سجایا گیا
تھا، بچل کی پسند کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔ کمرے کے
وسط میں جہازی ساز بیڈ تھا، دونوں اطراف میں
صوفے رکھے تھے، بیڈ کے بالکل سامنے ڈرینگ
ٹیبیل، قالین پر ایک اور گلاب کے پھولوں کا قالین
بچھا تھا، بیڈ تازہ گلاب اور موتیوں سے سجھا تھا، سر
اوپر اٹھایا تو پھولوں کا خوبصورت ساتاج بنا تھا، وہ
کمرے کا جائزہ لینے میں اتنی مصروف تھی کہ بچل
کے آنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ اس کو دیکھا تو ایک دم
سنبھل کر بیٹھ گئی۔

”تم میرے بیٹے کے لیے لائی گئی ہو، یہ بات

تم نے خود کی ہے اور یہ بات اب میں خود ہی کہہ رہا
ہوں کہ میں تمہارے لیے کوئی جذبات نہیں
رکھتا۔“ افرا ان جملوں کی منتظر تھی، لیکن وہاں سے
کچھ اور ہی جملہ آیا۔

”افرا!...“ بچل نے بیڈ پر بیٹھ کر اسے پکارا۔
”افرا! یقین کرو مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ
آج نہیں بلکہ آج سے کئی سال پہلے جب تم نے
مجھ سے شادی کا کہا تھا شاید اس سے بھی پہلے سے
مجھے تم سے محبت ہے، لیکن میری اتنا اس سے روکتی
تھی، افرا! تم نے وہ تو سنا ہوگا ناں خود پہ ظاہر نہ
ہوئے تھے کو چھپانے کے لیے، بس میرے ساتھ
بھی کچھ ایسا ہی ہے، افرا! دیکھو میں نے تمہیں
سات سال پہلے کا دیکھا ہوا ہے، مجھے نہیں معلوم تم
اب بھی ویسی ہو یا بدل چکی ہو۔“ بچل کی کیمیر آواز
افرا کے کانوں میں جھپٹے ہوئے سیسے کی طرح لگ
رہی تھی۔ آج افرا کے جذبات پھر ہو چکے تھے، وہ
بچل کی باتوں پر مسکرا بھی نہیں سکی۔

”ماشاء اللہ...!“ گھونگھٹ اٹھاتے ہی اتنا
کمل حسین پاکیزہ روپ دیکھتے ہی بچل کے منہ سے
بے اختیار نکلا۔ بچل ابھی کوئی شرارت کرتا، لیکن افرا
ایسے پیچھے ہوئی جیسے پھونے ڈنک مارا ہو، بیڈ سے
اتری اور تیزی سے بھاگتی ڈرینگ روم میں جا کے
لاک ہو گئی۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر اتنا رونی کہ
پوری زندگی میں بھی اتنی نہ روئی ہوگی اور آج اسے
اپنے رونے کا سبب بھی نہ معلوم تھا، ایک ایک
کر کے سارا زیور نوح ڈالا۔ سادہ سا پنک
جارجٹ کا سوٹ نکال کر پہن لیا کب تک اندر بند
رہ سکتی تھی۔

”ارے... اسے کیا ہوا؟“ بچل کو یک دم
پریشانی نے آکھیرا۔ ڈرینگ روم کا دروازہ کھلا،
بچل لیٹے سے اٹھ بیٹھا، پھر خود بھی کپڑے اٹھا کر
ڈرینگ روم میں چلا گیا۔

”افرا!“ بچل ڈرینگ روم سے باہر آیا تو افرا
کو اپنے گرد کھل لیے آکھیں بند کیے بیڈ پر پایا،
میک اپ کے بعد دھلا دھلا چہرہ، سون سون کرنی
افرا کا یہ روپ اسے انوکھا لگا۔ دوسری سائیڈ سے
آ کر اس نے افرا کا کندھا ہلایا، افرا نے رخ نہیں
موڑا۔

”اچھا پلیز صرف ایک بات سنو! میری افرا!“
وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تو جوڑے کی صورت میں بندھے
بال اس کی کمر پر بکھر گئے۔ بچل مبہوت سا ہو گیا، افرا
نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ اپنے گھٹنے آگے رکھ کر
گھٹنوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھ گئی اور
پاؤں پر لگی مہندی کو دیکھنے لگی۔

”افرا! مجھ پر یہ ظلم تو نہ کرو، کچھ تو بات کرو،
تمہیں پتہ ہے میں کتنا پریشان ہوں۔“ افرا نے
اب بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔

”افرا! یہ زیادتی ہے میرے ساتھ۔“ بچل
جھنجھٹایا۔

”مجھ سے کسی قسم کی امید مت رکھیے گا، جس
مقصد کے لیے لائی گئی ہوں پورا ہونے دیں۔“
افرا اپنا چہرہ حنائی ہاتھوں میں لیے سسک
پڑی۔ بچل نے افرا کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا
ڈال دیا، افرا بچل کے سینے سے لگی سسک رہی تھی۔
”بگلی! ہم اچھے دوست بھی تو بن سکتے ہیں۔“

کافی دیر بعد بچل نے اسے اپنے سامنے کرتے
ہوئے پوچھا۔ افرا نے پیچھے ہٹتے ہوئے ہاں میں
گردن ہلا دی۔

”اچھا بس اب رومت اور یہ پہن لو، صبح صبح
تم سے منہ دکھائی کا پوچھیں گے۔“ بچل نے غلٹی ڈبیا
افرا کے آگے کی جس میں بہت خوبصورت دل کی
شکل کا لاکٹ چین تھا۔ افرا نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا
تو بچل بول پڑا۔

”یار! رکھ لو، شکر کرو تمہیں منہ دکھائی مل رہی

ہے، مجھے تو وہ بھی نہ ملی۔“ افرا نے شکوہ کناں
نظروں سے اسے دیکھا اور ڈیپ پیٹری۔

☆.....☆.....☆

دھڑ... دھڑ... دھڑ... دروازہ پٹنے کی آواز سے
افرا کی آنکھ کھل گئی۔ کروٹ بدلنے پر صوفے پہ بچل
کا بھولا نظر آنے پر سب یاد آ گیا۔ کمرے میں
بالکل اندھیرا تھا، بچل صوفے کے آگے اپنے سپررز
ڈھونڈ رہا تھا۔

”بچل! آدھا دن گزر گیا سوتے سوتے، افرا
کو بھی بھوک ستا رہی ہوگی، کہاں ہے وہ؟“ بچل
دروازہ کھولنے گیا تو افرا تیزی سے واش روم میں
چلی گئی تھی۔ اماں بولتی ہوئیں کمرے میں داخل
ہوئیں۔

”بچل! ٹو نے ابھی تک منہ ہاتھ نہیں دھویا،
میں تو تھک گئی، رانورات کو کہہ گئی تھی کہ صبح جلدی
آؤں گی اب تک نہیں پینچی، چل دھی! ناشتہ
کر لے۔“ افرا واش روم سے نکلی تو اماں نے اسے
کہتے ہوئے کمرے کی ساری بیتیاں جلادیں ساتھ
ہی سارے پٹکے بھی کھل گئے، تیز ہوا کا بوجھ،
پھولوں سے برداشت نہ ہو سکا، نتیجتاً پیتیاں ادھر
ادھر بکھرنے لگیں، افرا کھوی گئی، اس منظر میں لیکن
جلد ہی اپنے جذبات پر قابو پالیا۔

اب اسے اپنے جذبات پر قابو پانا آ گیا تھا،
اب وہ سات سال پہلے والی افرا نہ تھی، ایک
حالات کی ٹھوکر کھائی ہوئی لڑکی تھی۔

”اماں! تم ناشتہ لے آؤ۔“ بچل نے کہا تو افرا
نے نکلڑا لگایا۔

”اور منے کو بھی...!“
”نہ دھی! وہ تو ابھی سو یا ہوا ہے اور تم بھی تھکی
ہوئی ہو، آرام کرو، پھر خود ہی سنبھالنا تمہارا ہی بچہ
ہے۔“ اماں نے تفصیلاً جواب دیتے ہوئے باہر کا
رخ کیا۔

”لو بھئی! اگر ما گرم ناشتہ۔“ رانو کمرے میں
 ٹرے لیے داخل ہوئی۔
 ”ارے راشیہ! تم آگئیں؟“ افرا رانو کو اس
 کے اصل نام ہی سے پکارتی تھی۔
 ”ہاں وہ میں راستے میں اتنی دیر ہوگئی ٹریفک
 ہی اتنا تھا۔“ رانو صوفے پر ایسے ڈھیر ہوئی جیسے
 پیدل مارچ کر کے آ رہی ہو۔
 ”اچھا میں چلوں، تم لوگ ناشتہ کرو۔“ یہ کہتی
 ہوئی رانو دروازہ بند کر کے غائب ہوگئی۔ بجل ٹرے
 لیے کر بیڈ پر بیٹھ گیا، افرا ابھی تک صوفے پر ہی
 تھی۔

”یار پلیز! اب تو ناراضی ختم کرو، کہہ جو دیا کہ
 جیسا تم چھوگی ویسا ہی ہوگا وعدہ بلکہ پکا وعدہ۔“ بجل
 اٹھ کر افرا کے پیروں کے پاس زمین پر بیٹھ گیا اور
 اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔
 ”چلو بس اب اٹھو! ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے، ابھی
 تمہارے گھر والے بھی آ جائیں گے۔“ افرا کو
 ساتھ لیے ایک بار پھر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

”اف..... یہ تو بالکل ہی ان پر ہے، کتنا پیارا
 ہے ناں۔“ ناشتے کے بعد فوراً ہی افرا کے گھر والے
 آگئے سب کے جانے کے بعد افرا نے رانو سے
 منے کو بلوایا، بجل افرا کے ”ان“ کہنے پر مسکرانے
 لگا، رانو ایک بار پھر کمرے میں آئی بچے کا سارا
 سامان کپڑے فیڈر، دودھ کے ڈبے تمام چیزیں
 دے کر چلی گئی تو بجل نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔
 ”افرا!..“ بجل نے منے کا ڈاؤپر چیخ کرئی افرا
 کو پکارا۔

”ہوں... جی!“ افرا نے نگوں انداز میں جواب
 دیا۔
 ”افرا!.. میں تمہیں پریشان تو نہیں کرنا چاہتا

بس اپنی پریشانی ڈکس کرنا چاہتا ہوں۔“ بجل نے
 افرا کو منے کو اتنا پیار دیتے ہوئے دیکھا تو خدشے
 سے آگاہ کرنے کا سوچا۔

”جی کہیں میں سن رہی ہوں۔“
 ”افرا! وہ..... یہ بچہ..... ہمارا بچہ میڈیکلی نارمل
 نہیں ہے۔“ بجل کو ایک ایک لفظ کہنا بہت بھاری ہو
 رہا تھا افرا نے بھوین اچکا میں۔

”افرا! اس کے دل میں سوراخ ہے، اور
 ڈاکٹر زنے اس کی زندگی....!“ بجل سے بات پوری
 نہ ہو سکی، افرا ہونٹوں پر ہاتھ رکھے دم سادھے رہ
 گئی۔ کافی دیر بعد افرا نے خود ہی اپنی آواز جیسے کسی
 گہری کھائی سے آتی سنی۔

”دیکھو مجھے معلوم تھا لیکن یہ بات میں کسی کو
 بتانا نہیں چاہتا تھا کہ کیا خبر میرے اللہ نے میری
 اولاد کو زیادہ زندگی دی ہو، یہ ڈاکٹر تو خواہ مخواہ ہی ہر
 بات کو ایشو بنا لیتے ہیں۔“ بجل نے افرا کے ساتھ خود
 کو بھی تسلی دی۔ افرا کے ذہن میں کئی ایسے لوگ
 گھوم گئے، جن کے اپنے بچے بھی ہو گئے تھے اور
 ان کے دل میں پیدائشی سوراخ تھا۔

”تم ساتھ چلوگی ابھی کلینک یا میں خود ہی لے
 جاؤں، اس کا روزانہ چیک اپ کرانا ہوتا ہے۔“
 ”کب تک چلنا ہے؟“

”ڈاکٹر تو آٹھ بجے بیٹھے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے ابھی ایک گھنٹہ ہے میں بھی چلوں
 گی۔“ افرا نے سوئے ہوئے منے پر نظر ڈال کر بجل
 کو جواب دیا۔ کلینک جانے کی وجہ سے افرا فوراً ہی
 اٹھ کھڑی ہوئی، پورے کمرے سے برش کے
 ذریعے سوچی پیتاں ڈسٹ بن میں ڈالیں، بیڈ کے
 بھی کچھ پھول سوکھ گئے تھے اور کچھ میں ابھی جان
 باقی تھی، وہ بے دلی سے ان پھولوں کو دیکھ کر
 مسکرا دی اور لڑیاں نکالنے لگی کچھ تو آرام سے نکل
 گئیں، اب مزید کے لیے بیڈ پر چڑھنا پڑا، لڑیاں

اتارتے ہوئے ایک دم سے چکر آیا اور دھڑام سے
 بیڈ پر لینے بجل پر جا پڑی۔
 ”دیکھو! تم کتنا رہ کر رہی ہو، لیکن قدرت ہم کو
 خود ہی ملواری ہے۔“ بجل نے بازوؤں کا گھیرا بنگ
 کر کے اس کے کان میں سرگوشی کی، افرا کی
 مزاحمت پر بجل نے اسے چھوڑ دیا۔ افرا دھڑکتے
 دل کے ساتھ دوسری طرف سے پیتاں سینٹے لگی تو
 بجل بھی اس کی مدد کروانے لگا۔

”افرا!..“ بجل نے آفس سے آ کر افرا کو
 پکارا۔

”جی؟“

”میں گاڑی نکال رہا ہوں، تم منے کو لے کر
 آ جاؤ، چیک اپ کے لیے جانا ہے۔“ افرا بھاگتی
 ہوئی اندر آئی منا تیار تو تھا جلدی سے فیڈر بنائی
 اماں کو بتایا اور منے کو لے کر فوراً ہی گاڑی میں آ
 بیٹھی۔ اور بجل کلر کے میض دوپٹے اور سفید شلوار
 میں ڈھلتی شام کا حصہ لگ رہی تھی۔

”آج میں ایک سیڈنٹ نہ کر بیٹھوں۔“ بجل نے
 افرا کو دیکھ کر کہا، افرا ایسی بن گئی جیسے سنا ہی نہ ہو۔
 ”افرا! آج ہماری شادی کو چوتھا دن ہے، تم
 نے ابھی سے اتنے سادے کپڑے پہن لیے۔“

”یہ ہے ناں منا بہت تنگ کرتا ہے، اس کی وجہ
 سے صبح سے دو بار چیخ کر چکی ہوں۔“ افرا نے
 جلدی سے جواب دیا۔

”کیا خیال ہے تمہاری امی کی طرف چلیں؟“
 کلینک سے واپسی پر بجل نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ افرا نے دلی میں شکر ادا
 کیا، ورنہ تو وہ خود ہی کہنے کا سوچ رہی تھی۔ رات کا
 کھانا دوپہن کھایا، واپسی میں بجل نے افرا سے رکنے
 کا کہا کہ کل شام میں لینے آ جاؤں گا۔

”لیکن میرے پاس منے کا کوئی سامان بھی
 نہیں ہے۔“

”ارے نہیں یار! کوئی مسئلہ نہیں ہے، کل
 سندے ہے میں اسے لے جاتا ہوں تمہیں تنگ بھی
 تو بہت کیا ہے اس نے۔“
 ”اگر آپ لے جائیں گے تو میرا دھیان لگا
 رہے گا اس میں۔“

”بے فکر رہو، اماں ہیں ناں اور پھر میں فون
 کروا دوں گا بات کر لینا تم اپنے منے سے۔“ بات
 کے آخر میں بجل جبراً مسکرایا، افرا کو بار بار اصرار
 اچھا نہیں لگا، بجل چلا گیا تو وہ اپنے کمرے میں
 آ گئی، ساری پرانی یادیں تازہ ہوگئی تھیں۔ جھکن
 اتنی تھی کہ وہ فوراً ہی سو گئی، صبح دیر سے آنکھ کھلی پہلا
 خیال یہی آیا کہ بجل کا فون نہیں آیا، ہو سکتا ہے چھٹی
 کے دن کی وجہ سے مزید دیر سے آئیں، ابھی ناشتہ
 ہی کر رہی تھی کہ منیزہ (دوست) کی کال آ گئی۔
 امی کے گھر آنے کا پتا چلا تو فوراً ہی چلی آئی، باتوں
 میں وقت کا احساس ہی نہ ہوا، کھانے وغیرہ سے
 فارغ ہونے میں پانچ بج گئے، منیزہ چلی گئی تو اسے
 پھر سے بجل اور منے کا خیال آیا تو خود ہی بجل کا
 موبائل نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”بس بہت ہوگئی مامے!“ بجل کرم دین کی
 بات سن کر تڑپ اٹھا۔

”نہ چھو کرے بس نہ ہوئی یہ ہمارا فیصلہ ہے۔“
 ”مامے! میں کیس کر دوں گا تم لوگوں پر۔“
 ”آخاہ... اب چوٹی کے بھی پد نکل آئے۔“
 انعام دین نے تحقیر سے بجل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

بجل بچے کا چیک اپ کروا کر آیا، تو گھر میں
 ایک طوفان بپا تھا، کرم دین اور انعام دین دونوں
 بہن کے سر پر موجود تھے کہ یا تو بجل افرا کو طلاق
 دے یا بچہ ہمیں دے، بجل نے دونوں ہی باتوں

نے انکار کر دیا۔ بچہ اسے دل و جان سے زیادہ عزیز تھا اور افرا... اس کو اب مزید دکھ کیسے دیتا؟ یہ لوگ اسے نئے امتحان میں ڈالنے آگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

”جبل! صبح سے شام ہوگئی کچھ کھانی لے۔“ اماں کو اپنے بچے کا دکھ کھارہا تھا، کیسا نصیب تھا ان کے بچے کا۔

”نہ اماں! دل نہیں کر رہا، مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“ جبل کے موبائل کی بیپ بجی، افرا کے گھر کا نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آف کر دیا اور آگے کے حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

گاڑی کی آواز سن کر جبل ننگے پاؤں ہی باہر بھاگا، کیونکہ چوکیدار انٹرکام پر اطلاع دینے بغیر گیٹ نہیں کھولتا تھا، افرا کو گاڑی سے نکلنے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا، مگر پہلا خیال آتے ہی سانس اندر ہی ایک گیا۔

”گھر میں سب خیریت تو ہے؟ صبح سے آپ کی کال کا انتظار کر رہی ہوں، فون بھی بڑی جارہا تھا اور موبائل پر بھی کال ڈسکنیکٹ ہوگئی تھی۔“ افرا ایک ہی سانس میں سب کہہ گئی۔

”ہاں ہاں!“ جبل صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ ”میں نے سوچا آپ بھی نہیں آئے ہیں خود ہی چل آئی۔“ جبل کے آگے سے نکلتے ہوئے افرا بولتی ہوئی کومن روم میں آگئی، اماں کومن روم میں افرا کی آواز سن کر آگئیں اور کہنے لگیں۔

”بیٹا! بس دل بڑا کرنا، اوپر بیٹھا ہوا مالک سب خیر ہی کرے گا۔“ اماں سمجھ رہی تھیں کہ جبل، افرا کو ساری صورت حال سے آگاہ کر کے اسے خود ہی اس کے گھر سے لے آیا ہے۔

”میاں کو تسلی اور دلاسا بھی اب تم ہی دے سکتی ہو، بیوی ہی ہوتی ہے جوشوہر کے دکھ درد کی ساتھی

ہوتی ہے، صبح سے کچھ نہیں کھایا اس نے اب تم آگئی ہو تو دیکھ لو، کھانا پکا رکھا ہے، اور سب کچھ بھی ہے کچن میں، خود ہی کھلا لومیں نے بھی کسی نہ کسی طرح صبر کر ہی لیا ماں ہوں ناں اس کی۔“ افرا بس اماں کی شکل دیکھتی ہی رہ گئی، ساری بات اس کے سر پر سے گزر گئی، اچھا کہہ کر وہ کمرے میں آگئی۔

”سنئے! اماں کیا کہہ رہی تھیں، کچھ سمجھ نہیں آیا۔“

”افرا!... میں تمہیں کس طرح بتاؤں، میں تو خود پاگل ہو رہا ہوں۔“ جبل نے اپنے بال پکڑ لیے۔

”آپ آخر بتاتے کیوں نہیں ہوا کیا ہے؟ کیوں طول دے رہے ہیں بتائیں ناں؟“ افرا کو کسی خطرے کا احساس ہوا تو جبل کو چھوڑ ڈالا۔

”افرا! اماں نے کوگاؤں لے گئے۔“ کتنی اذیت تھی اس کے لیے۔

”کیا... کیا کہہ رہے ہیں آپ، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔“ افرا سر پکڑ کر دھم سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

”اب... ابھی اس وقت جاؤ گی؟“

”ہاں بس میں جس مقصد کے لیے آئی تھی، اب وہ نہ رہا تو میں کیوں رہوں؟“ جبل نے افرا کو تمام بات بتائی تو وہ بھڑک اٹھی اور فوراً ہی اپنی ماں کے گھر جانے کی ضد باندھ لی۔

”افرا! دیکھو رات بہت ہوگئی ہے، میری بات کو سمجھو، دیکھو مجھے کتنا بڑا دکھ ملا ہے وہ لوگ مجھ سے میرا بیٹا چھین کے لے گئے ہیں کہ اسے ہم پالیں گے اور میں انکار بھی نہ کر سکا، ہم ان کے احسان تلے دبے ہوئے ہیں۔“

”میں نے نہیں کہا تھا کہ ان کے احسان کے بلے تلے دب جائیں، یہ میرا ہیڈک نہیں ہے خدا کے لیے مجھے چھوڑ آؤ۔“ جبل کی بات پر افرا نے

انتہائی بدتمیزی سے چیخ کر کہا۔ جبل نے مشتعل ہو کر افرا کو بیڈ پر دکھا دیا اور میں اس کے سامنے جبکہ کر گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

”خاموش ہو جاؤ بس، اب ایک لفظ نہیں، ایک بھی نہیں، بہت سن لی تمہاری بکواس، وہ لوگ یا تو بچہ مانگ رہے تھے یا تمہیں ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہونے کا کہہ رہے تھے، بولو! چھوڑ دیتا تمہیں، جواب دو، تمہاری وجہ سے میں نے اپنا بچہ چھوڑ دیا ہے بہتر یہ ہے کہ تم مجھ پر اعتماد کرو، میں نے کہا ہے ناں کہ میں ہر طرح کوشش کروں گا بچہ حاصل کرنے کی اور تم نے چیخ چلا کر مجھے دبانے کی کوشش کی تو... تو تمہارے اعتماد کی دجیاں اڑانے میں دیر نہیں کروں گا، اور اس سے مجھے نہ مذہب روک سکتا ہے نہ معاشرہ۔“ جبل کی بات پر افرا کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ ایک گہری سانس لے کر جبل پیچھے ہوا۔

”اٹھو! اور اماں کی جا کر دلاسا دو، اماں نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا میں کھانا گرم کر کے لا رہا ہوں اماں کے کمرے میں۔“ افرا کی حالت دیکھ کر جبل نے نرمی سے کہا، افرا خاموشی سے اٹھی دوپٹہ صبح کرتی ہوئی اماں کے کمرے کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

”کیا ہوا... کچھ ہوا یا نہیں؟“ افرا نے پوچھا۔

”کچھ بھی تو نہیں ہوا یا! کچھ بھی نہیں۔“ وہ افسردگی سے بولا، آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا کرم دین کو بچہ لے کے گئے ہوئے، جبل مسلسل کوششوں میں لگا ہوا تھا۔

”آپ اللہ پر توکل رکھیں انشاء اللہ بہت جلد ہی بچہ مل جائے گا۔“ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

تاحد نظر کھیت کھلیاں دیکھ کر افرا مبہوت رہ گئی، ایک سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا اس کی شادی کو، جبل خود ہی تھوڑے عرصے بعد بیچے سے ملنے آ جاتا، لیکن کل رات کو وہ افرا کو بھی لے کر آیا تھا،

صبح ناشتے کے بعد افرا باہر آئی تھی، بچے کا نام جبل نے منیب رکھا اور اب تو خود وہ بھی بچے کو ملانے شہر لے آتے تھے، تعلقات اب کافی بہتر ہو گئے تھے، اس بار یہ لوگ اماں کی ضد پر اماں کو گاؤں چھوڑنے آئے تھے۔

☆ ☆ ☆

”مبارک ہو مسٹر اینڈ مسز جبل!“ ہاسپٹل کے کارڈیور میں کھڑے جبل اور افرا کو ڈاکٹر نے زندگی کی نوید سنائی، منیب کا آج بائی پاس تھا اور کل منیب کی تیرہویں سالگرہ۔ منیب اور مصباح جڑواں تھے، گیارہ سال کے جبکہ فاکھ اور فریال آٹھ اور نو سال کی تھیں، بچے کے جانے کے بعد جبل ٹوٹ گیا تھا، یوں افرا جبل کے قریب ہوگئی، اپنی محبت کو بکھرتا ہوا نہیں دیکھ سکی اور بہت پیار سے اسے سمیٹ لیا۔

☆ ☆ ☆

”خیالوں کی دنیا سے باہر آ جاؤ مزے بیٹے کا ولیمہ کر لیا، لیکن خواب وہی... الہز دوشیزہ کی طرح بنتی رہتی ہو، ارے یہ کیا... بن بادل برسات خیریت؟“

”ہاں جبل! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں، جبل! مجھے یقین نہیں آتا کہ میرے منیب کی شادی بھی ہوگئی، سب کچھ خواب لگ رہا ہے، منیب کس طرح آٹھ سال کی عمر میں اپنے نانا، نانی سے میرے لیے لڑا، کتنا چاہتا ہے مجھے، حبیب اور دوسرے بچوں سے زیادہ میری مانتا ہے میرا احترام کرتا ہے۔“ بات کرتے کرتے افرا، جبل کے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”واقعی... ایک خواب ہی لگتا ہے لیکن مسز! زندگی واقعی ایک حقیقت ہے اسے تسلیم کیجیے اور سو جائیے۔“ جبل کے کہنے پر افرا مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح جبل کے ہاتھ پر سر رکھ کر لیٹ گئی اور مطمئن سے انداز میں آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

مکمل وار ناول

اعتبار دہی لڑکی ہمارے

”تمہیں اب سزا سے کوئی نہیں بچا سکتا“۔ رابی نے یقین سے کہا تو وہ تسخرانہ ہتھ پر لگا تا ہر نکل گیا، اور رابی کی انگلیاں پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگیں، زہیر کو دوسری بی بی پیشی پر سزائے موت سنا دی گئی، رابی نے اس



کی دھمکی آمیز فون کالز کی ٹیپ اور اپنے آفس میں دی گئی اس کی دھمکی کی ٹیپ ریکارڈنگ کے علاوہ کلثوم کی گواہی اور حادثے کے وقت موجود اشیاء سے حاصل شدہ زہیر کے فنکٹر پرنٹس کو بطور ثبوت عدالت میں پیش کیا اور اپنے مخصوص انداز میں بہت اہم، غیر متوقع اور چھپتے ہوئے سوالات اور دلائل کے ذریعے زہیر کو اپنی بیوی حاجرہ کے قتل کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک سفاک مجرم کو سزا دلوا کر بہت مطمئن تھی، اب کلثوم کا خلع کا کیس اس کے پاس تھا، وہ ایک اور عورت کو اجڑاتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی، اس لیے کلثوم سے مصالحت اور صلح کی سمت قدم بڑھانے کے سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی، اسی لیے کلثوم عدالت سے سیدھی اس کے ساتھ اس کے آفس چلی آئی تھی۔

”وسیل صاحبہ! آپ نے زہیر کو سزا دلوا کے بڑی نیکی کمائی ہے، اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا، آپ نے تو کیس بھی مفت لڑا ہے“۔ کلثوم نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

”آپ جانتی ہیں کلثوم بی بی! ہمارے ملک میں ہر سال تین سو نو جوان لڑکیوں کو حاجرہ کی طرح زندہ جلادیا



جاتا ہے۔

”ہائے اتنا ظلم، آپ کو کس نے بتایا کیل صاحبہ؟“ کلثوم نے دل تھام کر کہا۔
 ”ایک تنظیم ہے انسانی حقوق کی عالمی تنظیم“ پروگریسو ویمن ایسوسی ایشن“ اس نے ایک رپورٹ شائع کی ہے اس میں یہ کڑواؤ لکھا ہے، خیر جو یہاں سزا سے بچ جاتے ہیں وہ خدا کی عدالت سے کبھی نہیں بچ سکیں گے، آپ یہ بتائیں کہ آپ کیا چاہتی ہیں صلح یا خلع؟“

”کیل صاحبہ! اب تو میں کسی قیمت پر بھی نذیر کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس نے آپ کو اور مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہے اور میں نے اس کے بھائی کے خلاف عدالت میں گواہی دی ہے وہ تو میرے خون کا پیاسا ہو گیا ہوگا، بس آپ مجھے بھی جلدی سے اس کے ظلم سے نجات دلا دیں، ساری زندگی میں آپ کو دعائیں دوں گی۔“ کلثوم نے منت بھرے، سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اور لوگ آپ کو کیا دیں گے، اس کے بارے میں سوچا آپ نے؟“ رابی نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔
 ”میں کبھی نہیں وکیل صاحبہ!“

”کلثوم بی بی! اس وقت تو آپ کے گھر والے بھی آپ کو طلاق دلوانے کے حق میں ہیں، لیکن کل جب آپ ان کی دہلیز پر جا بیٹھیں گی، تو وہی آپ کے اپنے آپ سے غیروں جیسا رویہ اختیار کر لیں گے، خدا سب کے والدین کو ان کے سروں پر سلامت رکھے، مگر یہ سچ حقیقت ہے نہ تو والدین سدا حیات رہتے ہیں کہ لڑکی ان کے برتے یہ گھر بیٹھی رہے اور نہ ہی سگے بھائی، بہن پہلے جیسے رہتے ہیں، ان کے اپنے مسئلے ہوتے ہیں، سب کی اپنی اپنی زندگی ہوگی، تب آپ کی جگہ کہاں ہوگی، آپ ان سب کے درمیان رہ کر کبھی سب سے الگ، تنہا اور اکیلی ہوں گی، تحفظ دینے والی وہی چھت آپ کے لیے طعنہ بن جائے گی، اس کیس کے حتمی آپ کے مخالف بن جائیں گے، آپ کے پاس تعلیم بھی نہیں کہ کوئی جاب کر کے اپنا بوجھ اٹھا سکیں اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکیں، مڈل پاس کو تو آج کل چڑھائی کی نوکری بھی نہیں ملتی، بالفرض آپ کو سلائی کا کام یا آیا کا کام مل بھی جاتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے گھر والے اس کی یہ کہہ کر مخالفت کریں کہ آپ انہیں بدنام کر رہی ہیں لوگوں پر یہ ظاہر کر رہی ہیں ہم آپ کا خیال نہیں رکھتے آپ کو خرچ نہیں دیتے وغیرہ وغیرہ، تو ایسی صورتحال آپ کے لیے بہت مشکل پیدا کر دے گی، عورت اکیلی ہو یا گھر والوں کے ہوتے ہوئے مالی اور معاشی لحاظ سے ان کی دست نگر ہو تو زندگی، شرمندگی بن کر رہ جاتی ہے، ہمارے ہاں عورتوں کی اکثریت محض تحفظ کے لیے چھت کے لیے مرد کے نام کے سہارے کے لیے ہی اس کی ہرزادی اور نا انصافی، مار پیٹ، تحقیر سہنے پر مجبور ہے، نذیر کو آپ اپنی شرائط پر راضی کر سکیں تو اچھی بات ہے، جو کچھ وہ اب تک آپ کے ساتھ کر چکا ہے وہ آئندہ نہ کرنے کا عہد کر کے تحریری بھی اور عدالت میں بھی بیان دے کہ اگر آپ کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا تو اس کا ذمہ دار وہ ہوگا، وہ ہر طرح سے آپ کے تحفظ اور سلامتی کی یقین دہانی کروادے تو میرے خیال میں خلع کی بجائے صلح بہتر ہوگی، اب آپ اچھی طرح سوچ لیں اور جو فیصلہ آپ کا دماغ کرے وہ کل آ کر مجھے بتا دیں، میں اسی طرح اس کیس کو تیار کر لوں گی۔“ رابی نے سنجیدگی اور تفصیل سے بات مکمل کرنے کے بعد کہا۔

”کیل صاحبہ! باتیں تو آپ کی بھی سچ ہیں پر مجھے ڈر لگتا ہے نذیر کا غصہ کچھ بھی کر سکتا ہے، اور اب تو ایسا میں چاہوں تو بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے اس کے بھائی کے خلاف گواہی دی ہے۔“ کلثوم نے اس کی باتوں سے حیران پریشان ہو کر کہا۔

”آپ نے سچی گواہی دی ہے، اور نذیر بھی یہ سچ جانتا ہے وہ بزدل ہے اس لیے اقرار نہیں کر سکا۔“ رابی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”کل اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو....؟“

”تو وہ خود بھی قتل کر دیا جائے گا، ایسا کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔“ رابی نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیل صاحبہ! میرا دل نہیں مانتا، اب اس گھر میں جانے کو۔“ کلثوم نے کہا۔

”دل کی بھی خوب کپی آپ نے۔“ وہ ہنس کر کھوئے لہجے میں بولی۔

”ایک چھوٹا سا عضو ہے اور کتنے بڑے بڑے فیصلے کروا دیتا ہے اور کن کن راہوں پر جا نکلتا ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ ہوتا ہے اور نہ منزل کا تعین، جو یہ چاہتا ہے وہ ہمیشہ مل تو جاتا تھا، سودل کو سمجھائیں اور دماغ کو استعمال میں لائیں، آپ اپنے حالات کو بہتر سمجھتی ہیں بہتر فیصلہ ہی کریں گی۔“

”میں میکے والوں کے طعنے سہ لوں گی، مگر نذیر کے ساتھ نہیں رہوں گی۔“ کلثوم نے کہا۔

”ڈوبنے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ تنکا آگے چل کر آنکھ میں نہ چھپنے لگے، آپ اللہ کا نام لے کر ان کا خدات پر دستخط کر دیں۔“ رابی نے سنجیدگی سے کہا اور اس کے کیس کی فائل اس کے سامنے رکھ دی اس نے اس کی ہدایت کے مطابق مقررہ جگہ پر اپنے دستخط کر دیے، رابی نے قلم کی کپ لگاتے ہوئے ایک طویل سانس اپنے لبوں سے خارج کیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، کلثوم جا چکی تھی اور وہ نجانے کن سوچوں میں مگنی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔

”ہیلو.... السلام علیکم!“ رابی نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

”علیکم السلام! جیتی رہے، خوش رہیے، کیسی ہیں آپ؟“ دوسری جانب احتشام پر شوخ اور تروتازہ لہجے میں بول رہے تھے، اس نے چونکہ پہلی بار ان کی آواز ٹیلی فون پر سنی تھی، اس لیے پہچان نہیں سکی اور حیران ہو کر کہا۔

”میں خیریت سے ہوں لیکن آئی ایم سوری! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”بے نیازی کی بھی ایک حد ہوتی ہے مس رابی!“

”اوہ.... آپ مشر شام بات کر رہے ہیں؟“ وہ ان کے اس انداز کو فوراً پہچان گئی اور تیز ہوتی دھڑکتوں کو سنبھالتے ہوئے بولی، تو انھوں نے گہرا سانس لیا جس کی آواز اسے ایئر پیس پر صاف سنائی دی، اگلے ہی لمحے وہ اپنے مخصوص لہجے میں شرارت سے بولے۔

”شکر ہے کہ آپ نے مجھے پہچانا تو، ورنہ محترمہ! میں آپ کا کزن ہوں آپ کو اتنے برسوں میں اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ آپ میرا نام پوچھنے کی زحمت کر لیتیں، شام میرا تک نیم ہے اور جو لوگ مجھ سے پیار کرتے ہیں، وہ مجھے شام کہہ کر پکارتے ہیں، کہیں آپ کو مجھ سے پیار تو نہیں ہو گیا؟“

”کک.... کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ ہنسا کر بولی ان کے نام پر تو اسے پہلے ہی شک تھا، اور وہ اکثر سوچتی تھی کہ بھلا شام بھی کوئی نام ہے، مگر اپنی انفرادیت کی وجہ سے اسے یہ نام بھی پسند تھا، اور کیوں نہ پسند ہوتا نام والے سے تو پیار کے رشتے میں بندھ گئی تھی، سو اس کا نام بھی اس کی طرح پیارا تھا اسے۔

”مطلب کی بحث میں کیا جانا اب مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا ہے۔“ وہ شوخی سے بولے۔

”جی....؟“ وہ حیرت سے بولی۔

”جی کے ساتھ ہاں بھی کہہ دیجئے۔“

”آپ نے فون کس لیے کیا ہے؟“
 ”آپ کو کامیابی کی ہیٹ ٹرک مکمل کرنے پر مبارکباد پیش کرنے کے لیے، آپ واقعی بہت بہادر اور ذہین خاتون ہیں، آپ نے تو ابتداء ہی میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں، مجھے آپ کی کامیابی کی بے حد خوشی ہے، بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔“

”جی شکریہ! اور کوئی بات؟“ وہ اپنی حیرت اور خوشی سنبھال نہیں پارہی تھی، ان کی تعریف اور مبارکباد اس کے لیے کسی خزانے سے کم نہیں تھی، وہ نروس ہو کر بولی تھی تو انھوں نے پوچھا۔
 ”میرا فون کرنا آپ کو ناگوار کر رہا ہے کیا؟“

”نہیں... لیکن آپ نے مجھے ڈسٹرب کر دیا ہے فون کر کے۔“ وہ بے دھیانی میں بولی۔
 ”ڈسٹرب تو آپ اس وقت بھی تھیں، جب میں نے فون نہیں کیا تھا۔“ وہ گہرے لہجے میں بولے۔
 ”اکل آئی کا کیا حال ہے اور افشین کیسی ہے؟“ اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔
 ”سب اللہ کے فضل و کرم سے صحت مند اور خوش ہیں، آپ تو اچھی بہن بنی تھیں افشین کی، پلٹ کر اس کی خبر تک نہیں لی، ایسی ہوتی ہیں بہنیں کہ اپنی بہن کو کبھی ملنے بھی نہ آئے، افشین اکثر آپ کو یاد کرتی ہے، کم از کم اسے فون ہی کر لیا کیجیے۔“

”جی میں فون کروں گی، بلکہ بہت جلد میں کراچی جاؤں گی۔“ اس نے نادم ہو کر کہا۔
 ”انشاء اللہ کراچی تو اب آپ کو آنا ہی ہوگا۔“ وہ معنی خیز لہجے میں بولے، وہ اچھی گئی، بولی کچھ نہیں پھر وہ خود ہی چند لمحوں بعد بولے۔

”مس رابی! آپ کو دھمکیاں بھی ملتی رہی ہیں ان کیسر کے دوران، اس لیے اپنا خیال رکھا کیجیے، کسی کا اعتبار نہیں ہے یہاں جرائم پیشہ لوگ اور قاتل وغیرہ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔“

”آپ کو کس نے بتایا کہ مجھے دھمکیاں ملتی رہی ہیں؟“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
 ”محترمہ! ہم اپنوں کی خبر رکھنے والے لوگ ہیں، آپ کی طرح آدم بیزار نہیں ہیں۔“ احتشام نے پیپر ویٹ کو میز پر گھماتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ لفظ ”اپنوں“ پر غور کر رہی تھی، اس کی گہرائی کو سمجھنا چاہتی تھی انھوں نے ایسا کیوں کہا تھا، صرف کنز کے ناطے سے یا اور بھی کوئی رشتہ تھا ان کا اس سے؟

”میں آدم بیزار نہیں ہوں، میں اب کسی سے بیزار نہیں ہوتی اور نہ ہی مجھے نفرت محسوس ہوتی ہے، ہر انسان کا عمل اس کے ساتھ ہے، جو برا ہے وہ برا ہی ہے، مگر میں کسی کے ساتھ برا نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ بنجیدہ لہجے میں بولی۔

”تھینکس گاڈ! اس کا مطلب ہے کہ میرے اچھے دن بہت قریب ہیں۔“
 ”کیا مطلب؟“

”ایک تو آپ ہر بات کا مطلب پوچھنے لگتی ہیں، انجان بننا تو کوئی آپ سے سیکھے۔“ وہ ہنس کر بولے وہ حیا سے سرخ ہو گئی۔
 ”او کے مسٹر شام! مجھے کچھ کام کرنا ہے، آ... آہ...!“ احتشام نے ایئر پیس پر رابی کی ادھوری بات کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز سنی تو وہ لڑکھڑکھ رہے ہو گئے، رابی کی آواز خاموش ہو گئی تھی۔

”مس رابی! جیلو... جیلو... رابی! اوہ گاڈ!“ مسلسل تین گولیاں چلنے کی آواز آئی، جس نے احتشام کو بے حد

پریشان کر دیا، انھوں نے اپنے موبائل پر فوراً ایمر جنسی پولیس کو رابی کے آفس پہنچنے کی تاکید کی اور خود اپنی گاڑی میں اس کے آفس روانہ ہو گئے، رابی کے آفس کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر ان کا دل ڈوبنے لگا، وہ دیوانہ وار بھاگتے ہوئے رابی کے کمرے میں داخل ہوئے تو اسے فرش پر خون میں لت پت دیکھ کر ان کا دل ایک لمحے کو تو دھڑکنے لگا ہی بھول گیا۔

”رابی... رابی!“ احتشام نے بے سدھ پڑی رابی کو ہاتھ سے اوپر اٹھا کر بے قرار لہجے میں پکارا، مگر وہ تو حواسوں کی دنیا سے بہت دور تھی اس وقت۔

”راستہ دیں آپ، تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں یہاں؟“ احتشام نے رابی کو اپنی ہانہوں میں اٹھایا اور باہر نکلتے ہوئے لوگوں کے ہجوم کو غصے سے دیکھ کر کہا، راستے میں ہی زبیر کے بھائی اور کلثوم کے شوہر نذیر کی لاش پڑی تھی، نذیر نے رابی پر پہلا فائر کیا تھا تو اسی لمحے چونک کر ان کے آکر اس پر گولی چلا دی تھی، لیکن نذیر نے رابی پر دوسری گولی بھی فائر کر دی تھی، پولیس بھی پہنچ گئی تھی، احتشام رابی کو لے کر فوراً اسپتال روانہ ہو گئے، راستے میں انھوں نے اپنے موبائل سے ”فیضان ہاؤس“ بھی فون کر کے اس واقعے کی اطلاع دے دی تھی، وہ سب بھی پریشانی کے عالم میں اسپتال پہنچ گئے تھے، رابی آپریشن تھیمز میں تھی، اس کے بایں بازو اور پسلی میں گولیاں لگی تھیں، خون بہت زیادہ ضائع ہو گیا تھا، تھی بھی وہ نازک سی اب جان پر بن آئی تھی، فیضان صاحب پریشان تھے امان بھائی کو رابی کے بلڈ گروپ کی بوتل کہیں نہیں مل رہی تھی۔

”یا اللہ! میری بچی فائز زندگی نے کوئی سکھ نہیں دیا، اسے خوشیاں دکھائے بغیر اس دنیا سے نہ بلانا، اسے خوشیوں اور محبتوں بھری زندگی دے دے مالک!“ نصرت رورو کر گڑگڑا کر دعا مانگ رہی تھیں، جو یہ بھابی انھیں تسلی دے رہی تھیں اور خود بھی رورہی تھیں عمران گم صم کھڑا تھا۔

”شام بیٹا! کہیں سے خون کا بندوبست کرو، ورنہ میری رابی مر جائے گی۔“ فیضان صاحب نے احتشام کے آتے ہی ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا۔

”اکل! آپ دعا کریں انشاء اللہ رابی زندہ رہیں گی، خون کا بندوبست ہو گیا ہے، میں ڈاکٹر کے پاس ہی تھا آپ حوصلہ رکھیں۔“ احتشام نے انھیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے تسلی دی، اور خود آپریشن تھیمز کے باہر بے چینی کے عالم میں ٹھہرنے لگے، رابی سے پہلی ملاقات کا منظر ان کے ذہن میں ابھرا اور آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے سارے منظر ان کی آنکھوں کے سامنے کھوم گئے، وہ اس معصوم اور زخم خوردہ لڑکی کو خوشیاں دینا چاہتے تھے، اور تقدیر نے اب تک انھیں روک رکھا تھا، پچھلے زخموں کے بھرنے کا یقین ہوا تھا، تو آج اسے نئے زخم لگا دیئے گئے تھے، وہ جو اعتبار اور یقین کی مثلاًشی تھی، ہر کسی پر اعتبار کرنے لگی تھی، ایک بار پھر اس کے اعتبار اور یقین کی کرچیاں بکھیر دی گئی تھیں، پہلے بھی ایک مرد نے اس کے جسم و روح پر زخم لگائے تھے، اور آج بھی ایک مرد ہی تھا، جو اس کے جسم کو لہو لہان اور زخم زخم کر گیا تھا، مرد ایک ناقابل اعتبار مخلوق۔

تین گھنٹے کے آپریشن کے دوران رابی کے جسم سے گولیاں نکال دی گئی تھیں، لیکن ڈاکٹر زابھی اس کی حالت کے بارے میں مطمئن نہیں تھے، اسے خون کی دوسری بوتل لگا دی گئی تھی، وہ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں منتقل کر دی گئی تھی، سب گھر والے اس کی زندگی کی دعا میں مانگ رہے تھے، سب کو اپنے اس روپے پر بھی افسوس ہو رہا تھا جو کچھ عرصے سے انھوں نے رابی کے ساتھ اپنا رکھا تھا، اسے دے دے بغیر نظروں میں ڈانٹنا، طر کرنا، اس کے دوبارہ شادی نہ کرنے کی سوچ کو اس کا جرم قرار دے کر اسے کئی پتنگ، گواچی گاں اور ڈار سے چھڑی کوخ کے

خطابات دینا، یہ اس کے اپنے تھے جو اپنے پیار کے باوجود اس کے محض دوبارہ شادی نہ کرنے کے فیصلے سے تنگ آ کر اس سے اس حد تک قابل اعتراض رویہ اپنائے ہوئے تھے، اور رابی کا دل کس طرح اندر ہی اندر پارہ پارہ ہوتا رہا تھا، اس کا کسی نے خیال نہیں کیا تھا، وہ چپ چاپ سب کچھ سہی، دیکھتی اور سہی رہی تھی، کہ جواب دینا ان سے لڑنا لہجہ ناہنجہ چاہتی نہیں تھی، بقول امی کے۔

”اب تو یہ ہماری بات اور بھی نہیں مانے گی، اب تو یہ وکیل بن گئی ہے، اسے بولنا جو آ گیا ہے اب تو یہ ہزاروں دلیلیں گھر کے سنا دیے گی، ہمیں اپنے اس نامعقول فیصلے کی حمایت میں۔“ اور وہ اپنی ماں کی زبان سے یہ الفاظ سن کر جس قدر کھی ہوئی تھی، اسی قدر اس نے خاموش رہنے کی روش اپنائی تھی، اب تو کچھ عرصے سے اس کی بات چیت اور لہجہ مذاق صرف نبیا اور عمران تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا، انھیں بھی جو یہ بھابی اس کے ساتھ اس لیے بیٹھنے دیتیں کیونکہ وہ ان دونوں کو شام کے وقت اسکول کا کام کرواتی تھی، ایک طرح سے وہ ان کی بہترین ٹیوٹر تھی، اور وہ دونوں رزلٹ کے شاندار نتائج سے اس کی محنت اور ذہانت کا ثبوت بھی دیتے رہتے تھے، جو یہ بھابی کو مفت کی ٹیوٹر تھی اپنے بچوں کے لیے، اس لیے وہ اس سے لگاؤ نہ نہیں چاہتی تھیں، لیکن کبھی کبھی وہ بھی غیر لوگوں کی زبان میں اسے شادی نہ کرنے پر طغیہ جملے سنا دیا کرتی تھیں، اپنی اور اس کی دوستی کو فراموش کر دیتی تھیں، رشتوں اور رویوں کی یہ تبدیلی اور تضاد رابی کے لیے بہت تکلیف دہ اور سبق آموز تھی، اس نے گزشتہ پانچ چھ سال میں بہت سچا حقائق سے آگاہی حاصل کی تھی، اور وہ حیرت زدہ تھی کہ لوگ اپنے غلط فیصلوں کا الزام کس طرح اس پر عائد کر کے اس کے ساتھ ہونے والے ظلم اور نا انصافی سے بری الذمہ ہو گئے تھے۔

”ڈاکٹر شاکر! مس رابی کی موجودہ کنڈیشن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟“ احتشام ان کے آفس میں بیٹھے ان سے پوچھ رہے تھے تو انھوں نے بتایا۔

”ان کی کنڈیشن ابھی سیریس ہے کیونکہ ایک تو گولی ان کے دل کے قریب لگی ہے، اور دوسرا ان کا خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے۔“

”تو ڈاکٹر صاحب! آپ مزید خون لے لیجیے، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔“ وہ بے چین ہو کر بولے۔

”احتشام صاحب! آپ کا جذبہ قابل قدر ہے، لیکن آپ پہلے ہی دو بوتلیں خون کی دے چکے ہیں، ہم آپ کا مزید خون لے کر آپ کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔“ ڈاکٹر شاکر نے انھیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ کو کیا معلوم ڈاکٹر! کہ زندگی تو میری اب بھی خطرے میں ہی ہے۔“ احتشام نے بہت مدہم اور معنی خیز لہجے میں کہا، ان کی نظروں میں رابی کی سنہری رنگت والی معصوم اور دلکش صورت گھوم گئی، وہ جو اتنے برسوں سے سب سے اور شاید اپنے آپ تک سے یہ حقیقت چھپائے پھر رہے تھے کہ انھیں رابی سے محبت ہے، آج رابی کی سانسون کی مدہم ہوتی لوٹنے ان کے ضبط کے سارے راز فاش کر دیئے تھے، وہ اس کے لیے کتنے بے گل اور بے قرار تھے، اندر ہی اندر اس کے لیے کس قدر تڑپ رہے تھے، اس کی سلامتی کے لیے دعا گو تھے، یہ وہی جانتے تھے یا صرف خدا جانتا تھا جو گزشتہ چار برس سے ان کی محبت کا گواہ تھا، اور اس وقت وہ خود کو اس قدر کمزور اور بے بس محسوس کر رہے تھے کہ اپنی اس حالت پر ہی انھیں رونا آ رہا تھا، مگر ضبط اور صبر کا دامن تھامے ہوئے تھے۔

”احتشام صاحب! مجھے امید ہے کہ رابی بچ جائیں گی ورنہ گولی ان کے دل پر بھی تو لگ سکتی تھی، اللہ تعالیٰ نے تو ان کے زندہ رہنے کی وجہ باقی رکھی ہے، اب آپ لوگ دعا کیجیے، ہم نے اپنا کام کر دیا ہے اور انشاء

اللہ دعا بھی ساتھ ساتھ کرتے رہیں گے، کہتے ہیں کہ محبت کرنے والوں کی دعا میں بہت اثر ہوتا ہے، خدا تو خود محبت کرنے والا ہے وہ اپنے محبت کرنے والے بندوں کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے۔“ ڈاکٹر شاکر نے ان کی مدہم آواز میں کبھی گئی بات سن لی تھی، ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدہ اور نرم لہجے میں بولے۔

”تھینک یو ڈاکٹر صاحب! پلیز ایک فیور کریں گے آپ میری، مجھے رابی سے ملنے دیجیے بس تھوڑی دیر کے لیے۔“ انھوں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

”ہوں... اوکے لیکن صرف تھوڑی دیر کے لیے ہی، اور آپ بات نہیں کریں گے، ویسے بھی وہ بے ہوش ہیں۔“

”بات تو میں اس سے ضرور کروں گا، دل کی لائن سلامت ہے اور ساری باتیں دل کی ہی ہوتی ہیں۔“ احتشام نے اپنے دل میں کہا اور ڈاکٹر شاکر کے ساتھ آئی سی یو میں آگئے، رابی کے وجود میں مشین آلات لگے ہوئے تھے، بائیں بازو میں خون کی بوتل لگی تھی، بیڈ پر بے ہوش لیٹی رابی کو دیکھنا احتشام کے لیے بے حد تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا، انھوں نے اس کے چہرے کو دیکھا جو اپنی تازگی اور گلہ بیاں کھو چکا تھا، لگتا تھا جیسے اس کے جسم کا سارا اہو پیہ گیا ہو، احتشام کے خون کی یہ دوسری بوتل بھی جو اس کے بے جان ہوتے وجود میں زندگی کی رفق بن کر اتر رہی تھی۔

”رابی! میں نے کہا تھا ناں یہاں کسی کا اعتبار نہیں ہے، تم اکیلی اس معاشرے میں ظلم اور نا انصافی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، جو مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں اترتا ہے یہاں اس کے ساتھ یہی ہوتا ہے جو تمہارے ساتھ ہوا ہے، مجھے یہی ڈر تھا رابی! کہ تم ایک بار پھر بکھر جاؤ گی، مجھے خدشہ تھا کہ حق اور انصاف کے اس راستے پر چلتے ہوئے تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوگا، میرے دلوں کا معاشرہ ہے، یہاں محبت کم اور مکاری زیادہ ہے، تم جیسی لڑکی کو یہ لوگ کیسے برداشت کر سکتے تھے، بلا خرموقع ملنے ہی وار کر گئے، لیکن میں تم سے پیار کرتا ہوں، تمہیں اپنے پیار اور اعتبار کے سائے میں رکھنا چاہتا ہوں، اس لیے تمہیں جینا ہوگا، میں تمہیں زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں اور تحفے وصول کیے بغیر مرنے نہیں دوں گا، اب جب میں تمہیں براہ راست اپنے دل کی بات کہنا چاہتا تھا تو... تو یہ منحوس حادثہ ہو گیا، رابی! تم جانتی ہو میرے دل میں تمہارے لیے جو محبت، چاہت اور پیار ہے تم اس سے بے خبر نہیں ہو، اور نہ ہی میں تمہارے دل کے راز سے ناواقف ہوں، میں جانتا ہوں کہ پیار کے یہ دیپ صرف میرے دل میں نہیں جلے، ان کی روشنی سے تمہارا دل بھی منور ہے، مگر تم ڈرتی ہو کہ کہیں میں بھی جید نہ بن جاؤں، نہیں رابی! ایسا نہیں ہوگا، مت ڈرو رابی! میرے متعلق ایسا کوئی خوف اپنے اندر نہ پالو، میں تمہیں پیار اور اعتبار بن کر دکھاؤں گا، تم ایک بار زندگی کی طرف لوٹ کر تو دیکھو، میں تمہیں پچھلے تمام تکالیف بھلا دینے پر مجبور کر دوں گا، ڈر سے ہٹ کر میرا اعتبار کر کے تو دیکھو، اقرار کر کے تو دیکھو، پھر دیکھنا کہ زندگی نے تمہارے لیے کتنی ڈھیر دل خوشیاں سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں، رابی! یہ جو خون قطرہ قطرہ تمہارے وجود میں اتر رہا ہے، یہ صرف خون نہیں ہے اس میں میرا پیار بھی شامل ہے، اس میں میری وفا بھی شامل ہے، چار برس سے میں اکیلے ہی وفا تمہارا ہوں، بنا کسی اظہار و اعتراف کے صرف اس امید پر کہ میرا پیار سچا ہے تو رابی مجھے ضرور ملے گی، مجھے ناامید مت کرنا رابی! پلیز اس سے زیادہ میرا امتحان مت لیتا، زندگی کی راہ پر لوٹ آؤ رابی! پلیز میری خاطر لوٹ آؤ، میں اکیلا تمہارے سفر طے نہیں کر پاؤں گا، مجھے تمہارا ساتھ، تمہارا ہاتھ چاہیے رابی! سن رہی ہوں ناں، میرے دل کے حال سے انجان تو نہیں ہو تم، جانتی ہو کہ اس وقت تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میرے دل کا کیا عالم ہے، اب تو یہ سب

پروا ہی چھوڑ دو۔ احتشام اس کے ساکت چہرے کو دیکھتے ہوئے اس سے اپنے دل میں مخاطب تھا، اس کے وجود میں کوئی جنبش، کوئی حرکت، کوئی ہلچل نہ ہوئی تو وہ تڑپ کر رہ گیا، اپنے آنسوؤں کو پلکوں کی سرحد سے واپس دھکیلتے ہوئے آ کی سی یو سے باہر نکل گیا۔

سب گھر والوں کا حال برا تھا، شازبیہ، نازیہ، سعدیہ باجی بھی پہنچ گئی تھیں، اپنے اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ، سب ہی رابی کے لیے پریشان اور دعا گو تھے، احتشام کی حالت سب سے سوچنی، وہ سب کو حوصلہ دے رہے تھے اور اپنا دکھ بھی سب سے کمال مہارت سے چھپائے ہوئے تھے، رابی کی زندگی کی دعائیں ان کے رویں روئیں سے نکل رہی تھیں، اور وہ ایسی بے خبر تھی ان کی بے قراری اور بے فکری سے کہ دو دن گزر گئے تھے اور اس نے آنکھیں تک نہیں کھولی تھیں، کوئی حرکت اس کے وجود میں نہیں ہوئی تھی، وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح بستر پر لیٹی تھی، مبینوں نے اس کی دھڑکنوں کا حساب کتاب سنبھال رکھا تھا، نصرت اور فیضان صاحب نے تو اس کی زندگی کے لیے صدقہ، خیرات بھی دیا، رورور کر دعائیں مانگی تھیں۔

مجھ کو حیرت ہے تیرے پیار میں کھو کر میں نے اپنی ہستی کو مٹایا پر نہ اظہار کیا

احتشام رابی کے بیڈ کے قریب گھڑے اس کے چہرے کو بہت پر امید نظروں سے دیکھ رہے تھے، یہ دو دن انھوں نے کس قدر اذیت میں گزارے تھے، یہ وہی جانتے تھے، انھیں تو کھانے پینے اور آرام کرنے سونے تک کا ہوش نہیں رہا تھا، بس ایک ہی خیال، سوچ، دعا تھی کہ رابی زندہ رہے وہ بچ جائے، صحت یاب ہو جائے۔

☆.....☆.....☆

احتشام نے دیکھا رابی کی آنکھوں کے پوٹوں میں کچھ حرکت ہو رہی تھی، اس کا ہاتھ بھی ذرا سا اپنی جگہ سے سرکا تھا، ان کی تمام تر حیات آ نکھ بن گئی تھیں، جسم میں ایک سنسنی سی دوڑنے لگی تھی، وہ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر بہت جذباتی ہو رہے تھے۔

”رابی! رابی! آنکھیں کھولو!“ احتشام نے اس کا ہاتھ بے اختیار ہو کر تھام کر اسے بہت بے قراری سے پکارا، چند منٹ بعد رابی نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں، احتشام کو اپنی نظروں کے بالکل سامنے پایا تو اس کی مندی مندی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں، اور وہ اس کی حیرت زدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا دیئے اور خدا کا شکر ادا کر کے بولے۔

”ایمان سے بہت لا پرواہ ہیں آپ، خود تو مزے سے ڈھائی دن اور راتوں تک بستر پر نیند کے مزے لیتی رہی ہیں، اور ہم سب کا جاگ جاگ کر حشر بگڑ گیا ہے، آئندہ اگر اتنی لمبی نیند سوئیں ناں آپ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

”برا کوئی اور... ہی... ہوگا۔“ وہ ہلکی سی مسکان لیوں پر لا کر دم اور کمزور آواز میں انک انک کر بولی۔
”تو گویا میرے اچھے ہونے کا یقین ہے آپ کو۔“ وہ خوش ہو کر بولے، اس کا ہاتھ اب تک ان کے ہاتھوں میں مقید تھا اور اسے زندگی کا احساس دلار ہاتھا۔

”میر...!... ہاتھ...!“ اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش نہیں کی کہ ہمت اور طاقت نہیں تھی بس بول دیا، تو وہ اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں سے گرم کرتے ہوئے بولے۔
”یہ میرا ہاتھ ہے اسے کوئی اور ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔“ اور رابی کے اندر جیسے تازہ اور مہکتی سانسوں کے سوتے

پھوٹنے لگے، وہ چند لمحے انھیں دیکھتی رہی، اپنی محبت کا رنگ ان کی نظروں میں دیکھ کر سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔

”محترمہ! بس کیجیے... اتنا مت سوئیں کہ میرے نصیب بھی سوجائیں۔“ احتشام نے فوراً کہا، تو اس نے آنکھیں کھول کر انھیں دیکھا، وہ اپنی تمام تر کمبختیوں سے، شدتوں سے اسے دیکھ رہے تھے، اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان آ کر دم توڑ گئی، اس کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر سب ہی اس سے ملنے دوڑے چلے آئے، امی ابو نے اسے بے تحاشہ پیار کیا، اسے پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ کیا گیا تھا، اس کی حالت اب قدرے تسلی بخش اور بہتر تھی، احتشام صبح شام اس کی تیمارداری اور عیادت کے لیے موجود ہوتے تھے، وہ انھیں دیکھ دیکھ کر جی اٹھتی تھی، بس اب ایک وہی تھے جن کی خاطر اسے زندگی میں اپنے لیے کوئی کشش، کوئی خوش محسوس ہوئی تھی، ورنہ وہ زندہ بچ جانے پر ہی آرزو ہو گئی تھی، اخبارات میں اس کے اس حادثے کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوئی تھیں، وکلاء نے اس واقعے کی مذمت کی اور احتجاجاً عدالتوں کا بائیکاٹ کیا، ہڑتال اور بیان بازی ہوئی، مذریعہ کا پوسٹ مارٹم کر کے اسے دفن کر دیا گیا تھا، پولیس نے رابی سے اس کے چوکیدار سے اس واقعے کی تفتیش میں مدد لی، ان دونوں کا بیان ریکارڈ کیا گیا، رابی نے کسی قسم کی رپورٹ درج کرانے سے انکار کر دیا تھا، یہ کہہ کر کہ۔

”جب جملہ آوری ہو گیا تو رپورٹ کس کے خلاف درج کرواؤں؟“ فیضان صاحب بھی اس واقعے کو مزید پھیلانے کے حق میں نہیں تھے، انھیں رابی کی اس سوچ سے اتفاق تھا، اب وہ اسے مزید لاء کی پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے، انھوں نے اس کے ہوش میں آنے کے دوسرے دن ہی اس سے کہہ دیا۔
”بس بہت ہو گئی حقوق نسواں اور انصاف کی وکالت، اب تم شادی کرو کی اور اپنا گھر بساؤ گی۔“

”ہاں خبردار! جواب وکالت کی کتابوں کو ہاتھ لگایا، تم نے دوسروں کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا کہ انصاف کے لیے بحث کرو، دماغ لڑاؤ اور گولیاں بھی کھاؤ۔“ نصرت نے بھی فوراً ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”اپنی مرضی کر کے بھی دیکھ لیا ناں، تم نے عورتوں کے لیے نرمی خواری ہے، اس پیشے میں، کوئی عزت نہیں کرتا، ہر وقت مردوں کے درمیان کورٹ پچھری کے چکر لگانی اور بحث کرنی عورتوں کی، اخبار اور پولیس والے ذاتی زندگی تک کے اسکینڈل بنا دیتے ہیں، اس کا اندازہ تو تمہیں ہو گیا ہوگا، کچھ اپنی اور ہماری عزت کا خیال کرو، لوگ ہم سے طرح طرح کے سوالات پوچھتے ہیں، اب ہم ہر وقت لوگوں کو جوابات اور صفائیاں ہی پیش کرتے رہیں گے، کوئی اور کام نہیں ہے ہمیں، ابو نے صحیح کہا ہے اب تم شادی کر کے گھر بساؤ، بہت کرنی وکالت بازی، یہ تمہارے کرنے کا کام نہیں ہے، تمہارا اصل کام گھرداری ہے، وہی سنبھالنے کے لیے خود کو تیار کرو۔“ امان بھائی نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں تو اور کیا اب تو رشتے مل بھی رہے ہیں، کل جب رشتے آنے بند ہو جائیں گے، تو کیا کرو گی، تنہا زندگی گزارنا ایک عورت کے بس کی بات نہیں ہے، سمجھنے کی کوشش کرو۔“ جو یہ بھائی نے بھی اپنی بات اس کے کانوں میں انڈی لی۔

”تم نے مردوں سے انتقام لینے کے لیے وکالت کا پیشہ اپنایا تھا ناں، دیکھ لومنے کی کھانی پڑی ہے، تم خود ہی ضائع ہو جاؤ گی اس راستے پر چل کر۔“ شازبیہ نے طنز یہ کہا۔

”ابھی تو آغاز تھا، اور انھوں نے تمہارا انجام تمہیں دکھا دیا ہے، ہر کیس میں مذریعے جیسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا، اب تم ساری زندگی دھمکیاں سننے، گولیاں کھاتے گزارنا چاہتی ہو تو اس پاگل پن کا تو کسی کے پاس کوئی

علاج نہیں ہے۔“ نازیہ نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا، سب اپنی اپنی بات اس کے دل پر بجلی کی طرح گراتے چلے جا رہے تھے، سعدیہ بلبلی رہ گئی تھیں، رابی نے لینے لینے ان کی طرف دیکھا تو وہ بہت طنزیہ لہجے میں بولیں۔

”اس واقعے سے کوئی سبق نہیں سیکھا تم نے، عقل مند کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔“

”سبق بھی بہت سیکھے ہیں اور اشارہ بھی ہر ایک سمجھ میں آ گیا ہے، لوگوں کی اصلیت اور حقیقت شاید ایسے ہی موقعوں پر دیکھنے کو ملتی ہے۔“ رابی نے مدغم اور کریناک آواز میں کہا تو وہ منہ بناتی کمرے سے نکل گئیں، اب صرف احتشام کمرے میں رہ گئے تھے، انھوں نے اس کے ساتھ ان سب کے پیچھے اور طنزیہ جملے برداشت کیے تھے، اس سے انھیں رابی کے دکھ کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، رابی نے انھیں کھڑا دیکھا تو مدغم اور کانپتی آواز میں بولی۔

”آ... آپ کچھ نہیں... کہیں گے؟“ اور احتشام کا دل تڑپ تڑپ گیا، دکھ اور کرب سے ان کا لہجہ غنائک ہو گیا، وہ اس کے بیڈ کے قریب چلے آئے اور اس کا ہاتھ تھام لیا، ضبط نام کے لیے انھوں نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا، چند لمحوں کے بعد خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے اور جب لہجہ کا بھیگنا حلق سے نیچے اتر گیا تو نرمی سے بولے۔

”رابی! خود کو کبھی تنہا مت سمجھے گا، میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

”آپ...!“ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی، آنسو اس کی پلکوں کی حد توڑ کر بہہ نکلے۔

”جی ہاں میں، اور اب آپ جلدی سے صحت مند ہو جائیں، مجھے آپ سے اپنے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لینا ہے۔“ وہ ممتی خیز اور شوخ لہجے میں بولے۔

”کیا مطلب؟“ وہ خاک نہ بھی مٹی۔

”میں تیرے جسم میں لہو بن کے دوڑتا پھر رہا ہوں

تجھ کو آواز نہیں آتی میری جانِ جاناں!“

وہ تو یہ شعر سنا کر چلے گئے اور وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

”شام! نے مجھے خون دیا ہے، دو بوتلیں خون کی انھوں نے دی ہیں، مگر کیوں؟“ وہ شعر کا مطلب سمجھی تو خود

سے حیران ہو کر سوال کیا۔

”تمہاری زندگی بچانے کے لیے اور کیوں؟“ اس کے دماغ نے جواب دیا۔

”انھیں میری زندگی بچا کر کیا ملے گا؟“

”زندگی...!“ اس کے دل نے جواب دیا۔

”کیا واقعی؟“ وہ خوشی اور دکھ کے ملے جلے احساسات میں گھری سوچ رہی تھی، اسے ڈاکٹر شاکر کی زبانی یہ تو معلوم ہو ہی گیا تھا کہ احتشام ہی اسے ہاسٹل لائے تھے، اور دن رات اس کی وجہ سے ہاسٹل میں اس کے پاس موجود رہے تھے، دونوں لائے کا کام بھی انھوں نے کیا تھا۔

”تو کیا محبت ایسی ہوتی ہے بے غرض، بے ربا، بے غلوں؟“ رابی نے سوچا۔

”کھانا کھا لورابی!“ جویریہ بھابی ہاٹ پائٹ اور دشمن میں اس کے لیے پرہیزی کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئیں، تو وہ چونک کر سوچوں کے گرداب سے باہر نکل آئی، اور اسے ان سب کے رویے نے ایک بار پھر دکھی۔

کر دیا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ اس نے بھرائی آواز میں کہا۔

”اپنی حالت دیکھو ذرا، کچھ کھاؤ گی نہیں تو تندرست کیسے ہوگی، خدا کا شکر ادا کرو گے، بچ گئی ہو اگر گولی تمہارے دل پر لگ جاتی تو...!“

”تو اچھا ہوتا، آپ سب کی جان چھوٹ جاتی، میں نے... آپ... سب کو بہت... پریشان کر رکھا ہے ناں، مر جاتی تو کم از کم روز روز کی اس پریشانی سے تو آپ کو نجات مل جاتی۔“ رابی نے روتے ہوئے انک انک کر کہا تو جویریہ بھابی اپنے لہجے پر شرمندہ ہو کر آبدیدہ ہو گئیں، اور اس کا ہاتھ چوم کر بولیں۔

”رابی میری جان! مجھے معاف کر دو، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔“

”پلیز بھابی! آپ جائیں، مجھے اکیلا چھوڑ دیں پلیز، مجھے بھوک لگے گی تو میں نرس سے کہہ دوں گی، آپ جائیں گھر جا کر آرام کریں۔“ رابی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا، تو وہ مجبوراً وہاں سے چلی گئیں۔ اسے یاد آ رہا تھا عمران اور نیہا سے وکیل کے سفید لباس میں دیکھ کر فرشتہ پھپھو کہا کرتے تھے، ایک دن وہ تیار ہو کر آفس جانے کے لیے کمرے سے نکلی تو عمران نے اسے دیکھتے ہی نصرت سے کہا تھا۔

”دادی جان! دیکھیں تو رابی پچھو فرشتہ لگ رہی ہیں، ہے ناں؟“

”ہاں ایک ہی تو فرشتہ ہیں، باقی سب تو شیطان ہیں یہاں۔“ نصرت نے بہت طنزیہ لہجے میں کہا تھا اور وہ دل کی کرچیوں کو سمیٹتی کمرے آفس چلی گئی تھی۔

”لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ رابی کی شادی کیوں نہیں کرتے، چھوٹی بہنوں کو تو بیاہ دیا، اب ہم کب تک بہانے بناتے رہیں کہ اس کی تعلیم مکمل ہوگی تب شادی ہوگی، اور جنھیں اس کی پہلی شادی اور طلاق کا علم نہیں ہے وہ بھی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں، کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس کی کوئی عیب ہے اس کا کردار اچھا نہیں ہے؟“ جویریہ بھابی امان بھائی سے کہہ رہی تھیں، ایک دن اتفاقاً اس نے سن لیا تھا۔

”رابی اپنے پہلے تجربے سے ہی دل برداشتہ ہو گئی ہے، اب ہم کیا کر سکتے ہیں، زبردستی کریں گے تو نتیجہ برا نکلے گا۔“ امان بھائی نے جواب دیا تھا۔

”فیضان! آپ ہی رابی کو سمجھائیں، اتنے اچھے رشتے ہاتھ سے نکلے چلے جا رہے ہیں، لوگ تو یہی کہیں گے ناں کہ لڑکی کو گھر بسانے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا، جب ہی دوبارہ شادی نہیں کرتی اور پہلی شادی کو بھی رابی کی ہی تائید کر دانیں گے، ہم کب تک اس کے سر پر بیٹھے رہیں گے، بہنیں اپنے گھر آباد ہیں، بھائی اپنے گھر خوش ہے، رابی اکیلی کہاں جائے گی کب تک عدالتوں میں لڑتی پھرے گی؟“ نصرت نے فیضان صاحب سے سنجیدگی سے بات کی تھی، چند دن پہلے تو انھوں نے جوابا کہا تھا۔

”رابی کو مردوں سے خدا واسطے کا پیر ہو گیا ہے، نفسیاتی مسئلہ بن گیا ہے یہ اس کا، میرے خیال میں تو اسے کسی باہر نفسیات کو دکھانا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کل کلان کو کوئی اور مسئلہ کھڑا ہو جائے۔“

”سب مجھ سے تنگ آ گئے اتنی جلدی، حالانکہ ابھی تو میری تعلیم مکمل ہوئے تقریباً ایک سال ہوا ہے، میری شادی اگر میری تعلیم مکمل ہونے کے بعد کی جاتی، تب بھی اتنا عرصہ تو لگ ہی جاتا، مگر یہاں تو سب کو جلدی ہے، پہلے بھی جلدی تھی، اٹھارہ برس کی بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ بیاہ دیا، طلاق ہو گئی، تب سے اب تک جلدی جلدی بچا رہی ہے سب نے، میں بوجھ ہوں ناں ان پر، مجھے ہر وقت گھر سے نکالنے کے بارے میں ہی سوچتے رہتے ہیں

سب، کبھی پیار اور کبھی طنز یہ پہلوں کی لتوار، ختم کر دیا ہے مجھے ان سب نے، پتا نہیں میرا دل...“ رابی کو ایک ایک کر کے سب کی باتیں یاد آتی گئیں، تڑپاتی اور زلزلانی گئیں، روتے روتے اس کی ہنسی بندھ گئی اور پھر اس کی حالت بگڑ گئی، نرس اسے دوا کھلانے آئی تو اس کے بے سدھ، بے ہوش وجود کو دیکھا، گھبرا کر ڈاکٹر کو بلا لائی، اسے ایک بار پھر مشینوں پر لگا دیا گیا، آسجین ماسک اس کے منہ پر لگا دیا گیا، اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں، اور موت کی راہ ہموار ہو رہی تھی۔

”ڈاکٹر! کیا ہوا، یہ اچانک کیا ہو گیا انھیں؟“ احتشام جو گھر سے کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ کر تیار ہو کر ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئے تھے، رابی کی حالت دیکھ کر سناٹے میں آ گئے۔

”مسٹر شام! آپ ان کے گھر والوں کو سمجھائیے ان کے حال پر رحم کریں، ابھی کل ہی تو انھیں ہوش آیا ہے، اور آپ سب لوگ یہاں جمع لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، ہر کوئی اپنی بات کہنے کی جلدی میں ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ کسی میں سنے کی تاب اور سکت بھی ہے کہ نہیں، اب انھیں اگر کچھ ہو جاتا ہے تو اس کے ذمے دار ان کے گھر والے ہوں گے، ہم سے گلہ مت کیجیے گا۔“ ڈاکٹر شاکر نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا، تو جہاں وہ سب دروازے میں کھڑے شرم سے پانی پانی ہو گئے، وہاں احتشام کی ساری ہمت اور توانائی جاتی رہی اور وہ رابی کے قریب چلے آئے، اس کے آنسوؤں سے جھپکے بالوں کو چھوا تو ان کا دل کٹ کر رہ گیا، ان کی باتیں انھیں بھی تو تڑپا گئی تھیں تو بھلا رابی کیسے اثر نہ لیتی ان کی باتوں کا، اس کا یہ حال تو ہونا تھا ناں، انھوں نے سوچا۔

”رابی! میرا کیا قصور ہے، تم مجھے کس بات کی سزا دے رہی ہو، سنو! ایسا مت کرو، اگر میں نے تمہیں کوئی دکھ دیا ہے تو میں سزا سمجھنے کے لیے تیار ہوں، مگر تب بھی یہ سزا مجھے قبول نہیں ہے، نہیں رابی! ایسی جان لیوا سزا مت دو مجھے، پلیز رحم کرو مجھ پر رابی! پلیز۔“ احتشام نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا، آنسوؤں ٹپ ان کی آنکھوں سے گرتے چلے گئے، ڈاکٹر شاکر اور نرسوں نے حیرت اور دکھ سے انھیں دیکھا۔

”حوصلہ کریں احتشام صاحب!“ ڈاکٹر شاکر نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ اپنی بے اختیاری پر کچھ نادام سے ہو گئے، فوراً ہی اپنے آنسو پونچھ لیے۔ رات گئے کہیں جا کر رابی کی حالت سنبھلی، آسجین ماسک اتارا گیا، نرس نے اسے سوپ پلانے کے بعد دوا کھلائی، دوا کھا کر وہ پھر سے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

نیند آنکھوں کی میری ٹو نے چرائی پھر سے
مجھے یہ فکر کہ تیری سانسیں نہ چرائے کوئی

احتشام کی نظر میں اس کے چہرے پر پھیلے کرب کے تاثرات کو بہت دکھ سے دیکھ رہی تھیں، وہ رات بھر اسی کے پاس بیٹھے رہے، صبح فجر کی اذان ہوتے ہی چلے گئے، رابی نے انھیں جاتے ہوئے دیکھا تھا مگر پہچان نہ سکی کہ کون گیا ہے، وہ امان بھائی ہی سمجھی تھی انھیں، کیونکہ اس نے صرف ان کی پشت دیکھی تھی، صبح سب گھر والے اسے دیکھنے آئے اس کے لیے ناشتہ لے کر آئے، مگر اس نے نہ کسی سے بات کی، نہ ناشتہ چکھا، چپ چاپ لیٹی رہی ان کے گل کے رویے کا درد ابھی تازہ تھا، سب باری باری اس سے اپنے رویے کی معذرت کر رہے تھے مگر وہ خاموش تھی، نصرت نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو پریشان ہو کر بولیں۔

”ہائے اللہ! اسے تو بہت تیز بخار ہے۔“

”یہ بخار انھیں آپ کے رویوں اور طنز بھرے جملوں نے چڑھایا ہے، آپ لوگ انھیں ڈسٹرب مت کریں، اتنے بڑے حادثے کے بعد انھیں آپ کی توجہ، ہمدردی اور محبت کی ضرورت ہے، نہ کہ سختی اور طنز کی، پلیز آپ

دل باہر جا سکیں، نرس انھیں ناشتہ کروا دے گی، انھیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔“ ڈاکٹر شاکر نے کمرے میں چلے جاتے ہوئے بے حد سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

”تین دن سے آرام ہی تو کر رہی ہے بستر پر لیٹی۔“ سعدیہ باجی اپنی عادت کے مطابق بولنے سے باز نہ آئیں، رابی کو بہت دکھ پہنچا ان کے اس جملے سے، ڈاکٹر شاکر نے انھیں گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

”تکلیف اور درد کی حالت میں زخموں سے پور شخص اگر دس دن بھی بستر پر لیٹا رہے، تو وہ آرام نہیں کر رہا ہوتا، آرام تو صحت مند حالت میں ملتا ہے۔“

”رابی بیٹا! ہم سے ناراض ہو، ہم نے تو تمہارے بھلے کو کہا تھا تمہاری شادی...!“

”کردیں میری شادی، جہاں آپ کا دل چاہے۔“ رابی نے پہلی بار زبان کو حرکت دے کر کہا۔

”تو تم راضی ہو؟“ فیضان صاحب نے اس کی بات سن کر خوشی سے کہا۔

”پلیز آپ لوگ باہر جائیں، ایسی باتیں آپ ان کے صحت یاب ہونے پر کر لیجیے گا۔“ ڈاکٹر شاکر نے سختی سے کہا تو وہ سب کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

”پچھوا! اخبار میں نذیر کے گھر والوں نے آپ کے خلاف بیان دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ نے زبیر کو بچانے کے لیے ان سے دولاکھ روپے لیے تھے، مگر پھر اسے پھاسی کی سزا دلوا دی اور کلثوم کو آپ نے طلاق لینے پر آمادہ کیا تھا، کیونکہ آپ کو طلاق ہو چکی ہے، اس لیے آپ کسی کو ہنستا بستا نہیں دیکھنا چاہتیں، لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے وکالت اسی لیے شروع کی ہے تاکہ عورتوں کو طلاق دلوا سکیں، ان کے گھر پر باد کر سکیں۔“ عمران شام کو اس سے ملنے آیا، تو بہت درد بھرے انداز میں اسے بتا رہا تھا، اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

”بیٹا! لوگ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔“

”آپ کو لوگوں کی پرواہ کب سے ہونے لگی؟“ احتشام جو ابھی ابھی آئے تھے، عمران کی بات سن کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے، ان کے لہجے میں دکھ تھا طنز کا شائبہ نہیں تھا، وہ دھمی ہوئے تھے کہ وہ شکست خوردہ دکھائی دے رہی تھی، تھکی تھکی، ہاری ہوئی رابی پر انھیں بے انتہا پیار آ رہا تھا، وہ اسے یوں ٹوٹے ہوئے تو دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

”جب اپنے لوگوں کو غیر لوگوں کو میری ہر معاملے میں پرواہ رہنے لگی ہے تو مجھے بھی تو ان کی پرواہ کرنی چاہیے ناں، اور شاید میں انہوں کی ناراضی اور ڈنڈ نہیں کر سکتی۔“ اس نے گہرا اور طویل سانس اپنے لبوں سے خارج کر کے کہا۔

”تو آپ وکالت چھوڑ دیں گی؟“ وہ اس کے بیڈ کے قریب چلے آئے۔

”وکالت کیسا! میں تو دنیا چھوڑ دیتی، مگر پتا نہیں کون دعاؤں میں مانگ لایا ہے مجھے؟“ اس کے لہجے میں نفی اور لبوں پر زخمی مسکراہٹ تھی، احتشام کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل تیز دھار آ لے سے کاٹ دیا ہو، وہ مدھم لہجے میں بولے۔

”اپنے دل سے پوچھیں اس ”کون“ کا پتہ دل کو ضرور ہوگا۔“

”اس دل کا حافظہ کمزور ہو جائے تو اچھا ہے سزاور نہ زندگی بہت دشوار ہو جائے گی۔“ وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

”پچھو! پانی پینے کی؟“ عمران نے خود پانی پیا تو اس سے بھی پوچھ لیا اس نے لیٹے لیٹے اثبات میں جواب دیا، تو اس نے اسے کپ میں پانی ڈال کر بڑی احتیاط سے پلایا، احتشام اس کی تکلیف دہ حالت پر خود بھی بہت تکلیف محسوس کر رہے تھے۔

”تھیک ہو بیٹے! جیتے رہو“۔ رابی نے مسکرا کر کہا تو اس نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”آپ بھی جیتی رہیں پچھو! یوں بستر پر لیٹی اچھی نہیں لگتی، جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، پھر ہم کرکٹ بھی کھیلیں گے، آٹس کریم کھانے بھی جائیں گے اور آپ کے ہاتھ کا بنانا سن اپیل کیگ بھی کھائیں گے، کھلائیں گی ناں؟“ عمران نے اس کے بالوں کو پھینرتے ہوئے معصومیت سے سادگی سے کہا۔

”ہاں کھلاؤں گی، چٹورے!“ رابی نے مسکراتے ہوئے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپٹ لگائی، تو وہ ہنس دیا، احتشام بھی ان کی باتوں کو دلچسپی سے سن رہے تھے، وہ بھی ہنس دیئے۔

”میں نے سنا ہے کہ آپ شادی کے لیے راضی ہو گئی ہیں“۔ احتشام نے عمران کے جاتے ہی اس سے یہ سوال پوچھا، تو وہ ان کے وجہ بہہ سر اُپے کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

”آپ نے درست سنا ہے۔“

”آپ دل سے راضی ہیں یا...؟“

”جانتی نہیں“۔ وہ ان کی بات کا ٹکڑا کر دم آواز میں بولی۔

”مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جب اسے اپنی تمام کشتیاں جلا کر خود کو حالات کے وسیع اور گہرے سمندر کے حوالے کرنا پڑتا ہے، پھر یہ اس کی قسمت کا اس کے ہاتھ خالی سیپ آتے ہیں یا گوہر نایاب، کوئی اعمول موتی یا کھوکھلی سپی، اور شاید میری زندگی میں بھی وہ لمحہ آ گیا ہے اور میں نے بھی اپنی تمام کشتیاں جلا کر خود کو حالات کے سمندر کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، آگے میری قسمت، دیکھتے ہیں کہ تقدیر اب بھی میرے ساتھ پرانا سبق دہراتی ہے یا کچھ اور رنگ دکھائی ہے، میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے، اور ویسے بھی ہونا تو ویسی ہے جو لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، خدا کی رضا کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا، ہم لا کھارادے باندھیں، فیصلے کریں، منصوبے بنائیں، جب تک ان ارادوں، فیصلوں اور منصوبوں میں اللہ کی منشا اور رضا شامل نہیں ہوگی، وہ کبھی پورے نہیں ہوں گے، جب سب کچھ اس کی رضا سے ہونا ہے، تو ہم کیوں نہیں تسلیم خرم کر دیتے، کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے فیصلے اور رائے کو بدلنے کی چلک اپنے میں نہیں رکھتا، اس کا ذہن جو ہڑکی مانند ہو جاتا ہے، اور میں الحمد للہ اپنے ذہن کو تروتازہ محسوس کرتی ہوں، سو بہت کچھ سوچنے کے بعد میں نے اپنی رائے تبدیل کر لی ہے۔“

”آپ کی رائے کی تبدیلی سے کسی خوش نصیب کی زندگی تبدیل ہو جائے گی“۔ احتشام اس کی تجربے کی باتیں سن کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، چند لمحوں بعد مسکراتے ہوئے بولے۔

”یہ تو نصیب بنانے والا ہی بہتر جانتا ہے۔“ وہ کمزوری آواز میں بولی۔

”ویسے اس خوش نصیب کا نام کیا ہے جو آپ کا نصیب بننے والا ہے۔“

”میں نے جاننے کی کوشش نہیں کی، کمال درجے کی بے نیازی تھی۔“

”آپ کے تین چار پر پوزل آئے ہوئے ہیں، آپ اپنی پسند سے کسی کا انتخاب کر سکتی ہیں“۔ وہ حیران اور کچھ افسردہ سے ہو کر بولے۔

”سر! جب سمندر میں اترنا ہی ٹھہرا، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ سمندر کا نام کیا ہے، اس کا رنگ اور حدود اور کیا ہے؟“

”آپ کو واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ کوئی بھی آپ کا شریک سفر بنا دیا جائے۔“ وہ اس کے جواب سے ہلکی ہو کر بولے۔

”میں نے کہا ناں سر! جو میرے نصیب میں ہو گا وہ مجھے مل جائے گا۔“

”اور جسے آپ کا دل چاہتا ہے، جس سے آپ کے دل کو محبت ہے۔“ وہ بے چین ہو کر بولے، تو اس نے مسکرا کر دم اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

”سر! یہ محبت بھی تو اللہ ہی ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے، محبت دینے والا محبت سے ملا دینے کا اختیار بھی تو رکھتا ہے۔“ وہ عجیب فلسفہ بول رہی تھی، زندگی نے اسے اتنی کم عمری میں بہت کچھ سکھا اور سمجھا دیا تھا، احتشام نے اسے بہت دکھ اور بے قراری سے دیکھا۔ اس کی خوابوں کی عمر عذراؤں میں گزر گئی تھی، لیکن وہ اسے اچھے دنوں کی امید دلانا چاہتے تھے، اسے خوشیاں دینا چاہتے تھے۔

”رابی! آپ نے تو سب کچھ تقدیر پر چھوڑ دیا ہے انسان خود بھی تو کوشش کرتا ہے۔“ احتشام نے بے چینی سے کہا وہ اس کے دل کا حال جاننا چاہتے تھے، اور وہ بھی کہ ان کی محبت ان کے صبر کو آزمائے جا رہی تھی۔

”سر! جو انسان کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے ناں وہ اس تک بغیر کوشش کے پہنچ جاتا ہے، صرف دعا تقدیر بدل سکتی ہے، دعا کا اختیار مجھے حاصل ہے، اور میں اپنے لیے دعا ضرور کروں گی، دل کا حال تو خدا جانتا ہے دعا بھی دل سے ہی نکلتی ہے۔“

”رابی! آپ حد درجے کی لا پرواہ لڑکی ہیں۔“ وہ ناراض لہجے میں بولے۔

”اچھا... تو آپ اس لا پرواہ لڑکی کی اس قدر پرواہ کیوں کر رہے ہیں، جانیے جا کر آرام کیجیے اور اپنے آفس اور فیکٹری کا کام سنبھال لیں۔“

”کام تو چلتا ہی رہتا ہے، لیکن اگر انسان چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔“

”کسما مطلب؟“ وہ ان کی ذومعنی بات پر الجھ کر بولی۔

”کوئی مطلب نہیں ہے میرا، آپ انجان بنی رہیے، چاہے کوئی جہاں سے چلا جائے آپ کی بلا سے، آپ نے تو انجان بننے اور نظر انداز کرنے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔“ وہ ایک دم غصے میں آ گئے اور قدرے تیز لہجے میں بول پڑے۔

”آپ کو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

”مجھے آپ سے ہر لہجے میں بات کرنے کا حق حاصل ہے۔“ وہ بڑے رعب سے بولے۔

”آپ پلیز چلے جائیے، مجھے تنہا چھوڑ دیجیے۔“ وہ رو ہانسی ہو گئی۔

”جی نہیں، بہت مہمانی کر لی آپ نے، بہت تمہارہ کر دیکھ لیا اور دوسروں کو بھی اس تنہائی کا زہر پینے پر مجبور کیے رکھا ہے، اب آپ کو تنہا نہیں رہنے دیں گے ہم۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔ ان کے انداز اور لفظوں کے انتخاب نے اسے بے قرار کر دیا تھا، وہ ابھمن میں تھی کہ اگر وہ خود اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں، تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے، یوں پھیلیاں کیوں بھجوار ہے ہیں، اس کے ضبط و صبر کو کیوں آزمارہے ہیں۔

”آپ شادی کب کر رہی ہیں، مجھے تاریخ بتا دیجیے، تاکہ آنٹی اور انکل کو بتا دوں، انھوں نے مجھے اس سلسلے میں آپ سے بات کرنے کے لیے بھیجا ہے، ان سے تو آپ نے کلام ترک کر رکھا ہے، شکر ہے مجھ سے تو بات کر رہی ہیں.... کیسے!“

”میری طرف سے کل ہی نکاح کرادیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن جس شخص کو میرے لیے وہ منتخب کریں، اسے میرے متعلق سب کچھ بتادیں اور میں جہیز نہیں لوں گی، اگر مجھے اسی حالت میں وہ صاحب قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ...!“

”نہ، نہ ورنہ کی بات نہ کریں“۔ وہ فوراً اس کی بات کاٹ کر شوخی سے بولے۔

”ایک دیوانے صاحب ہیں جو آپ کو اس حالت اور اس مالیت پر دونوں حالتوں میں بخوشی دل و جان سے قبول کرنے کے لیے بے تاب ہیں، کل جمعہ ہے کل ہی آپ کا نکاح ہو جائے گا، مگر میں شریک نہیں ہو سکوں گی۔“

”وہ کیوں؟“ وہ بے چین ہو کر بولی۔

”کیونکہ مجھے کل کراچی جانا ہے، ایک ضروری کام ہے اور اپنی منگیت کے لیے کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے، اگلے ماہ میری شادی ہو رہی ہے آپ کو ضرور آنا ہے۔“

”آپ کی شادی.... آپ.... نے... اپنی منگنی کا تو نہیں بتایا تھا پہلے۔“ انھوں نے جھوٹ بڑی سنجیدگی سے بولا تھا، وہ اندر ہی اندر گرتی چلی گئی۔

”ان کی باتیں، ان کی آنکھیں ان کا لہجہ کیا سب میرا وہم تھے خواب تھے؟“ اس نے دکھ سے سوچا، وہ اس کی صورت سے چھٹکتی پریشانی اور دکھ واضح محسوس کر رہے تھے۔

”یہی بتانے کے لیے تو آپ کو فون کیا تھا، اور یہ حادثہ ہو گیا۔“

”سارے حادثے میرے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں؟“ وہ رو پڑی، زخموں کی تکلیف سے زیادہ اس محبت کی جدائی کا، جو تازہ زخم لگا تھا، اس کی تکلیف نے اس کے ضبط کے بندھن توڑ دیئے تھے۔

”اب آپ کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔“ احتشام نے اسے محبت سے یقین دلانا چاہا اور اس کے دل میں اپنی محبت کا سراغ پا کر بے حد مسرور تھے۔

”اب بھی کوئی حادثہ ہونا باقی ہے کیا؟“ وہ دکھ اور بے بسی سے روتے ہوئے بولتے بولتے اٹھنے لگی، تو پہلی اور بازو کے زخموں میں شدید درد اٹھا اور اس کی چیخ نکلنے کے ساتھ ہی اس کا سر ٹپکے پر گر گیا، درد سے اس کا سارا بدن چیخ اٹھا، وہ خود بھی بے چینی سے تڑپنے لگی، اس کا ہاتھ پہلی کے مقام پر تھا، اور ہونٹ تکلیف کو ضبط کرنے کی کوشش میں جھنجھک رہے تھے۔

”رانی! بس بہت ہو گیا اب اگر آپ نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی ناں، تو میں آپ کے ساتھ وہ کروں گا کہ آپ ساری زندگی یاد رکھیں گی۔“ احتشام نے تڑپ کر اسے دیکھا اور پیار بھرے لہجے میں ڈانٹتے ہوئے بولے۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ آنسو بہاتی آنکھوں سے انھیں دیکھتے ہوئے بولی۔

”مجھے پریشان کرنے اور تکلیف دینے سے بہت راحت ملتی ہے آپ کو ہے ناں؟“ وہ اپنے پیار کا اظہار بھی کس انداز میں کر رہے تھے کہ وہ یقین اور بے یقینی کے دورا ہے پر بڑی تکلیف سے نفی میں سر ہلارہی تھی، سسک سسک کر بولی۔

”ہاں.... ہم.... میں ہی.... سب کو پریشان کرتی اور تکلیف دیتی ہوں۔“

رداؤ انجسٹ [194] جون 2014ء

”اوہ گاڈ.... رانی! آپ باز نہیں آئیں گی پلیز چپ ہو جائیے، پلیز آپ کا بخار بڑھ جائے گا، رحم کریں ہرے حال پر، میں زندہ رہنا چاہتا ہوں رانی! پلیز۔“ وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے نرمی سے بولے، مگر وہ سب کچھ سن کر بھی سمجھنے سے قاصر تھی، وہ براہ راست، صاف بات کہتے تو اس کے اندازوں کو سوچ کو یقین کی سند بنتی۔

”اپنا خیال رکھیے گا، مجھے اپنا سامان پیک کرنا ہے اور سیٹ کنفرم کرانی ہے اس لیے میں چلتا ہوں اللہ حافظ!“ احتشام اس کا ہاتھ تمام کر نرمی سے بولے اور فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر چلے گئے، اور وہ اپنا وہ ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ کر رو پڑی۔

”شام! اگر میرے شریک سفر نہیں بن سکتے، تو ان کی محبت میرے دل میں کیوں موجزن ہے؟ ان کی منگنی ہو چکی ہے اور میرا نکاح ہو جائے گا کل پرسوں تک، تو کیا رہ جائے گا میرے پاس، ایک محبت کی ہے، وہ بھی کسی اور کی ہو جائے گی، یا اللہ! میں شام کی محبت دل میں بسا کر کسی دوسرے شخص کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گی، تو مجھے اس امتحان میں سرخرو کرنا، اور میں لڑکی ہو کر کیسے اقرار کرتی ان سے کہ مجھے ان سے محبت ہے، وہ مرد ہو کر جملوں، لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھ رہے، کاش.... شام! آپ کہتے تو سہی اپنے دل کی بات، میں نے آپ کو جس قدر شدت سے چاہا ہے، آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، اشارے، کنائے سے تو ظاہر کرتے رہے کہ سب جانتے ہیں آپ، لیکن اب جب وقت آیا تھا تو آپ نے راستہ ہی بدل لیا، میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہے شام! کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھے فرق پڑتا ہے شام! آپ کے نہ ہونے سے آپ کے نہ ملنے سے مجھے بہت فرق پڑتا ہے، میں ساری زندگی آپ کے بغیر گزارنے کا حوصلہ نہیں رکھتی شام! کاش! آپ بھی دوسرے مردوں کی طرح خود غرض، بے حس اور مطلبی ہوتے، کاش! آپ بھی سخت گیر اور ظالم ہوتے تو میں آپ کو اپنے دل میں یوں تو جگہ نہ دیتی کہ کسی اور کا خیال بھی وہاں جگہ نہ پاسکے، یا اللہ!...“

”ہے اختیار میں تیرے تو معجزہ کر دے

وہ شخص میرا نہیں ہے تو اسے میرا کر دے“

رانی کے دل و دماغ میں سوچوں کے جھکڑ چلتے رہے، آنسو آنکھوں سے نکلتے رہے، زخم درد کے سانچے میں ڈھلتے رہے اور روتے روتے اس کی پچھلی بندھ گئی، رات بھر وہ گولیوں کے زخموں سے زیادہ دل کے زخم کی تکلیف پر تڑپتی رہی، بخار نے اسے کمزور پا کر پوری شدت سے اپنی پلیمٹ میں لے لیا تھا۔ وہ کمبل میں بھی سردی سے کانپ رہی تھی، نرس نے اس پر دوسرا کمبل بھی منگوا کر پھیلا دیا تھا، وہ بے بسی سے روئے اور تڑپے جا رہی تھی، گھر والے رات کو گھر چلے جاتے تھے، اس لیے نرسوں اور ڈاکٹرز کے علاوہ کوئی نہیں تھا اس کی اس حالت کو دیکھنے اور محسوس کرنے والا۔ ڈاکٹر شاکر کے پاس احتشام کا وزینگ کارڈ تھا انھوں نے انھیں فون کر کے رانی کی حالت کے بارے میں بتایا تو وہ پریشانی کے عالم میں اسپتال دوڑے چلے آئے۔

”ڈاکٹر صاحب! اب کیا ہوا انھیں، شام تک تو یہ ٹھیک تھیں؟“

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

رداؤ انجسٹ [195] جون 2014ء

روحانی ڈائری

صاحبزادہ کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

ہم نے الفت کا بھرم سب سے جدا رکھا ہے
گویا سینے میں تجھے دل کی طرح رکھا ہے
دل یہ چاہے کہ تُو بھی بدنام نہ ہو
دیکھ ذکر تیرا ہے مگر نام چھپا رکھا ہے
جس ہاتھ سے کیا تھا مصافحہ تُو نے
اس ہاتھ کو ہونٹوں سے لگا رکھا ہے
اب سمجھا تیرے رخسار پہ تل کا مطلب
دولت حسن پہ دربان بٹھا رکھا ہے
جدا ہو گئے ہم تو کیا ہوا میری جان
ہم نے تیری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے

ریمانو رچن ڈائری

سعد اللہ شاہ کی دلنشین غزل

عجیب طرح سے سو چاہے زندگی کے لیے
کہ زخم زخم میں کھلتا ہوں ہر خوشی کے لیے
وہ مجھ کو چھوڑ گیا تو یقین آیا
کوئی بھی شخص ضروری نہیں زندگی کے لیے
سوال یہ ہے کہ اس نے بھی نہیں پوچھا
کہ آپ سوچتے کیسے ہیں شاعری کے لیے
اسے خبر ہے کہ اس کا کوئی نہیں ہے اپنا
اک آشنائی بھی کافی ہے انجمنی کے لیے
خطا کسی کو ہو لیکن سزا کسی کو ملے
یہ بات جبر نے چھوڑی ہے ہر صدی کے لیے
یہ سادگی بھی میری یا کہ سعد چاہت تھی
کہ میں نے خود کو پیش کیا دل لگی کے لیے

میر کی سرچاندنی راتوں جیسی ہو
.....!

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

تائش کمال کی خوبصورت نظم

تاکید

کہتا
آئے تو ساتھ اپنے
کوئی جتنو کوئی تارا بھی لے آئے
کہ میرا دل
میرے گھر کی طرح
تاریک رہتا ہے

ثناء تاج کی ڈائری سے

سعد اللہ شاہ کی غزل

کوئی بات نہ سہاری جائے
زندگی کیسے گزاری جائے
اب تماشہ نہیں دیکھا جاتا
نوٹ پھینکو کہ مداری جائے
عشق کی بازی بھی عجب بازی ہے
جیتی جائے ہے نہ ہاری جائے
جھیل بادل یا کوئی موج خرام
تیری تصویر اتاری جائے
میری قسمت تو نہیں زلف تیری
جب سنوارو یہ سنواری جائے
چیز ہوتی ہے اسی کی جاناں
نام سے جس کے پکاری جائے
سعد آتی ہے مجھے سانس تو یوں
جیسے اک پیڑ میں آری جائے

صدف منیر کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

یہ جو وقت ہے میرے شہر پر

یہ جو وقت ہے میرے شہر پر کئی موسموں سے رکا ہوا
اسے اذن دے کہ سفر کرے
اسے حکم دے کہ یہ چل پڑے ہر آسمان سے دور ہو
کوئی چاند چہرہ کشا کرے کوئی آفتاب ظہور ہو
کہ نواحِ جسم خیال میں وہ جو خواب تھے وہ دُحوال ہوئے
وہ جو آگ تھی وہ نہیں رہی جو یقیں تھے وہ گمان ہوئے
کوئی دُھند ہے جسے دیکھتے ہر آئینہ برف سی ہو گئی
وہ عبادت سر لوحِ دل کسی ربط سے نہیں آشنا
کہ جو رشتہ تھی کتاب میں وہی حرفِ حرف سی ہو گئی
کوئی گردِ باد اُدھے کہیں کسی زلزلے کی نمود ہو
یہ جو "ہست" ہے میرے چاروں کوئی مجرہ کہ یہ "بود" ہو
میری آنکھ میں یہ جو رات ہے میری عمری اُسے نال دے
مرے دشتِ ریگ ملال کو کسی خوش خبر کا غزال دے
یہ فلک پہ جتنے نجوم ہیں ترے حکم کے ہیں یہ فطر
وہ جو سجِ نو کا نقیب ہو میری سمت اُس کو اچھا لے دے!

فوزیہ خان کی ڈائری سے

جون ایلیا کی غزل

دل نے وفا کے نام پر کار وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا خود کو قدا نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اُس کو بھی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا
نسبتِ علم ہے بہت حاکم وقت کو عزیز
اُس نے تو کارِ جہل بھی بے علماء نہیں کیا
جس کو بھی شیخ و شاہ نے حکم خدا دیا قرار
ہم نے نہیں کیا وہ کام ہاں بہ خدا نہیں کیا
خیرہ سراں شوق کا کوئی نہیں ہے جنبہ دار
شہر میں اس گردہ نے کس کو خفا نہیں کیا

اشعار

سباں گل..... رحیم یار خان
چل دیئے اور میرا درد بڑھا کر ظالم!
مہرباں وہ جو میرا درد بٹانے آئے
اجنبی بن کے زمانے میں رہے ہم تہذیب
ہم پہ کچھ وہ بھی زمانے میں زمانے آئے
ریما نور چمن..... کراچی
زندگی کو کیسا پایا ہمارے بعد تم نے
کیسی گزری شب جہراں بتاؤ تو سہی
ہم درد بدر پھرتے رہے تمہاری یاد کا کاسہ لیے
تم کہاں تک گئے ہماری یاد میں بتاؤ تو سہی
امبر ہاشمی..... کراچی
رشتوں میں وفا بھرم اور پاسداری
صاحب! بڑے پرانے خیال رکھتے ہو
حنا شکور..... ملتان
کچھ نا خدا کے فیض سے ساحل بھی دور تھا
کچھ قسمتوں کے پھیر میں گرداب لے گیا
کچھ کوئی کوئی آنکھیں بھی موجوں کے ساتھ تھیں
شاید انھیں بہا کے کوئی خواب لے گیا
زویا میسر..... لاہور
راس تھے اس کو بھیگی پلکوں کے ذائقے
دریا رواں تھے اس کے دل حسرت خیز میں
کرتی تھی بے دریغ خرچ انھیں
ساتھ لائی تھی وہ آنسو اپنے جہیز میں
رابعہ منیر..... سرگودھا
سمندر میں دریا اتارنے والے
میرے لبو میں محبت کو لاپتہ کر دے

بہتی چلی آ رہی ہے ہر موسم سے
مباہد الغنی..... کراچی
میں کسی سے بھی دعا کی طلب گار نہیں ہوں صبا
دوسروں کو دعا دے کر بھی مجھے دعا ملتی ہے
نگہت توقیر..... چیچہ وطنی
یہ آرزو تھی کہ ایسا بھی ہوا ہوتا
میری کمی نے تجھے بھی زلا دیا ہوتا
میں لوٹ آتا تیرے پاس اک لمحے میں
تیرے لبوں نے میرا نام تو لیا ہوتا
نوزیہ خان..... لاہور
جو مرا نصیب قاتل گیا جو چھپا ہے مجھ سے مرا نہ تھا
تیرا دل یہ رمز سمجھ گیا تو کوئی کمی نہ زلائے کی
رخسانہ..... فیصل آباد
یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
شائلہ قیصر..... کراچی
سفر میں عشق کے اک ایسا مرحلہ آیا
وہ ڈھونڈتا تھا مجھے اور کھو گیا تھا میں
مجھے گلہ نہ کسی سنگ کا نہ آہن کا
اسی نے توڑ دیا جس کا آئینہ تھا میں
ماہ نور..... ملتان
کچھ تجھ کو محبت پہ یقین تھا نہ وفا پر
کچھ دکھ میری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اک شخص تیرے ہجر میں جا گا بھی بہت ہے
روزیہ سلطان..... سمرات
آنکھیں مصروف ہو جاتی ہیں بھلا دیتے ہیں لوگ
دور بہت نکلتے ہیں منزلیں گنوا دیتے ہیں لوگ
دست طلب اٹھا کے مانتے ہیں محبت خدا سے
جو ہو دسترس میں تو خود ہی گنوا دیتے ہیں لوگ
ارم سرفراز..... کراچی
رونے سے نہیں حاصل کچھ اے دل سودا کی

آنکھوں کی بھی بر باد دی دامن کی بھی رسوائی
ہم لوگ سمندر کے پھڑے ہوئے ساحل ہیں
اس پار بھی تنہائی اس پار بھی تنہائی
ریحانہ شاہ..... حیدر آباد
کیا ضروری ہے کہ ہاتھوں میں تیرا ہاتھ بھی ہو
چند یادوں کی رفاقت ہی بہت کافی ہے
لوٹ چلتے ہیں اسی پل سے گھروں کی جانب
پہنچتے ہیں اتنی مسافت ہی بہت کافی ہے
فرزانہ شوکت..... کراچی
ہوں منزلوں کے پاس نہ ہوں کارواں سے دور
رہتا ہوں آپ اپنے ہی وہم و گماں سے دور
اس سے نہ اٹھ سکا میری تنہائیوں کا بوجھ
میں جس کے واسطے رہا سارے جہاں سے دور
مصباح مسکان رؤف..... جہلم
کبھی نہ کبھی آپ ہمیں بلائیں گے ضرور
ہمیں دیکھ کے کبھی یوں ہی مسکرائیں گے ضرور
یقین ہے ہمیں کہ آپ واقف ہیں ہمارے حال دل سے
کبھی نہ کبھی اپنا حال دل بھی ہمیں سنائیں گے ضرور
افشاں علی..... کراچی
بچہ لاکھ بڑے لوگوں کی صحبت میں پروان چڑھے
معجزے اب بھی ماں کی بھرنے والی آنکھ میں ہیں
عارف علی..... آزاد کشمیر
سفر میں عشق کے اک ایسا مرحلہ آیا
وہ ڈھونڈتا تھا مجھے اور کھو گیا تھا میں
مجھے گلہ نہ کسی سنگ کا نہ آپس کا
اسی نے توڑ دیا جس کا آئینہ تھا میں
لغی زاہد..... بمبکر
محبت ہار کے جینا بہت دشوار ہوتا ہے
اسے بس اتنا کہہ دینا بھرم توڑ انہیں کرتے
☆.....☆.....☆

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس
چند بڑی حکایتیں

موت یقیناً انسان کی سب سے بڑی محافظ ہے اسے ایک خاص لمحہ ایک خاص مقام پر اس انسان کو اپنے قبضے میں لینا ہوتا ہے نہ اس سے ایک سیکنڈ پہلے، نہ اس مقام سے ایک سیکنڈ میٹر بعد میں، اسی لیے وہ ان تمام لمحوں میں اس کی حفاظت کرتی ہے جو اس لمحے کے علاوہ ہوتے ہیں اور ان تمام مقامات پر اس کو بجائے رکھتی ہے جو اس مقام سے دور ہوتے ہیں۔ شہرت ایک بے وفا محبوبہ ہوتی ہے لیکن اس کا حسن، اس کی ادائیں انسان کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے پہلو میں ہی رہے گی۔

یہ کتنی بڑی کامیڈی ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت یعنی موت کو انسان تب تک تسلیم نہیں کرتا جب تک وہ خود بخود نفس اس کے پاس چلی نہیں آتی وہ کتنا ہی ذی شعور کیوں نہ ہو اسے ہمیشہ شبہ سا رہتا ہے کہ موت اس کی جانب بھی آئے گی، قبروں کو دیکھتے ہی وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے اسے جبر جبری سی آتی ہے کہ کل میں بھی خاک میں اتروں گا اور وہ خیال کو ٹال کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

انسان بھی پودوں کی طرح ہوتے ہیں وہ اپنی آب و ہوا اپنا آس پاس چھوڑ کر چاہے بہتر جگہ ہی کیوں نہ چلے جائیں وہ خوش نہیں رہتے اور اکثر مر جھما جاتے ہیں صرف اپنے وطن کی مٹی سے ہی انھیں طاقت اور عزت ملتی ہے۔

دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہو جاتی ہیں

لیکن وہ انسان کے اندر اتر کر اس گوشے کو دیران کر دیتی ہیں جو کسی ایک شخص کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

(مستصر حسین تارڑ کے کالم سے اقتباس)
افشائ علی..... کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ وہ آدمی اللہ سے زیادہ قریب ہے جو سلام میں پہل کرے۔

☆ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔

☆ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

☆ وہ بڑا بد نصیب ہے جو بوڑھے ماں باپ کی خدمت کر کے جنت نہ حاصل کرے۔

☆ تین دعائیں جو قبولیت کا درجہ رکھتی ہیں مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والدین کی دعا اولاد کے لیے۔

☆ رزق بندے کو اس طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح موت انسان کو ڈھونڈتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جب تمہیں کوئی نعمت دے اور تم ہمیشہ اس کو رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو۔

☆ غنی وہ ہے جو اپنی قسمت کے حصے پر قناعت کرتا ہے۔

☆ جو بری جگہ جاتا ہے وہ بدنام ہوتا ہے۔

☆ دھنک ناز..... کراچی

اس ماہ کی غزل

کچھ وصال آخر تک معتبر نہیں ہوتے
ساتھ چلنے والے بھی ہم سفر نہیں ہوتے
تو ہماری قربت سے کتنا ہی گریزاں ہو
ہم ترے ٹھکانے سے بے خبر نہیں ہوتے

کچھ بناء کہے اکثر بولتی ہے خاموشی
گفتگو کے سب لمحے حرف گر نہیں ہوتے
کتنا خوف ہوتا ہے شام کے اندھیرے میں
پوچھ ان پرندوں سے جن کے گھر نہیں ہوتے
عمر بھر نہیں ملتا واپسی کا دروازہ
آگہی کے زنداں میں بام و در نہیں ہوتے
عشق نے کیا روجی بے وجود دونوں کو
تم ادھر نہیں ہوتے ہم ادھر نہیں ہوتے

ریحانہ روجی

اس ماہ کا فلسفہ

محبت ایک بے اختیار جذبہ ہے اور اس کی شدت کا اندازہ ہمیں تب ہوتا ہے جب یہ کسی آنکھوں کی طرح چاروں اور سے ہمیں جکڑ کر بے بس کر دیتا ہے اور ہم بے اختیار ہو کر محبت کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں پھر یہ جیسا چاہے ہم سے سلوک کرے نواز دے تو اس کی مرضی اور جو نارسائی عطا کرے تو اس کی مشاء۔
مون سلیمان..... کراچی

اس ماہ کا جج

”جب انسان کے اندر کا انسان مرجاتا ہے تو وہ بڑا خوش اخلاق، اور نرم خو، شائستہ ہو جاتا ہے اور شیخ زندگی کے پروانے اس سے نور حاصل کرنے کے دور دور سے اڑ کر آتے ہیں۔“

(اشفاق احمد)

انتخاب: ریما نور رضوان..... کراچی

اس ماہ کا رنگ وفا

میرے دل پر رکھا ہے آج بھی سنگ تیری جفا کا
تیری یاد نہ سکھا سکی ڈھنگ کسی سے وفا کا
تم میں ہی نہ تھی وفا کی خوش و غم ورنہ
میرا دل ہے متنی آج بھی رنگ وفا کا
سعدیہ عابد..... کراچی

اس ماہ کی ہری مرچیں

میزبان (مہمان لڑکے سے): ”اچھی طرح کھاؤ،

کچھ سموسے اور لے لو۔“ مہمان: ”شکریہ! اب تو پیٹ بالکل بھر گیا ہے۔“
میزبان: ”اچھا تو کچھ جیب میں ہی ڈال لو، گھر جا کر کھا لیتا۔“
مہمان: ”جیسے بھی فل ہو گئی ہیں جناب! بہت بہت شکریہ!“

☆☆

استاد: (عدنان سے): ”بس کی جمع بتاؤ؟“
عدنان جلدی سے بولا: ”سرا! بکواس۔“

☆☆

رمضان (نور محمد سے): ”بھئی! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جس سے میری روزی روٹی بھی چلے اور میری زبان پر اللہ کا نام بھی رہے۔“
نور محمد نے جواب دیا: ”بھیک مانگنا شروع کر دو۔“

☆☆

منا (دادا جان سے): ”دادا جان! آپ اپنی آنکھیں بند کریں۔“

دادا جان بولے: ”کیوں بیٹا؟“

منا: ”دادا جان! امی کہتی ہیں کہ دادا کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہمیں بہت ساری دولت ملے گی۔“

سیدہ امیر ہاشمی..... کراچی

اس ماہ شادی کے امیدوار!

”شادی“ وہ لفظ ہے جسے سن کر شادی شدہ حضرات تو تیز ار ہو کر اپنی قسمت کو کوسنے لگتے ہیں مگر کنوارے ”حضرات“ کے لیے یہ لفظ اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ ان امیدواروں کے تاثرات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آئیے ان تاثرات کو جان کر محظوظ ہوں۔
(شادی شدہ حضرات سے معذرت)

نوجوان کنوارے: یہ حضرات اس لفظ کو سنتے ہی ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کسی رومانوی ہیرو کی مانند اپنی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے کی جانب مرکوز کر کے تصور میں کسی حور پری سے طوفانی



جب تک تمہارے دلی جذبات تمہارے لہجے میں اثر نہ دکھائیں۔

☆ کانٹوں سے ڈرنے والی انگلیاں، پھولوں کی نرمی کو محسوس نہیں کر سکتیں۔

☆ جو غم گزر چکا ہے اس پر رنجیدہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ہم ایک نئے غم کو دعوت دے رہے ہیں۔

عانیہ نیازی..... ربوہ

جواب

شیطان نے فرعون کا دروازہ کھٹکھٹایا دروازے پر دستک کی آواز سن کر فرعون نے پوچھا۔

”کون ہے؟“ شیطان اندر آ گیا اور کہنے لگا ”لعنت ہو تم پر اور تمہاری خدائی پر کہ تم دعویٰ تو خدائی کا کرتے ہو اور یہ تک نہیں جانتے کہ دروازے پر کون ہے؟“

حتاعلیٰ..... ملتان

اخبار

”یہ اخبار سے کون سی خبریں کاٹ رہے ہو؟“ ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا۔ دوست نے

جواب دیا ”اس میں چھپا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس لیے طلاق دے دی کہ وہ اس کی جیبوں کی تلاشی لیتی تھی۔“

”تو تم اس خبر کا کیا کرو گے؟“ دوست نے دوبارہ سوال کیا۔

”اپنی جیب میں رکھوں گا۔“ دوست نے جواب دیا۔

نوشین مدثر..... لاہور

لین دین

مامون عباسی کے زمانے میں ناپ تول میں کمی کرنے

رسول اکرمؐ نے فرمایا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”وہ شخص

جب گالی گلوچ کرے تو دونوں کا گناہ اسی پر ہوگا جو ابتدا کرے گا جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔“

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”سود کے ستر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا اور بڑا

گناہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرے۔“

(ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے سود کھانے والے پر سود دینے والے پر اس کے

گواہوں پر اور اس کی تحریر لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(ابن ماجہ)

سیدہ نورین..... کراچی

کرن کرن روٹی

☆ ایسی شناسائی جو فوراً ہو جائے پچھتاوے کا باعث بنتی ہے۔

☆ زندگی بھر خبردار رہو، لوگوں کا ظاہر دیکھ کر ان کے بارے میں کبھی اندازہ نہ لگانا۔

☆ سننے میں جلدی کرو، لیکن بولنے اور غصہ کرنے میں تاخیر کرو۔

☆ غصے میں آدمی اپنا منہ کھول دیتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

☆ جب کسی شے سے تضاد ختم ہو جاتا ہے تو اس سے دلچسپی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

☆ کوئی شخص تم سے اس وقت تک متاثر نہیں ہو سکتا

بس پھر دیکھنے کیا تماشا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ گردن کا پنڈولم عودی سمت میں حرکت شروع کر دے گا جیسے بعض بے صبرے، قاضی کے کہنے پر ”قبول ہے، قبول ہے“ کی گردان شروع کر دیتے ہیں۔ چہرے کی جھریوں میں فاصلہ بڑھ جائے گا بایوں کہہ لیجیے کہ شہری حکومت کی چند سرکیں صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گی۔ قبلہ حضور اپنے تمام نوادرات و لوازمات سمیت زمین یوں ہو جائیں گے۔ یہ سجدہ شکر کافی طویل بھی ہو سکتا ہے اور ان کی روح نقشِ عصری سے پرواز بھی کر سکتی ہے۔ اگر انہیں دنیا سے روانگی کا پر دانہ نہ ملے تو سجدہ شکر سے فارغ ہو کر بات بے بات ہنسا شروع کر دیں گے اور آپ قبلہ صاحب کے دانتوں کی تعداد اور امراض سے کما حقہ واقف ہو جائیں گے۔ ان کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی وسعت اور چمک سمٹ آئے گی اور حضرت اپنے رعشہ دار ہاتھوں سے آپ کا مبارک ہاتھ تھام لیں گے، گویا آپ ان کے لیے آج کے دور کے ”پیام بر“ ہوں۔

ایس اتیاز احمد..... کراچی

اس ماہ کا افسانچہ

جیسے ہی میں نے اسے اپنے کمرے میں دیکھا میں فوراً اس سے بچنے کے لیے وہاں سے بھاگی، اس نے بھی شاید میرا ارادہ بھانپ لیا تب ہی وہ بھی میرے پیچھے پیچھے بھاگا۔ میں اس سے بچنے کے لیے احتیاطاً بے قدموں آگے بڑھی اور چپل اٹھائی، یکدم مجھے احساس ہوا کہ جیسے وہ بالکل میرے پیچھے ہے، وہ بہت پھر تیرا ہے یہ سب کہتے ہیں پر مجھے تب احساس ہوا جب اس نے آکر مجھے گھیرا، اس سے پہلے کہ وہ میرے فریب آکر فائدہ اٹھاتا میں نے چپل سے اس پر حملہ کر دیا، بالآخر وہ ”بچھو“ اس سے پہلے کہ مجھے ڈنک مارتا میرے ہاتھوں مارا گیا۔

افشاں علی..... کراچی

☆.....☆.....☆

عشق کا اظہار فرمانے لگتے ہیں۔ ان کے مطابق شادی ایسی منزل ہے جسے تغیر کرنے کے بعد زندگی کی ہر مصیبت، راحت میں بدل جائے گی۔ راوی چین ہی چین لکھے گا، آسمان سے من و سلوٹی اترے گا۔ مختصر یہ کہ دنیا بھر کا عیش و نشاط ان کا مقدر نظر سے گزرے گا مگر تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی سے قبل جو ”نوشاد“ تھے بعد میں ”ناشاد“ کھلوانے لگے۔

ادھیڑ عمر کنوارے: ان کی ظاہری ہیبت کو دیکھ کر ہر شخص کو رشک آئے گا۔ چند عیانی ہوئی آنکھیں اکثر کی عینکوں سے مزین، برادر چہرہ، کنبیوں پر چاندی کے بال، ان کی گفتگو کی فلسفی موضوع کا مقالہ محسوس ہوگی۔ بظاہر تدبر کا پہاڑ نظر آئیں گے مگر جوں ہی شادی کی پیشکش ہوئی تو یہ حضرات ادھیڑ عمر کی لپٹھی اتار کر نو عمر لڑکوں کی سی حرکات شروع کر دیں گے۔ آنکھوں میں چمک، گالوں پہ دھبے، ہونٹوں پہ لہک، سانسوں میں مہک، گلے میں چمک اور اعضاء میں لہک روٹنا ہوگی۔ عینک اتار کر رکھ دیں گے اور کہیں ”غے“ یہ تو ہم شوقیہ لگاتے ہیں۔“ قاتل ادا مسکراہٹ سے آپ کو گھٹ کرنے کی کوشش کریں گے۔ گویا موقع پر ہی بر دھائی کا سامان ہو گیا۔

سدا کے کنوارے: ان تادر و نایاب حضرات کی گردن افقی سمت میں پنڈولم کی طرح حرکت کرنی رہتی ہے، اعضاء میں جلتے تک بج رہا ہوتا ہے، چہرے پہ ایک عدد شکستہ عینک یوں لگائی ہوتی ہے، جیسے مختلف حادثوں سے متاثرہ بس کا ہوا روک شیشہ اپنے اوپر گزرنے والے حادثات کی آپ بنی سناٹا ہے۔ چہرے پہ جھریوں کا جال یوں بچھا ہوگا، جیسے شہر کراچی کی سڑکوں کا نقشہ نقشہ، ہاتھ میں بطور انتخابی نشان ایک عدد چٹری، جس کے سہارے یہ حضرات کئے ہوتے ہیں، اپنی دھمی پیتا سانے کے بعد آپ سے ہمدردی کے متقاضی ہوں گے۔ آپ انہیں فقط اتنا کہہ دیں۔ ”حضرت! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“

رداؤ انجسٹ 202 جون 2014ء

والے تاجر کو پچاس کوڑوں کی سزا سنائی گئی اس نے جلا دو ایک ہزار درہم رشوت دے کر کہا کہ وہ کوڑے اس کے بدن پر مارنے کے بجائے زمین پر مارے۔ جلا دے 49 کوڑے زمین پر مارنے کے بعد آخری کوڑا پوری قوت سے تاجر پر دے مارا۔ اس کو شدید تکلیف ہوئی تو اس نے جلا دے کہا۔

”میں نے تجھے محض اس لیے رشوت دی تھی کہ مجھے کوڑے نہ لگائے تاکہ مجھے کوئی گزند نہ پہنچے، آخر تو نے مجھے ایک کوڑا کیوں مارا؟“

”میں تمہیں احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس لین دین میں تم فائدے میں رہے ہو۔“ جلا دے نے کہا۔

رابعہ منیر..... سرگودھا

حل

نہر کا محافظ: ”جناب! سیلاب کا پانی خطرے کے نشان تک پہنچ چکا ہے۔“

افسر: ”جلدی سے خطرے کا نشان اور اوپر بتا دو۔“

فائزہ صدیقی..... کراچی

صاف گوئی

ایک مقدمے کی سماعت کے دوران وکیل صفائی کا لہجہ سخت ہو گیا۔

”تم کہتے ہو میرا موکل جب تم پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو اس کے ہاتھ میں ایک ٹوٹی ہوئی بوتل تھی مگر کیا اس وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں تھی؟“ اس نے مدعی سے پوچھا۔

”ہاں مگر!...“ مدعی نے جواب دیا۔

”اس کی خوبصورت بیوی۔“

راجہ منیر..... سرگودھا

لفظوں کے موتی

☆ سچائی: فتح طاق کی نہیں صداقت کی ہوتی ہے۔

☆ مطالعہ: انسان کا بہترین مطالعہ انسان کا مطالعہ ہے۔

☆ خبردار: دنیا چوروں کی کمین گاہ ہے اسی لیے ہوشیار

رہو۔

☆ غصہ: غصے سے بڑھ کر کوئی آگ نہیں ہوتی۔

☆ عبرت: ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو دوسروں سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

☆ محبت: محبت کو جو ٹھکرائے وہ اس بے وقوف کی مانند ہے جس نے گھرائی دولت کو ٹھکرا دیا۔

فرزانہ شوکت..... کراچی

خیالات کے جھروکے سے.....!!

1۔ جو ہر وقت شکوے شکایتیں کرتا رہتا ہے اس کی مصیبتیں بڑھ جاتی ہیں اور جس کا دعاؤں پر سے یقین اٹھ جائے وہ مایوسی کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔

2۔ والدین ہماری روح کا حصہ ہیں اور ہم اپنے والدین کے وجود کا حصہ ہیں۔

3۔ باصلاحیت لوگ تعریف کے بھانج نہیں موتے۔

4۔ اولاد کے دکھ والدین کی روح کو زخمی کر دیتے ہیں۔

5۔ اس محبت کی پاسداری ضرور کرو جو خدا کو تمہاری ذات سے ہے۔

6۔ اگر آپ اپنا اعتماد بحال رکھنا چاہتے ہیں تو پھر لوگوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نہ کریں۔

7۔ جس شخص کو اس کا اخلاق باوقار نہ بناسکا تو اس کو روپیہ پیسہ اور حسب و نسب کچھ فائدہ نہ دے گا۔

8۔ تم کا وہ لمحہ جس میں آپ کا رجوع اللہ پاک کی طرف ہو جائے خوشی کے اس لمحے سے ہزار درجے بہتر ہے کہ جس میں آپ اپنے خالق کو بھول جائیں۔

9۔ خوشیاں اپنے مقدروں سے ملتی ہیں نہ کہ بھیک مانگنے سے۔

10۔ آدمی کا انتخاب بھی اس کا مقدر ہوتا ہے۔

ایس۔ امتیاز احمد..... کراچی

لمحہ فکریہ

جولی نے اپنی اکیسویں سالگرہ کے موقع پر اپنی والدہ مارگریٹ سے پوچھا: ”ماما! آپ کی عمر کتنی ہے؟“

”یہی کوئی ستائیس سال۔“ مارگریٹ نے فیشن میگزین کی ورق گردانی کرتے لاپرواہ انداز سے کہا۔

دست شناس

نیویارک میں ایک خاتون نے دست شناس کو اپنا ہاتھ دکھایا تو وہ سخت پریشان ہو گیا اور ہچکچاتے ہوئے بولا: ”مجھے افسوس ہے کہ آج سے دو ماہ بعد تم بیوہ ہو سکتی ہو۔“ خاتون نے بے پرواہی سے کیا ”مجھے معلوم ہے، ساری تیاری مکمل ہے، تم بس یہ بتاؤ کہ میں پکڑی تو نہیں جاؤں گی؟“

علاج

نئی ملازمہ نے خاتون خانہ کو بتایا: ”بیگم صاحبہ! جس وقت آپ پارٹی میں شرکت کے لیے گئی ہوئی تھیں، زمین پر کھیلنے کھیلنے ننھے میاں نے ایک کارڈ وج زمین سے اٹھایا، منہ میں رکھا اور نگل گئے۔ لیکن آپ گھبرائیے نہیں بیگم صاحبہ! میں نے انھیں فوراً ہی ڈی ڈی ٹی پاؤڈر چٹا دیا تھا۔ اب اس وقت سے ننھے میاں آرام سے گہری نیند سو رہے ہیں۔“

افشاں علی..... کراچی

خوبصورت بات

ہر لفظ میں مطلب ہوتا ہے، اور ہر مطلب میں فرق ہوتا ہے، زندگی میں دو چیزیں ٹوٹنے کے لیے ہوتی ہیں، سانس اور ساتھ۔ سانس ٹوٹنے سے انسان ایک بار مرتا ہے، مگر ساتھ ٹوٹنے سے بار بار مرتا ہے۔ وقت اور پیار، دونوں زندگی میں اہم ہوتے ہیں، وقت کسی کا نہیں ہوتا اور پیار ہر کسی سے نہیں ہوتا۔ نیند اور موت، نیند آدھی موت ہے، موت مکمل نیند ہے۔ وقت اور سمجھ، ایک ساتھ خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے کیونکہ اکثر وقت پر سمجھ نہیں ہوتی اور

سمجھ آنے تک وقت نہیں بچتا۔

دریشان خان..... حیدر آباد

فکرا

”تم بہت اچھے جام ہو، تمہاری باتیں سنتے ہوئے پیہ پی نہیں چلتا کہ کب حجامت ہوگئی۔“

”یہ فن مجھے ورثے میں ملا ہے سر!“

”کیا تمہارے والد بھی حجام تھے؟“

”نہیں سر! وہ صرف داستان گو تھے، میں نے ان کے پیٹھ کو ترقی دی ہے۔“

صباحر..... ہارون آباد

محبت پر استوار رشتے

محبت پر استوار رشتے بہت مضبوط بھی ہوتے ہیں اور بے حد نازک بھی، کبھی تو یہ بڑے بڑے طوفانوں سے ٹکرا جاتے ہیں انھیں خاطر میں نہیں لاتے اور کبھی ذرا سی ٹھیس ان کی شکستگی کا سبب بن جاتی ہے کشادہ دلی اور اعتماد کا اس قدر متقاضی شاید ہی کوئی اور رشتہ ہوتا ہو، لیکن محبت کے تیور بھی تو نرالے ہوا کرتے ہیں، کبھی یہ حیران کن گل کھلاتی ہے اور کہیں کسی کا ہرا بھرا گلشن چھوکنے کے درپے ہو جاتی ہے۔

عمارہ شاہ..... کوہاٹ

شکایت

ہوشل میں ٹھہرے ہوئے ایک صاحب نے کاؤنٹر پر جا کر شکایت کی۔

”کمرے میں موٹی موٹی کھیاں نظر آتی ہیں۔“ کلرک بے نیازی سے بولا۔

”دوسروں کے روز کا کمرہ لے کر کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو کمرے میں دہلی پتی اسارٹ کھیاں نظر آئیں؟“

انتقال ارباب..... دہاڑی

☆.....☆.....☆

فرانچسکو

میرا رب

ہر پل ہے سایہ میرے رب کا مجھ پر
رحمتیں نوازتا ہے میرا رب مجھ کو نگار پر
جب بھی بھی آن پڑی کوئی مشکل مجھ پر
نہ کیا اداس اس رحمن الرحیم نے

بے تحاشہ عطا کرتا ہے میری امیدوں سے بڑھ کر
ہر خواہش زبان پر آنے سے پہلے ہی وہ
دل میں روشنیوں سے بھر اعبادت سا گھر ہے
میرے رب کا
جو گردش کرتا ہے رگوں میں میرے رب کے نور

سے عطا
جب بھی امداد آیا آنکھوں سے سیلاب ذکر الہی
کرتے کرتے
دھرتی ہی کیا فلک بھی رو پڑا ان اشکوں کا ساتھ
دیتے دیتے

مدیحہ اعجاز حسین

سیح فاطمہ

دل سے اٹھی اذان ہے سیح فاطمہ
دل ہی تیرا مکان ہے سیح فاطمہ
آسمانے پاک سے ہے مزین تیرا وجود
کیا کم یہ تیری شان ہے سیح فاطمہ
مردہ رگوں میں جان بھی ڈالنے حدیث ہے
اک نسخہ تھکان ہے سیح فاطمہ
جس زندگی پہ بندہ مومن کو تازہ ہے
اس زندگی کی آن ہے سیح فاطمہ
تجھ سے بڑا جہان میں وظیفہ کوئی نہیں

غزل

چپ چاپ ہی رہا ہوں تیرے بغیر بھی
الفاظ ہی رہا ہوں تیرے بغیر بھی
اپنی ہی محفلوں میں تماشا بنا ہوا
آدکھ کی رہا ہوں تیرے بغیر بھی
ٹوٹے منادیا ہے پلانے کا ہر سبب
لیکن میں بی رہا ہوں تیرے بغیر بھی
تیرے تم بھی خوب تھے آپس کی بات ہے
سہتا ہی رہا ہوں تیرے بغیر بھی

سید بشارت شاہ

فرق تو بس....!

فرق تھا تو بس اتنا

وہ روئی تو بس پڑے آنسو
اور میرا دل رویا خون کے آنسو
اس نے شکوہ کر کے سب کچھ بھلا دیا
میں نے ضبط کر کے روگ لگا لیا
اس نے پھڑکنے والے بڑھا لیے
میں نے پھڑکدول پر پہرے بٹھالے
فرق تھا تو بس اتنا

مریم مغل

اب تم ہنس دو ذرا

یہ پوچھتے ہو کیا ہو تم ہی کہو بتلائیں کیا
سنگ سنگ ہم تم چلیں یہ خواب تھا جو کٹ گیا

اب تم ہنس دو ذرا

تم نے کب چاہا مجھے کیوں تم سے ہو مجھ کو گلہ
یہ خار چمن میں نے خود اپنے اپنائی تھا یہ حوصلہ

اب تم ہنس دو ذرا

کھو چکے اب ہم خود کو ملنا نہیں اپنا پتا
تم کو شاید یاد ہو تم نے کہا تھا بھول جا

اب تم ہنس دو ذرا

کب تک کوئی اور جیسے اپنا لہو کیسے پیئے
بس ہو چکی اب انتہا نام تک لیں گے تمہارا

اب تم ہنس دو ذرا
ہر سانس اب اک خار ہے یہ روگ بھی تم سے ہے
اب دھڑکنیں تھم چکیں اور مل چکی ہم کو سزا
اب تم ہنس دو ذرا
اب نہ ملو گے تم بھی یہ مل چکا پیغام تیرا
ہاں مگر اک آخری پوری ہو میری التجا
اب تم ہنس دو ذرا

فرزانہ شوکت

غزل

زندگی بھر عذاب آئے ہیں
خار بن کے گلاب آئے ہیں
ابر الفت کی خواہشیں رسوا!
نفرتوں کے سحاب آئے ہیں
مہ کدہ نور سے چمک اٹھا
پی کے ساقی شراب آئے ہیں
ٹوٹے دل کے علاج کی خاطر
سامنے بے حجاب آئے ہیں
ڈوبا سورج حیات کا اپنی
روتے سارے شاب آئے ہیں
آج محشر پیا ہوا فائق
بزم میں بے نقاب آئے ہیں

عمران فائق

غزل

راتوں کو خواب دیکھتے ہیں ہم
دن کو عذاب دیکھتے ہیں ہم
ہو گئے ہیں بدنام سے آج
پھر بھی سراب دیکھتے ہیں ہم
کون جیسے گا تیرے انتظار میں
بھول پھر زیر آب دیکھتے ہیں ہم
مسکراتا ہے کوئی کوئی زمانے میں
کسی کے گلشن میں اترتا مہتاب دیکھتے ہیں ہم
وہ رہتا ہے شہر کے کونے میں جاوید

ہزار اس میں عیب دیکھتے ہیں ہم
محمد اسلم جاوید

غزل

وفا کو درد لکھتا درد کو آرام جاں لکھتا
ہمیں آ ہی گیا آخر محبت کی زباں لکھتا
زمین کو چہ جاناں کی قیمت کوئی کیا جانے
اگر لکھتا پڑے تو اس زمیں کو آساں لکھتا
قلم تو وقف ہے ذکر بہاراں کے لیے ہدم
میرا مسلک ہے ویرانہ کو رشک گلستاں لکھتا
اگر قربت کا اک لمحہ میسر آ نہیں سکتا
تو پھر لازم ہے ساری زندگی کو رائیگاں لکھتا
اتیاز لکھنے کی عادت ہو گئی ہے تم کو دنیا میں
 بجائے اپنے غم کے تم حدیث دیگران لکھتا
ایس۔ اتیاز احمد

معارف

تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
مانا کہ ہے تم سے پیار مجھے
اظہار وفا کر سکتا نہیں
تری آنکھیں جس پرنا زکریا
کوئی مجھ میں ایسی بات نہیں
میری کوئی اوقات نہیں
میں جیتل ہوں تم چاندی ہو
معیار تمہارا اونچا ہے
بے چین مگر بے تاب نظر
جب دیکھے تیرے خواب نظر
مجھے چھوڑ کے تمہارے میں
نظروں سے اوٹل ہو جانا
مت دیکھنا میرا ٹوٹا دل
تم اور کسی کے ہو جانا
میری کوئی اوقات نہیں
میں جیتل ہوں تم چاندی ہو
معیار تمہارا اونچا ہے

حکیم خان حکیم

البحین سی زندگی

میری خود کی ذات میں ہی
زندگی ابھی ہوئی ہے
میں جیوں یا مروں
فکر میں راتیں بہت بیٹھ ہوئی ہیں
چین اک پل یا ہزاروں پل
سمیٹے خود کو یہی کام نہ ہوئے
خود کو پہنچا کر سوں سام شہر
اب سوچتی ہوں اس دل کے
آنگن میں سنائے بہت ہوئے
آس ہے کسی کی!
کوئی پاس ہے بھی!
اک دیا سارو دن ہوا ہے ابھی
پھر بھی ہم زندگی میں
ان اندھیروں کا شکار بہت ہوئے
کیا کریں کس طرف چلیں سلجھی ڈور
کہ ہم ہماری زندگی میں بے بسی کا
تماشہ بہت ہوئے!

زارا صدف قر

نظم

پریتم
اپنی
یادوں کی
سینٹرل لائبریری سے
آخری بوسہ دے کر
واجب الادا کچھ نہیں
کی چٹ تو لیتے جاؤ

افشاں علی

نظم

جب جب تیری یاد آتی ہے

ہم خود سے بیگانے

ہو جاتے ہیں

اب راہ کا کوئی بھی پتھر

جب بھی

ہمارے پاؤں کے

نیچے آتا ہے

تکلیف تو تھوڑی ہوتی ہے

پر بعد میں

دردِ تھم جاتا ہے

غزل

پل سے صدیاں کشید کر دے گا
وقت کو وہ مرید کر دے گا
سوچ کی راہ ہو اگر ثبت
غم بھی خوشیاں کشید کر دے گا
مجھ کو لے جائے گا دکانوں پر
اک محبت خرید کر دے گا
شہر ظلمت میں واقعہ ستم
درد دل کو مزید کر دے گا
رب نے ایسا دیا ہنر اس کو
سورما کو مزید کر دے گا
اس سے پوچھو نہ حال دل لوگو
ساری محفلِ غمید کر دے گا
سرد عادت ہے اس قدر ساجد
دیکھے جذبے حمید کر دے گا

نورالصب

غزل

اچھا لگتے لگا ہے مجھ کو اب
تیرا چھوٹا ستانا لڑنا سب
رنج دے کرب دے اذیت دے
ہم سکوں مانگتے ہیں تجھ سے کب؟
خود کو ڈھونڈے گا اور نہ پائے گا
اُس کے پہلو سے میں اٹھوں گی جب
آپ آب بقا ہیں امرت ہیں
آپ تشنہ مگر ہمارے لب
سارے موتی چھپا کے رکھتے ہیں
ہیں انوکھے سمندروں کے ڈھب
اُن نگاہوں میں وہ سویرے تھے
جن کو حیرت سے دیکھتی تھی شب
سر جھکا کر سنا کرو نینا
اس کے لہجے میں بولتا ہے رب

نینا عادل

دھوکا

آنکھوں میں محبت کا رنگ بھر کر
ہونٹوں پر محبت کے لفظ لیے
وہ میرے سامنے بیٹھا تھا
مجھے اپنی سانس کہتا تھا
مجھے اپنی جان کہتا تھا
بھریوں ہوا اک دن
کچھ عرصے بعد لچر اس کا بدل گیا
دھیان اس کا بھٹک گیا
کسی اور کے سنگ وہ چل دیا

مجھے اپنی جان کہنے والا
کسی اور کی سانس بن گیا
کسی اور کی جان بن گیا

نورین نور

بیچ پھل

اے انسان اس بیچ اور دانے سے بہلایا ہے تم کو
اس زمین پر بے حس و بے جاں دکھایا ہے تم کو
اس زمین کی طاقت کے لیے ہم نے پانی برسایا آسمان سے
اس بیچ کو حکم دیا باں نکلوا اس زمین سے
اسے ہم نے پالا بڑا کیا طاقت کا رنگ دیا اس کو
پھر پھول اور پھل کا پودا بنا کر دکھایا تم کو
ہمارے حکم سے بڑھے گا اور پھل لگا کر دیا تم کو
اس بیچ میں پھل کا خزانہ بنا کر دیا تم کو
تم باغ لگاتے ہو تم چن سجاتے ہو
یہ کیسے نظارے دکھاتا ہے تم کو
یکل طاقت اللہ کی ہے غور کرتے رہو اس میں
ہر بیج اس کی طاقت سے ملا ہے تم کو
یہ بیج بھی انسان بنا نہیں سکتا
یہ سب زمین پر اللہ ہی نے دیا ہے

فرخ سلطانہ

غزل

میں جب بھی لکھتا ہوں اپنی داستاں شعروں کی صورت
اُبھر آتا ہے آنکھوں میں جہاں اپنا شعروں کی صورت
بکھر جاؤں نہ کہیں ایک دن ہواؤں میں ڈرتا ہوں
میں اپنے آپ کو رکھوں کہاں شعروں کی صورت
سر محشر اگر چاہو تو پڑھ دینا خرم سے ذرا
مجھے بھی ساتھ لے جانا وہاں اپنے شعروں کی صورت میں

میں شاعر ہوں میں ہونٹوں پہ کہانی بن کے بیٹھوں گا
میں آنکھوں میں سماؤں کا جوان کے شعروں کی صورت میں
یہ مجھ سے ہوگئی سرزد طلسماتی فنون کاری
حقیقت سے نکل آیا گماں شعروں کی صورت میں
وہ جب بھی چاہتا ہے پوچھ لیتا ہے مجھ سے کوئی مصرع
میرے دل میں ہے میرا راز داں شعروں کی صورت میں
جنوں تھا یہ سمندر کو اپنی غزل سمجھے واجد
یوں ناؤ پر لگایا بادباں شعروں کی صورت میں
پروفیسر ڈاکٹر واجد گنگوئی

غزل

بڑی تدبیر سے یارو! بہت تقدیر ہوتی ہے
غزل کہنے کو لازم کوئی تو تصویر ہوتی ہے
وہ چہرہ جس میں پہلی بار اپنا عکس تھا دیکھا
لکھی اب اس پہ ہر دم ایک نئی تحریر ہوتی ہے
ہمارے پیر تھامے ہیں، مسلسل گردشیں تو کیا
مگر بالکل سہن نہ اور پہ تحقیر ہوتی ہے
جسے چاہت حصول جسم کی ہے وہ چلا جائے
نماز عشق کی اوّل یہی تکبیر ہوتی ہے
محبت تو پرستش ہے، نہیں سودا کوئی تن کا
اُسے چھوٹے نہیں، سن میں جو اک تصویر ہوتی ہے
کبھی مجنوں نے لیلیٰ سے کہا، تکلیف جمیلو تم؟
محبت دراصل احساس کی تفسیر ہوتی ہے
غریبی کے بھنور میں زندگی میری گزرنی ہے
امیری کی تمہارے پاؤں میں زنجیر ہوتی ہے
میسر زندگانی میں جو دُوبی بار ہو جائے
نہیں وہ عشق ہو سکتا، محض تشمیر ہوتی ہے
وصل کے خواب آنکھوں میں بجائے یوں نہیں آتش
سنا تھا خواب کی الٹی سدا تدبیر ہوتی ہے
آتش ساگر

☆.....☆.....☆

سنسنی

مدیحہ اعجاز حسین.....کراچی

السلام علیکم صالحہ! آپ جانی! نورین! آپ جی اور تمام
لوگ ہمیشہ خوش رہیں، اللہ تعالیٰ صحت و سلامتی کے ساتھ
سب کی عمر دراز فرمائے (آمین!)۔ نورین! آپ جی!
لاسٹ ٹائم آپ سے بات ہوئی تھی، آپ سینئرز کی
حوصلہ افزائی، ہمت بخشی ہوئی، ایک ایک لفظ بہت معنی
رکھتا ہے، تھینک یو سوچ، ہر منٹہ گوشہ آگئی میں تمام
لوگوں کے لیے ایک بیج ہوتا ہے، ایسے پیغام اور نصیحتیں
جن پر عمل کرنے سے نہ صرف انسانی زندگی میں بلکہ
معاشرے میں بھی سدھار پیدا ہو سکتا ہے، ایسے انسان
جنہوں نے زندگی میں دکھ و تکلیف سہی ہو، امتحان زندگی
میں ناکامی حاصل ہوئی ہو، تو زندگی سے مایوس ہو کر
اقدام خودکشی کا مرتبہ ہونا بہت بڑا گناہ ہے کہ دنیا میں تو
انسان ایک بار اپنی جان لانے لگا لیکن آخرت میں اللہ
تعالیٰ اسی انداز و حالت زندہ کریں گے پھر ماریں گے،
پھر زندہ کیا جائے گا اور پھر مارا جائے گا، مذہب اسلام
میں دوسری برائیوں کے ساتھ ساتھ خودکشی کو بھی حرام
قرار دیا گیا ہے کہ یقیناً موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے
ہاتھ میں ہے بلکہ اللہ کے حکم سے ایک پتہ بھی نہیں ہلتا،
اسی طرح انسان بھی اپنی قسمت نہیں بدل سکتا، مشکلات و
پریشانیوں سے ہارنے اور دل برداشتہ ہونے کے بجائے
ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے نیک اور سیدھے
راستے پر چلنے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہی
زندگی کا اصل مقصد ہے، صالحہ! آپ جی! آپ کی تحریر ”وہ
جورگ جال سے قریب تھے“ بہت اچھی لگی کہ منفرد انداز
بیاں، لفظوں کی سچائی اور ایک ایک کردار دل و دماغ میں

اپنی یادوں کے نقش چھوڑ گئے، لاسٹ میں وہ نظم ”محبوبوں
کے سارے رنگ“ خوبصورت لگی۔ شاز یہ آپ جی کی تحریر
”تجھ سے مانگوں میں تجھ کو“ مکمل جملے، نوک جھونک،
تھوڑی ہنسی مذاق اور سیرینس کے ساتھ کہانی بڑھ رہی
ہے۔ قمر و ش آپ جی کی تحریر ”تیرے پیار کی خوشبو“
سارے پھرے پھولوں کی مانند آخر میں یہ تمام کردار جمع
ہوتے اپنے اپنے ہم سفر کے رنگ کہانی کو اور بھی دلچسپ
بناتے اور دلکشی سے مہکاتے چلے جائیں گے، ”جو عشق
میں بیتی وہ عشق ہی جائے“ خوبصورت کردار، مختلف و
انوکھا انداز بیاں اور بچیدہ جملوں کے ساتھ تھوڑا کامیڈی
کا بیج کہانی کو اور بھی دلچسپ اور خاص بناتا ہے۔ مستقل
سلسلوں میں ردائے جنت سے فیضیاب ہونے کے بعد
اشعار، نقش فریادی، ردا کی ڈائری اور ذرا پھر سے کہنا
میں خوبصورت سی شاعری جس میں بچی، پرخلاص اور
پاکیزہ محبت بیان کی جاتی ہے، خوشبو اور اس ماہ میں
بڑھنے سے بہت سی معلومات کا ذخیرہ ملتا ہے، بچن اور
تکھار میں موسم کی نسبت روزمرہ کوئی نہ کوئی ٹپس پر عمل
کیا جاسکتا ہے، سندھیوں میں ردائے متعلق تمام لوگوں
کی تعریف و رائے جاننے کا موقع ملتا ہے، دوستوں کے
نام پیغام میں اپنوں سے مخاطب ہونے کا خوبصورت
ذریعہ ہے، زویا حسن کا انٹرویو پڑھ کر اچھا لگا، اللہ تعالیٰ
انھیں اور کامیابی و ترقی عطا فرمائے (آمین!)۔ ردا کی
شہزادیوں میں حافظہ مومن شاہ بخاری اور رابعہ افضال
خان سے مل کر بے حد اچھا لگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین
کی روشنی پھیلانے اور نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا
فرمائے (آمین!) آپ جی! دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور

اپنا بے حد خیال رکھیے گا، اللہ حافظ!

صبا عبدالغنی..... کراچی

صالحہ آبی، نورین ملک، ردا اسٹاف اور تمام قارئین ورائٹرز کو میرا بیٹھا بیٹھا سلام الفت قبول ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! صالحہ آبی! اس بار کا گوشہ آگئی تو پھر ہٹ تھا۔ جی جی بہت اچھے لگے آپ کے لفظوں کے موتی۔ ”تیرے پیار کی خوشبو“ کی یہ قط پیار کی خوشبو بکھیرتی ہوئی گی، پڑھ کر بے ساختہ لہجوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ قمرش آبی! آپ بہت اچھا لکھتی ہیں، پلیز ردا میں آپ مستقل لکھتی رہیں تو ردا کا مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ ”بند قبا کھلنے لگی“ میں ماندہ کے بارے میں پڑھ کر بے حد افسوس ہوا، اسجد عالم پر تو اتنا غصہ ہے کہ اگر وہ کسی بھی طرح سامنے آجائے تو میں اس کا گلا دبا دوں گی۔ اس بار کی قط میں خنین اور کھان کے بارے میں کچھ خاص نہ پڑھ کر تھوڑی بد مزگی ضرور محسوس ہوئی تھی۔ خیر سب کچھ اچھا ہونے کی امید ضرور ہے۔ ”تجھ سے مانگوں میں تجھ کو“ بہت اچھا جا رہا ہے، میں تو یہی چاہتی ہوں کہ حسنی اور شہریار کی شادی ہو جائے، پھر تو بڑا مزہ آئے گا پڑھنے میں، حباب کی ضمیر ان کے لیے نفرت و دھارت بالکل بھی اچھی نہیں لگی، لیکن مجھے پتا ہے کہ شازیہ آبی! آپ سب کچھ اچھے سے ہینڈل کر کے اینڈ خوشگوار ہی رکھیں گی۔ ویسے شازیہ آبی! مجھے لگتا ہے کہ ارومہ کی شادی آدم سے ہو جائے گی۔ ”جو عشق میں جیتی وہ عشق ہی جائے“ بہترین کاوش ہے۔ نانکہ آبی! اتنا تو میں سمجھ چکی ہوں کہ خرمن ایک اور باروں کی بہن ہے، نانکہ آبی! آپ کیا سمجھیں؟ ہم نے بھی کوئی بچی گولیاں نہیں کھیلیں ہاں! مگر خرمن اپنے والدین سے کسے ملے گی؟ اور وہ احمد حسین اور فاطمہ کے ساتھ رہے گی یا اپنے والدین کے ساتھ؟ یہ باتیں بھی تجسس سے بھر پور ہے۔ مکمل ناول ”دلوں کا مل کر پھرنے“ بہت زبردست اور خوبصورت ناول تھا، طارم کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کا دلی افسوس ہے، اشعر کے غیض و غضب والے غصے پر

بہت حیرت ہوئی، کیا کوئی اتنا غصے والا بھی ہو سکتا ہے؟ آخر میں ڈاکٹر اسفندی شادی طارم سے ہونے پر بہت خوش ہوئی، جبکہ اس بار کا ناولت سپر ہٹ تھا۔ ”رحمت یا زحمت“ مصباح مسکان! آپ کی ردا میں یہ پہلی کاوش ہے جو کہ بہت بہترین ہے، امید ہے ردا میں یوں ہی شامل رہیں گی، افسانے میں ٹاپ آف دی لسٹ ”زندگی“ لگا۔ حیا بخاری جی! صالحہ آبی کی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے خوشی جیسے اقدام کی طرف ہماری توجہ مبذول کروائی ہے، ویلڈن حیا بخاری جی! بانی افسانے بھی بہترین تھے۔ ”میری الفت میرا سایہ“ مہک گل جی! آپ نے بھی بہت بہترین لکھا گلد! ”میری خطائیں“ اقراء چنا جی! بہت خوب لکھا آپ نے رنگی کچھ مرد شادی کے بعد صرف بیوی کے ہو کر ماں کو بھول جاتے ہیں۔ ”جنت“ ٹاپ آف دی لسٹ میں یہ افسانہ بھی شامل ہے۔ مون شاہ! آپ نے ہمیں ہماری اصل جنت بتائی ہے۔ اس کے لیے شکریہ! ”عشق کے رنگ ہزار“ سچ میں بہت خوبصورت افسانہ تھا۔ مہر بھی جی! ویلڈن۔ ”زندگی پانی کا بلبلہ“ افشائ علی! آپ تو ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں، آپ کی یہ کاوش بھی بہترین تھی۔ ”ہم ٹھہرے تھی دامان لوگو!“ حنا اصغر جی! عشق میں انسان کی کیا حالت ہوتی ہے، اس کی تفصیل پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ آپ کو بھی ویلڈن۔ ارے سب اس گل کے ناول کے بارے میں لکھنا تو میں بھول گئی، سوری سب اس آبی! ”اعتبار بھی آئی جائے گا“ اس بار کی قط تو سب سے اچھی تھی پڑھنے میں بے حد مزہ آیا اور اگلی قط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ مستقل سلسلوں میں سب ہی سلسلے اچھے تھے۔ ”ردا کی ڈائری“ میں افشائ علی کی بھیجی گئی قلم بہت پیاری لگی، بحر انجم کی بھیجی گئی قلم بھی بہترین لگی۔ ”ذرا پھر سے کہنا“ میں سب ہی کی شاعری متاثر کن تھی۔ ”خوشبو“ توجہ سچ ہمارے ارد گرد خوشبو بکھیر دیتا ہے۔ جبکہ ”اس ماہ میں“ اس ماہ آنکھوں آنکھوں میں ایسے! اتنا زاحم نے کافی اچھا لکھا۔ ”آج کی خالائیں“ بھی اچھی لگیں۔

”دفن فرمائیے اس بار بھی زبردست تھا۔ محفوظ الحسن! آپ بہت بہترین شاعر ہیں۔ ”سندیے“ میں ہر بار کی طرح افشائ علی کا جامہ سندسہ اچھا لگا۔ ”اشعار“ میں سب سے اچھا شعر عمارہ شاہ کا لگا۔ ”ردا کی شہزادیاں“ میں تینوں شہزادیوں اقراء چنا، رابعہ منیر اور مون سلمان سے ملاقات اچھی لگی۔ آپ تینوں کے لیے میری دعا ہے کہ آپ تینوں ہمیشہ خوش اور سرسبز و شاداب رہیں۔ مون سلمان! آپ اپنے ہم سفر کی سنگت میں ہمیشہ خوش اور آباد رہیں (آمین!)۔ ”دوستوں کے نام پیغام“ سلسلہ تو بہترین ہے۔ ”جگن“ اور ”سنگھار“ تو ہمیشہ سپر ہٹ ہوتا ہے۔ صالحہ آبی! پلیز آپ کوئی ناول ہی لکھیں، مگر پلیز ردا میں لکھیں۔ آپ کے نام کے بغیر ردا سونا سونا لگتا ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، اللہ حافظ!

فریدہ فرید..... پاکپتن

رفقاء ردا کو سلام عید ایڈوانس! اس ماہ ردا ٹائٹل قابل دید تھا، اچھا خاصا دیکھ دیکھا کے داخل ردا ہوئی تو گوشہ آگئی میں آپ نے نازک ٹاپک کو اٹھایا جس پر بات کرنے کی سکت تھیں۔ میری نازک کے تحت آج تک اس ٹاپک پر کسی رائٹر نے نہیں لکھا۔ یہ سال سلسلے وارانڈز کے لحاظ سے بیٹ ہے، قمرش شہک کے بے باک قلم کے ساتھ نانکہ طارق کے سلگتے موضوعات کا ذائقہ ترش تھا ہی کے سب اس گل کی دھواں دھار آمد، شازیہ کے مخصوص انداز تحریر کے تڑکے نے دل جیت لیا۔ ناولت میں مصباح مسکان کی تحریر سبق آموز تھی۔ مہر بھیجی کا افسانہ ان کا انداز تحریر اچھا تھا مگر ٹاپک پر انا تھا۔ اقراء چنا، مہک گل کے ساتھ گل کے ماں کو سلام پیش کیا مگر ماں کے لیے ایک دن نہیں ہر لمحہ ہر سیکنڈ قربان۔ میرے ناول پر تعریف اور تنقید کرنے والے دوستوں کا شکریہ! مستقل سلسلوں میں سب ہی لا جواب رہے، اگلے ماہ تک کے لیے اجازت!

عمارہ شاہ..... کوہاٹ

السلام علیکم آبی! امید ہے آپ خیریت سے ہوں

گی، آج کل ”ردا“ کافی لیٹ ملتا ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے مل تو جاتا ہے۔ جون ہی ردا ملتا ہے سب سے پہلے اپنے فہرٹ ناول ”تیرے پیار کی خوشبو“ قمرش آبی کی طرف دوڑ لگانی ہوں۔ ویلڈن! قمرش آبی! ناول بہت ہی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے، زریں اور ژالے تو میری فیورٹ جڑی ہے۔ لیکن قمرش آبی! ایک ریکونسٹ ہے، پلیز قط ذرا لمبی لکھا کریں، کم صفحات دیکھ کے دل خفا سا ہو جاتا ہے کہ اب اگلے ماہ تک کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔ تب اچانک نظر پڑی سب اس گل آبی کے سلسلے دار ناول ”اعتبار بھی آئی جائے گا“ بہت زیادہ دل خوش ہو گیا۔ کیونکہ بہت لمبے ٹپک کے بعد سب اس گل آبی کو ردا میں دیکھا اور سب اس آبی تو میری ایور اور فیورٹ رائٹر ہیں۔ ان کا انداز تحریر ایک دل کشی اور خوبصورتی لیے ہوتا ہے۔ ان کے ناول، افسانے پڑھتے ہوئے انسان کھو جاتا ہے، بہت زیادہ گہرائی اور حقیقت سے قریب تر ہوتے ہیں۔ ناول ”اعتبار بھی آئی جائے گا“ سب اس آبی نے بہت زبردست قلم دی ہے، آج کل ہمارے معاشرے میں یہی کچھ ہو رہا ہے، مرد چاہے جس طرح سے بھی شادی کر لے، گناہ گار اور نقصان یہ دونوں چیزیں صرف عورت کے حصے میں ہی آتی ہیں، پر ہر عورت کو رابعہ کی طرح حوصلہ مند اور ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ باقی ہر ماہ کا ردا اور ہر ماہ کے ناول، ناولت، افسانے اے دن ہوتے ہیں۔ اچھا آبی! اگلے ماہ تک کے لیے اجازت، انشاء اللہ پھر حاضر ہوں گی، تیرے کے ساتھ۔ اللہ پاک ردا کو یوں ہی ترقی کی راہ پر گامزن رکھے (آمین!)

صبا سحر..... ہارون آباد

آداب ایما! ردا کے اسٹاف اور تمام پڑھنے لکھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام محبت قبول ہو۔ مئی کی چٹی دوپہر میں دروازے پر ہا کر کی دستک دل کو تروتازگی کا احساس بخش گئی جب ہاتھوں میں میرے

موہنا ردا آیا تو دل خوشی سے جموم اٹھا۔ اب بات ہو جائے ماہ مئی کے شمارے کی تو ٹائل بس ٹھیک تھا، گوشہ آگہی میں آپ کی پیار بھری باتیں دل کو مہکائیں وہیں ردا نے جنت میں جمعہ کی فضیلت پڑھ کر معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا جزاک اللہ۔ انٹرویو کارنر میں زہا حسن سے ملاقات دلچسپ رہی واقعی ان کے کریڈٹ پر لاتعداد سپر ہٹ ڈرامے ہیں۔ ویڈیو روحان دانش صاحب! سلسلے وار ناولز میں سب ہی ناولز کی اقساط زبردست تھیں، مگر میرا پرستلی فیوریت اس وقت قمرش آپ کی ”تیرے پیار کی خوشبو“ ہے جس میں خوبصورت کردار نگاری اور مکالموں کا تبادلہ مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے یوں لگتا ہے تمام کردار میرے ارد گرد موجود ہمسکام ہوں وہیں ”جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے“ میں اب کہانی نے پوٹرن لیا اور دیکھیں اب ایک وغیرہ سے عارش لوگوں کا کیا تعلق نکلتا ہے۔ ”تجھ سے مانگوں میں تجھ کو“ شازیہ آبی نے صبا ضمران کی شادی کروادی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے چل کر ضمران کی پھوپھو وادی کون سا نیا چاند چڑھاتی ہیں۔ مجھے ان کی چالاکی سے ڈر لگتا ہے۔ مکمل ناول ”دلوں کا مل کر پھڑنا“ کا اینڈ بھی ٹھیک رہا اس بار افسانے سب ہی زبردست تھے اور ہر ایک نے بہت اچھا لکھا۔ ردا کے مستقل سلسلوں میں مجھے دوستوں کے نام پیغام اور ردا کی شہزادیاں بہت پسند ہیں سب کے نام پیغام پڑھ کر مزہ آتا ہے اور ردا کی شہزادیوں میں قاری ورائٹرز بہوں سے ملنا بھی اچھا لگتا ہے بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت، فی امان اللہ!

عانیہ نیازی..... ابوہ السلام علیکم آپ! اور تمام پڑھنے لکھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے ماہ شعبان اور رمضان کی ایڈواس مبارکباد قبول ہو۔ مئی کا شمارہ خوبصورت ٹائل سے سجا ہوا تھا میں بے اور میں سندیسے کی محفل میں ایک بار پھر حاضر۔ آپ! گوشہ آگہی کی تو کیا بات ہے کسی

بھی میگزین کے ایڈیٹر کا ادارہ اتنا شاندار نہیں ہوتا جتنا کہ آپ لکھتی ہیں، ہر بات کو باریک بینی سے اور اتنے عام فہم انداز میں بیان کرنا کہ عام سے عام قاری کی سمجھ میں بھی آپ کی بات آجائے یہ امتیاز صرف آپ کو حاصل ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ اور آپ یوں ہی ہمارے دلوں میں روشنی کے چراغ جلاتی رہیں اور رہنمائی کرتی رہیں آمین! ردا کی مجھے جو سب سے اچھی بات لگتی ہے وہ ہے نیو رائٹرز کو پروموٹ کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور یہی وجہ ہے کہ پھر یہی نیو رائٹرز آنے والے کل میں بڑے رائٹرز کی فہرست میں نمایاں مقام بنا لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ہر باریک طرح اس بار بھی ردا میں کچھ نیو رائٹرز شامل تھے جیسے کہ مہک گل، حیا بخاری، حنا اصغر، مصباح مسکان وغیرہ اور ماشاء اللہ سب نے اپنی اپنی جگہ بے مثال لکھا، مجھے خاص طور پر مصباح مسکان نے بے حد متاثر کیا، اپنی پہلی ہی تحریر سے وہ میرے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئی ہیں آپ تمام رائٹرز کو ردا میں ہم دل سے ویل کم کرتے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ اپنا قلمی سفر یوں ہی جاری و ساری رکھیں گی اور ہمارے لیے اچھے اچھے ناولز اور ناولٹ لکھتی رہیں گی۔ سلسلے وار ناولز کی تمام اقساط سو پڑو پر ہٹ تھیں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک لکھا۔ تب ہی تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا اور ایک دن میں ہی پورا پورا پڑھ ڈالتی ہوں کہ ہر کہانی کی اگلی قسط پڑھنے کا مجس ہوتا ہے کہ آگے کیا ہوا۔ آپ! اور آل ردا از دی بیسٹ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آپ کی شانہ روز محنت اور قیادت کا ہی پھل ہے کہ ردا یوں تناور درخت بنا نو آموز رائٹرز کے ساتھ سینئرز رائٹرز کو بھی اپنی چھاؤں سے فیض یاب کر رہا ہے میری دعا ہے کہ ردا یوں ہی ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین!

نوشین مدثر..... لاہور

السلام علیکم! میری طرف سے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے اور جون کی گرمی اور واپڈا کی لوڈ شیڈنگ کو بھرپور طور پر انجوائے کر رہے ہوں گے، اور ساتھ ہی واپڈا والوں کی شان میں قصیدے بھی پڑھتے ہوں گی لائٹ جانے پر۔ خیرجی! اب بات کریں ردا کی، بہت بات کر لی تھی کہ نہ ہونے پر دل جلانے کی۔ ردا کی فہرست پر نظر ڈالتے ہی بے ساختہ منہ سے واؤ نکلا کہ اتنی ساری رائٹرز اور کہانیوں کے نام پڑھ کر ہم جیسے ادب اور ڈائجسٹ کے رسیا لوگ خوشی سے کھل ہی تو اٹھتے ہیں۔ ”دلوں کا مل کر پھڑنا“ پہلی اینڈ لیے اچھا لگا۔ ”رحمت یا رحمت“ آج کل کے حالات کی بھرپور عکاسی لیے اور حقیقت پر مبنی تھا کہ والدین اپنی اولاد کو تمام آسائش دے کر بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ اکثر بربادی کی صورت نکلتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین اپنے بچوں پر چیک رکھیں اور وہیں اولاد کے معاملے میں حد سے زیادہ بھروسہ بھی بعض اوقات سنگین نتائج کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس ناول میں ہوا۔ ”تیرے پیار کی خوشبو“ میں ڈالے اور زریمل کے بیچ کی دوریاں قربتوں میں بدل گئیں جو کہ مجھے بہت اچھی لگیں اب دیکھیں عارفین اور مقوم کب ان فاصلوں کو ختم کرتے ہیں وہیں وانیہ کی اور آفریدی کی اسٹوری کا مجس ہنوز برقرار ہے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ آفریدی، کیوں وانیہ کو پریشان کر رہا ہے ”تجھ سے مانگوں میں تجھ کو“ صبا ضمران کی شادی کی مبارکباد اور اب دیکھنا ہے کہ دادی اینڈ پھوپھو کی فیملی کیا گل کھلائی ہیں۔ ”اعتبار بھی آ ہی جائے گا“ رابی اور احتشام کی نوک جھونک اچھی لگتی ہے۔ ”بند قبا کھلنے لگی جاناں“ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور بہت زبردست انداز سے اپنے اختتام کی جانب رواں دواں ہے۔ ”جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے“ میں ایک وغیرہ کی آمد سے ناول میں نیا پن آیا ہے کچھ۔

افسانوں میں ”جنت“ مجھے بہت اچھا لگا اور میں کافی دیر تک اس پر سوچتی رہی کہ کٹر عورتوں کی ناشکری کی عادت ان کو ناخوش رکھتی ہے۔ ”ہم تجی داماں لوگو“ ایک دل گداز تحریر مئی اور اینڈ خاصا اداس کر گیا۔ ”زندگی“ مرد اور عورت کی جدوجہد پر مبنی اور حقیقت کے قریب افسانہ تھا خاص کر مڈل کلاس کے براہلم کو نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا۔ مستقل سلسلوں میں ردا کی ڈائری، اشعار، دوستوں کے نام پیغام ایچھے رہے اور سب کے انتخاب بھی اعلیٰ تھے۔

ضنا علی..... ملتان آداب آپ! مزاج بخیر، اس ماہ کا ٹائل خوب تھا، آنکھوں کو تراوت بخشا اس ماہ کا شمارہ اے دن تھا۔ کیا ناولز، کیا ناولٹ، افسانے، سلسلے وار ناولز بہترین جا رہے ہیں۔ مکمل ناول ”دلوں کا مل کر پھڑنا“ کا اینڈ اچھا لگا۔ ناولٹ ”رحمت یا رحمت“ حقیقت کے قریب ترین تھا۔ افسانوں میں جنت مجھے اچھا لگا، ردا کی ڈائری میں روشنی فیصل، مصباح مسکان، افشان علی کی پسند ہمیں بھی پسند آئی۔ اشعار میں حنا علی، سیدہ امبر ہاشمی، دھنک ناز، عمارہ شاہ کا انتخاب لا جواب تھا، اس ماہ میں، اس ماہ کے اقتباس محبت، اس ماہ کا فلسفہ، اس ماہ کے اقوال بہترین تھے۔ خوشبو میں نبی کریم کا ارشاد، نیت کا ثواب، لفظوں کی روشنی، خوشبو بھری باتیں، آج کی خالائیں زبردست رہے۔ سندیسے کی محفل بھی زبردست رہی سب نے بہت اچھا لکھا اور ردا کی شہزادیوں میں تینوں شہزادیوں سے ملاقات اچھی رہی۔ دوستوں کے نام پیغام ایک بہترین سلسلہ ہے۔ نقش فریادی میں اس بار بھی محفوظ احسن صاحب کا کلام شامل تھا اور بہت اچھا لگا، انٹرویو کارنر میں زہا حسن سے ملاقات اچھی رہی اور ان کی باتیں نہایت دلچسپ رہیں، بچن اور سنگھار ہمیشہ کی طرح بیسٹ آف دی بیسٹ تھے۔

☆.....☆.....☆

رُودا کی شہزادہ

زویا مبشر..... لاہور

اپنے تعارف کے لیے بس اتنا کافی ہے ہم اس سے بچ نکلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے ڈیز قارئین اینڈ ردا کے تمام اسٹاف کو میری طرف سے السلام علیکم اور ردا کی شہزادیوں کی محفل میں بھرپور امنی لیے میں حاضر ہوں نام سے تو آپ لوگ واقف ہو ہی گئے ہوں گے۔ جی جناب! مابدولت کو زویا مبشر کہتے ہیں، ماشاء اللہ چار بہنیں اور تین بھائی ہیں اور میں پانچویں نمبر پر ہوں۔ بڑی بہنوں کی شادی ہو چکی ہے اور دو بھائیوں کی بھی، میرا بھی تعلیمی سلسلہ جاری ہے، بی۔ اے کر رہی ہوں، مجھے پڑھنے کا بے حد شوق ہے، انصافی کتب کے علاوہ ہر وقت کوئی نہ کوئی رسالہ ناول ہاتھ میں ہوتا ہے، رٹائرڈ میں مجھے صالحہ محمود، شازیہ مصطفیٰ، قروش، سباس گل اچھی لگتی ہیں ان کے تمام ناولز اچھے ہوتے ہیں، مجھے زیادہ تر شلو اور نمیش اور بڑا سادو پسند لینا پسند ہے۔ رنگوں میں کالا، نیلا، فیروزہ رنگ پسند ہے، بارش بہت پسند ہے، وہ بھی سردیوں کی۔ پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے اس کو پڑھتے ہی دل کو عجیب سا سکون ملتا ہے، مجھ میں بہت سی خامیاں ہیں اصل خامی تو یہ ہے کہ نماز کی پابندی نہیں کرتی اور یہ خامی سب خامیوں پر بھاری ہے۔ اللہ پاک سے التجا ہے کہ وہ مجھے نماز کا پابند بنا دے (آمین!) خوبیاں تو بہت ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ اپنے منہ میں مضمون والی بات ہے۔ اتنا پرست ہوں، کسی سے ادنیٰ چیز بھی مانگنا گوارا نہیں کرتی، ہر چیز اللہ سے مانگتی ہوں کیونکہ میرا ایمان ہے کہ اللہ کی ذات پاک ہے جو اس سے مانگو وہ دیتا ہے وہ بے نیاز

ہے، مجھے دو غلے پن سے نفرت ہے، غلطی جلدی تسلیم کر لیتی ہوں، باتونی بہت ہوں۔ آدھی رات تک رسالے پڑھنا میرا مشغلہ ہے، اپنے والدین سے بہت محبت کرتی ہوں میری بھانجیاں مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں، میں بھی ان سے بہت محبت کرتی ہوں، میں محبت پر یقین رکھتی ہوں اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں، اللہ پاک سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، سب کو لمبی عمر اور صحت والی زندگی عطا کرے اور تمام لوگوں کی جائز خواہشات جو ان کے حق میں بہتر ہوں قبول فرمائے (آمین!)

رابعہ نور..... بھاؤلنگر

ردا کے پیارے، کیوٹ اینڈ سویٹ قارئین کو ہمارا پیار بھرا آداب و سلام! ہم نے سوچا کیوں ناں خود کو ردا سے متعارف کروائیں اور ردا کا حصہ بن جائیں۔ (اچھا خیال ہے ناں) جی تو نام ہے ہمارا رابعہ نور، نیک نیم ڈھیر سارے ہیں، کوئی رابی کہتا ہے تو کوئی رابو، کوئی ربیعہ۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں تین بھائی مجھ سے بڑے اور دو چھوٹے ہیں اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں اپنی فیملی کی اکلوتی لڑکی ہوں، کاسٹ وائز ہم راجپوت ہیں۔ 14 مئی 1992 کو اس دنیا میں تشریف لائی، میرے والد اور دادا نے مشترکہ طور پر میرا نام رکھا اور مجھے اپنا نام بے حد پسند ہے۔ اپنے بابا کی لاڈلی بیٹی اور دادا کی جان ہوں، میرے بھائی مجھے اکثر تنگ کرتے اور چھیڑتے ہیں مگر میں چڑتی نہیں، یہ سب انجوائے کرتی ہوں، تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔ اب بات ہو جائے خوبیوں، خامیوں کی۔ بقول امی کے ”تم پہلے کسی بھی کام سے

انکار کرتی ہو اور پھر کام کرتی ہو“۔ ٹکی ہوں، بقول پچھو کے ”جس دن رابعہ دنیا میں آئی اس دن اتوار تھا اس لیے کام چور ہے“۔ خوبیوں میں سب کو پیار سے اپنا بناتی ہوں، سب بڑوں کی عزت کرتی ہوں، غصہ کم آتا ہے، دل میں ناراضی نہیں رکھتی۔ ہر ایک پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ آج تک کسی نے توڑا بھی نہیں۔ تھوڑا سا جھوٹ بول لیتی ہوں مصلحت کے تحت۔ اب بات ہو جائے پسندیدہ چیزوں کی، تو جناب! فیوریٹ ڈش بریانی، کلر بلیک اینڈ وائٹ، سبزی کرلیے، اروی، پھل آم اور انگور۔ چولہی میں بریسلیٹ، رنگ اور پائل (جو بھی پپنی نہیں بڑے بھیا نہیں پہننے دیتے ناں) مجھے کا جل لگانا بہت پسند ہے۔ فیوریٹ ایکٹر سلمان خان، عمران عباس، احسن خان، مسیح خان، صبا قرمر، کرینہ، بجل ہیں۔ فیوریٹ سنگرز راحت فتح علی خان، سونو، ابرار، بلال سعید وغیرہ۔ مجھے اپنے والدین، اپنے بھائیوں سے بہت محبت ہے اور میرا مان اور میرا مایہ ہیں، میری دوستوں کی تعداد خاصی طویل ہے کیونکہ اپنی میری کوئی بہن نہیں تو بس اس لیے میری گزرتی میری بہنیں فریڈ زسب کچھ ہیں۔ شائلہ، شائستہ، سحرش اور الماس۔ مجھے ان سے بے حد محبت ہے اور ان لوگوں نے بھی بہن اور دوست ہونے کا ہمیشہ حق ادا کیا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ خدا ان کو بہت سی خوشیاں عطا کرے (آمین!) آخر میں آپ سب سے صرف اتنا کہوں گی کہ خوش رہیے اور دوسروں کو اپنی ذات سے خوشیاں بانٹیں کہ اسی میں ہم سب کی بھلائی اور سکون ہے، خدا آپ کو بہت آسانیاں عطا کرے اور آسانیاں بانٹنے کی توفیق عطا کرے (آمین!)

انوشہ سرور..... اسلام آباد

تمام ردا کی بہنوں اور وہ تمام لوگ جو دوسروں کے لیے محبت کا جذبہ رکھتے ہیں اور خاص طور پر ردا کی چیف ایڈیٹر صالحہ آپنی اور ادارے کے تمام ممبران کو ہمارا

عاجز انہ سلام قبول ہو، اس دنیا کو روشن کرنے کے لیے ہم بہار کے خوبصورت موسم میں 16 اپریل کو پیدا ہوئے۔ ہم دو بہن بھائی ہیں، بھائی مجھ سے چھوٹا ہے، مگر ہر کام میں آگے ہے۔ جی ہاں شاہ زین۔ خیر جی میں ابھی بی ایس سی کے پیرزودے کے فارغ ہوئی ہوں اور رزلٹ کا انتظار ہے، فیوریٹ کلر بلیک، ریڈ۔ فیوریٹ موسم بارش کا اور بہار کا، اور مہینہ دسمبر کا بہت پسند ہے کھانے میں بریانی موسٹ فیوریٹ ہے اور کوکنگ میں ایکسپٹ ہوں، مجھے آج کل کافیشن لاگ شرٹ اور ٹراؤزر بہت پسند ہے اور زیادہ اسی اسٹائل کے کپڑے پہننا پسند ہیں، میری امی گھریلو خاتون ہیں اور میری ہم راز بھی، ان سے ہر بات شیئر کرتی ہوں، بہن کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے، میں ردا کی خاموش قاری تھی، تو سوچا فراغت کے ان دنوں میں خاموشی کو توڑا جائے اور اپنا تعارف ردا میں بھیجا جائے۔ زندگی نے بہت چھوٹی عمر میں بہت بڑے سبق دیے ہیں مگر میری نادانیاں نہ گئیں، جب بھی دکھی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے آگے جھک کر مانگنا بہت پرسکون کر دیتا ہے اپنا آئیڈیل حضور اکرمؐ کو مانگتی ہوں، صوفی کلام بہت پسند ہے۔ بابا بھٹے شاہ، وارث شاہ کا کلام بہت پسند ہے، میرے بابا آری سے ریتاڑ ہیں اور اب کراچی میں جاب کرتے ہیں انھوں نے زندگی کی ہر سہولت ہمیں دی، اللہ تعالیٰ میرے بابا اور اماں کو ہمارے سر پر سلامت رکھے آمین۔ ٹی وی ڈراموں کی اتنی شوقین نہیں، دوستوں کے معاملے میں خدا نے بہت امیر رکھا ہے۔ بہت اچھے اچھے لوگ ملے، تعارف کافی لمبا ہو گیا اب اجازت چاہوں گی، اس دعا اور امید کے ساتھ کہ جہاں رہیں خوش رہیں، اور اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیے گا، اللہ حافظ!

دوستوں کے لئے پیغام

ردا کی تمام رائٹرز کے نام مختصر سا پیغام
اتنا عروج حاصل ہو زمانے میں
کہ آسمان بھی تیری رفعتوں پہ ناز کرے
افشال علی..... کراچی

ردا فرینڈز کے نام

السلام علیکم! تمام قارئین و رائٹرز کو میرا پیار بھر اسلام
قبول ہو۔ میں ردا کی ایک خاموش قاری تھی، مگر اب میں
آپ سب لوگوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، میں جانتی
ہوں میں آپ سب کے لیے اچھی ہوں، لیکن میرے
خیال سے جہاں دوستی ہوتی ہے وہاں انڈر اسٹینڈنگ ہو
نی جاتی ہے۔ افشال علی! میں آپ سے پورے ایمان
اور وفا کے ساتھ دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ Please
accept my friendship ان کے علاوہ
دھنک ناز، نائلہ طارق، شازیہ مصطفیٰ عمران، عمارہ شاہ،
حافظہ مومن شاہ، صباحہ، صالحہ آبی، حمیرا عروش اور تمام
قارئین و رائٹرز سے دوستی کی خواہش مند ہوں۔ امید ہے
آپ سب لوگ مجھ سے دوستی ضرور کریں گے، آخر میں
اس شجر کے ساتھ اجازت:

ہر دل میں بسنے والا دل دار نہیں ہوتا
چمن کا ہر پھول خوشبودار نہیں ہوتا
دوستی سوچ سمجھ کر کرنا میرے دوستو!
ہر دوست میرے جیسا وفادار نہیں ہوتا
صبا عبد الغنی..... کراچی

پیارے صلیحہ اپنا اور ردا کے قارئین کے نام
بہت ہی پیارے اور عزیز دل دار قارئین اور
دوستوں کو افشال علی کا پیار بھرا آداب! کیسے کیسے
مزاج ہیں آپ سب کے؟ امید ہے آپ سب خیر و

باعث فخر ہے۔ امید برحق ہے ہمارا ساتھ یوں ہی ردا
کے سنگ برقرار رہے۔ اس کے علاوہ وہ تمام قارئین
جنہوں نے مجھے وقتاً فوقتاً سراہا اور پیاری صلیحہ اپنا
جنہوں نے میرے نام کو ایک پہچان بنایا، آپ سب
کے لیے دعاؤں اور محبتوں و خلوص کے ڈھیروں
تھے۔ فردا فردا سب کا نام لینا تو ممکن نہیں اس لیے
میں آل نوال سب کی انتہائی مشکور و ممنون ہوں۔
انشاء اللہ آپ سب کی دعائیں اور صالحہ آبی کا تعاون
و حوصلہ یوں ہی ساتھ رہا تو یوں ہی میری کاوشیں اور
میرے نام کو آپ پڑھتے رہیں گے۔ براہ کرم اپنی قیمتی
آرا سے نوازنے کا سلسلہ قائم و دائم رکھیے۔ کیونکہ آپ
سب جانتے ہیں کہ لکھاریوں کے لیے آپ سب قارئین
کی رائے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ سب
قارئین کی محبتوں، چاہتوں، خلوص، دعاؤں کا بے حد
شکریہ۔ آخر میں افشال علی آپ سب کی تندرستی،
کامیابی، خوشی و کامرانی کے لیے دل سے دعا گو ہے۔
پر خلوص چاہتوں سنگ تلے افشال علی کو اجازت۔

افشال علی..... کراچی

میرے والدین کے نام

السلام علیکم! تمام ردا میلی، اسٹاف، ایڈیٹر،
ریڈرز، رائٹرز بخیریت ہوں گے۔ اللہ پاک سب کو
اپنی حفاظت کے حصار میں رکھے۔ آپ سب سے التجا
ہے پلیز میری امی جی کی صحت و تندرستی کے لیے دعا
کیجیے۔ میری امی میری جان میری زندگی میرا سب
کچھ میری امی پر قربان، میری امی چار سال سے
جوڑوں کے درد کی وجہ سے چلتے پھرنے سے قاصر
ہیں۔ روحانی، ذاکری، کلینی، طبی، غرض ہر طرح کا
علاج کرایا مگر کامیابی نہ ملی۔ شاید آپ میں سے کسی
کی دعا عرش پر پہنچ کر میری امی کی صحت یابی کا سبب
بن جائے۔ اللہ پاک سب کے ماں و باپ کو سلامت
رکھے۔ ماں و باپ کے بغیر زندگی ویران ہے۔ اللہ
پاک میرے ماں و باپ کو سلامت رکھے۔ امی، ابو!

آپ کی دعاؤں سے ماشاء اللہ میں اپنے گھر میں اپنی
زندگی میں بہت خوش ہوں۔ بس اللہ پاک آپ
دونوں کو صحت، تندرستی، والی لمبی عمر دے (آمین!)

ریما نور رضوان..... کراچی

کسی اپنے کے نام

دل اکثر چاہتا ہے آپ سے بہت کچھ کہنے کو، مگر
اکثر لفظ کھو جاتے ہیں، جب میں آپ سے مخاطب
ہوتی ہوں، بس اتنا جان لیجیے کہ آپ میری زندگی کا
سب سے خوبصورت پل، خوبصورت احساس اور
میری زندگی کا حاصل ہیں، خدا آپ کو وہ سب عطا
کرے جو آپ کی خواہش ہے اور مجھے آپ کا ساتھ
عطا کرے کہ آپ بن میری ذات ادھوری ہے۔

جیا رحمن..... اسلام آباد

ردا کے نام

ردا آئی ریلی ٹو! میری زندگی میں تم ایک روشنی اور
رہنما دوست کی سی حیثیت رکھتے ہو، تم کو پڑھنا اور پھر
سنبھال کر رکھنا یہی میرا شوق اور جنون ہے۔ ردا میرا سب
سے فیورٹ میگزین ہے اور اس میں شامل افسانے،
ناولٹ، اور ناٹرز سب ہی مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، آج میں
نے خاص طور پر ردا کے نام اپنا پیغام بھیجا ہے کہ میں اسے یہ
بتا سکوں کہ میں ردا کو کتنا پسند کرتی ہوں۔

مسکان افضل..... چکوال



اجزاء:

کیری کا شربت

اجزاء-	اجزاء:
کیری	ایک کلو
لیموں	چار عدد
پانی	سات سے آٹھ گلاس
چینی	ایک کلو
کالامنگ	چنگلی بھر
پودینے کے پتے	چند عدد
ترکیب-	

کیریاں جھیل کر ایک تام چینی یا اسٹیل کی پتیلی میں پانی کے ساتھ اچھی طرح ابال لیں۔ جب کیریاں گل جائیں تو اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ اسی پانی میں کیریوں کا گودا بنالیں۔ اندر کی کھٹکی نکال لیں، پھر پلینڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ دوبارہ سے یہ پلینڈر کیا ہوا شربت پتیلی میں ڈالیں۔ ساتھ میں چینی ڈال کر ہلکی آٹج میں پکائیں۔ جب چینی گھل جائے تو شربت تیار ہے۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو لیموں کا رس ڈال کر کالامنگ چھڑک دیں۔ بالکل ٹھنڈا ہو جائے تو بوتل میں ڈال کر فریج میں رکھ لیں۔ جب پیش کرنا ہو تو گلاس میں کھانے کے دو چمچے شربت ڈال کر پانی ڈالیں۔ تھوڑی سی برف اور پودینے کے پتے سجا کر پیش کریں۔ یہ شربت گرمی اور لو سے محفوظ رکھتا ہے۔

جل زیرہ

فالے کا شربت

اجزاء-	فالے
ایک کلو	پانی
تین پیالی	کالامنگ
چنگلی بھر	

رداؤ انجسٹ 221 جون 2014ء

اداس ہوتا ہے اور پیاروں کی یاد آتی ہے تو کوئی جنوری میں امیدوں کے جگنو تھماتا ہے، کوئی فردوسی کی رومانوی فضا سے لطف اندوز ہوتا ہے تو کوئی بہاروں کے جشن مناتا ہوا نظر آتا ہے۔ رہی سہی کسر برسات کے دن پوری کر دیتے ہیں۔

آہ، رہ گیا اگلو تا جون: عجیب بات ہے کہ کسی شاعر و مصنف کا قلم، کسی مصور کا برش اور کسی موسیقار کی کوئی دھن، اس ماہ جون کو اس محبت جیسے موضوع کی زبان میں بیان کیوں نہیں کرتی۔

میری ہمدردی ساری کی ساری اس ماہ جون کے نام ہے۔ یہ وہی ماہ جون ہے جس میں سب گرمیوں کی چھٹیاں بڑے لطف سے مناتے ہیں۔ یہ وہی ماہ جون ہے جس کی پیداوار آم سب کے منہ سے پانی پکانے کا باعث بنتا ہے۔ وہ ماہ جون جس میں کوئی بھی انسان کی باردن میں نہاتا ہے تو کیوں؟ کیوں اسے محبت کی زبان میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ کیا وہ محبت کرنے والوں کے لیے گرمیوں کی چھٹیاں اہمیت کی حامل نہیں ہیں، کیا کسی روٹھے کو منانے کے لیے آم کا تھفہ خاص نہیں ہے۔ کیا اتنی دفعہ نہانے سے بدن سے جانے والی بو اور گوری چٹی رنگت کی آمد محبوب کو پسند نہیں ہے۔

آہ، میرے دلائل ختم نہیں ہو سکتے کیونکہ ماہ جون کے فوائد ختم نہیں ہو سکتے۔ میں مانتی ہوں کہ لوگ اس کو ناپسند نہیں کرتے، مگر دونا تو پھر اسی محبت کی زبان کا ہے جو دراصل ہے ہی نہیں۔

خیر! سب کی اپنی اپنی مرضی مگر! اس دفعہ تو میرے لیے ماہ جون بڑی خوشیاں لائے گا۔ اس کے نام، چند الفاظ جو کہ یقیناً اب چند نہیں رہے ہیں اور قارئین منہ بسورے اس تحریر کو کوس رہے ہیں۔ کیونکہ وہ محبت کی زبان میں جون کو سمجھ ہی نہیں سکے (ہاہاہاہا!) یہ سائن صرف آخری لائن کے لیے۔

(فقط ماہ جون کی ہمدرد معصومی محرمین..... فیصل آباد)

☆.....☆.....☆.....☆

ماہ جون کے نام

یوں تو کسی بھی عام انسان کی طرح مجھ میں بھی ہمدردی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے پڑے ہیں، مگر پھر بھی میں ہمیشہ اپنی اس ہمدردی کو اسی انداز میں ہی برستے کی کوشش میں رہتی ہوں کہ وہ ہمدردی نہ رہے۔ سمجھ تو یہی رہے ہوں گے سب کہ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہوں ناں، ایسا بالکل نہیں ہے۔ خیر! یہ تو ہو گیا میرا مختصر سا تعارف۔ اب بات ہو جائے میرے اس جذبے کی جسے شاید سب ہی نام نہاد سمجھ رہے ہوں۔

سب ہی جانتے ہیں کہ سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ سب ہی مہینے خدا کی نعمت ہیں مگر مجھے کچھ اور ہی محسوس ہوتا ہے اور یہ میرے محسوسات ہیں۔

دسمبر، جنوری: بے حد سرد مہینے۔ دسمبر ایک لحاظ سے حساس اور ہم راز بھی جانا جاتا ہے۔ ہر دوسرا انسان اس دسمبر کو رخصت کرتا ہوا نظر آتا ہے تو اس حوالے سے ہر طرح کی شاعری، مصوری، موسیقی، غرضیکہ ہر طرح سے احساسات کو منظر عام پر لایا جاتا ہے۔ جنوری بھی کچھ نئے خواب و امیدیں لے کر آتا ہے۔

فردوسی: قدرے رومانوی مہینہ۔ میرے خیال میں تو اس کا بھی بڑا ذکر سنا گیا ہے۔

مارچ، اپریل: آسمانوں سے ان ہی مہینوں میں بہاریں نازل ہوتی ہیں۔ موسم بھی قدرے خوشگوار ہوتا ہے تو ان ہی بہاروں کی نسبت سے انھیں بھی خاص مانا جاتا ہے۔ کچھ موسم بدلتے ہیں، موسموں کا سنگم اور پھر دل کی بے چینیوں۔ یہ بھی قدرے خاص مہینے ہیں۔

جولائی: موسم برسات بھی قدرے رومانوی موسم ہوتا ہے تو اسی کی بدولت یہ بھی نور نظر رہا ہے۔ اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، مئی..... غرضیکہ سارے کے سارے ہی اپنی کچھ خوبیوں کی بدولت، کسی نہ کسی لحاظ سے قدرے خاص مانے جاتے ہیں۔ شاعروں، مصنفوں، مصوروں، گلوکاروں، سب ہی ان مہینوں کو محبت، احساسات کی زبان میں استعمال ہوتے دیکھا ہے۔ کسی کا دل دسمبر میں

چینی
لیموں
ترکیب۔

تین پاؤ یا ایک کلو
چار عدد

فالے اچھے طرح سے دھو کر تین پیالی پانی ڈال کر
ابال لیں۔ پھر کسی چھلنی میں چھان کر گودا نکال لیں۔
ایک پتیلی میں چھتا ہوا گودا اور چینی ڈال کر پکالیں۔
جب چینی گھل جائے تو اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ پھر لیموں
کارس اور کالا نمک ملا کر پلاسٹک کے ڈبے میں بند
کر کے فریز کر لیں۔ جب ضرورت ہو کھانے کا ایک
چمچ بھر کے جما ہوا گودا نکال لیں۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی
ملا کر شربت بنالیں۔ چاہیں تو ایک عدد پودینے کا پتا
ڈال دیں۔ آپ اس کا گودا آئس کریم کے اوپر بھی
ڈال کر پیش کر سکتی ہیں۔

لیچی کا شربت

اجزاء۔
لیچی کا گودا
چینی
عرق گلاب
پیاز (چو پٹ)
ہری مرچ (چو پٹ)
مشروم (چو پٹ)
ترکیب۔

لیچی کو احتیاط سے چھیل لیں۔ سٹھلی نکال کر
پھینک دیں۔ اس کا باریک سفید گودا کاٹ کر الگ
کر لیں۔ گودا آدھا کلو ہو جائے تو اسے نصف عرق
گلاب میں ڈال کر پندرہ منٹ تک ابالیں۔ اب اسے
ملل کے کپڑے سے چھان لیں۔ باقی عرق گلاب

میں چینی ملا کر پندرہ منٹ پکائیں۔ پھر اس میں لیچی کا
عرق ڈال کر مزید پکائیں۔ توام بن جائے تو اتار کر
ٹھنڈا کر لیں۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو نوش کیجیے۔ گرمی
میں دماغ کو فروخت پہنچائے گا۔

دہی کی لسی

اجزاء۔
دہی
نمک، چینی
پانی
برف
ترکیب۔

دہی کو کسی کھلے برتن میں ڈال لے اور مدھانی یا
گرانڈر مشین میں پھیٹ لیں۔ حسب پسند نمک یا
چینی ڈال کر خوب پھینچے، جب چینی، دہی میں اچھی
طرح حل ہو جائے تو برف ڈال کر مدھانی چلائیے اور
پانی 250 گرام یا حسب پسند شامل کریں۔ اچھی طرح
ملا کر گلاسوں میں پیش کریں۔

بادام کا شربت

اجزاء۔
بادام
چینی
سبز الائچی
کیوڑہ
ترکیب۔

رات بھر پانی میں بادام بھگو دیں۔ صبح چھلکے اتار کر
خوب باریک ٹیس لیں۔ ایک پیالی پانی میں شامل
کر کے ملل کے کپڑے سے چھان لیں۔ خوب دبا کر

بادام کا دودھ نکالیں۔ کپڑے میں بچے بادام دوبارہ
پس لیں اور آدھی پیالی پانی ڈال کر اچھی طرح کس
کر کے دوبارہ چھان لیں۔ اس عمل کو تین سے چار مرتبہ
دہرائیں۔ بادام کا دودھ الگ رکھ دیں۔ چینی میں دو
پیالی ڈال کر شیرہ بنالیں۔ ساتھ میں الائچی باریک
کوٹ کر شامل کر لیں۔ جب چینی حل ہو جائے تو اس
میں بادام کا دودھ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ شربت
بھتنا گاڑھا ہو جائے تو کیوڑہ ڈال کر اتار لیں۔ ٹھنڈا
کر کے بوتل بھر لیں۔

کرچی ڈرائیس

اجزاء۔
مکھن
میدہ
انڈے
چیری (کٹی ہوئی)
بیکنگ پاؤڈر
کارن فلیکس
چینی
دودھ
اخروٹ
ونیلا ایسنس
کھجوریں
کھانے کا سوڈا
ترکیب۔

مکھن اور چینی کو پھیٹ لیں۔ ونیلا ایسنس ملا دیں
اور ایک ایک کر کے اس میں انڈے ملا دیں۔ میڈہ، بیکنگ
پاؤڈر اور ٹیٹھا سوڈا ملا کر چھان لیں اور انڈوں والے
آمیزے میں دودھ کے ساتھ ڈال کر ملا دیں۔ اس کے

بعد کٹے ہوئے اخروٹ، جیریز اور کھجوریں بھی ملا دیں اور
میدہ لے کر کارن فلیکس پر ڈال کر میدے والے آمیزے
میں شامل کریں اور چکنائی لگی اوون ٹرے میں مناسب
فاصلے پر تھوڑا تھوڑا آمیزہ رکھیں گرم اوون میں 180
سینٹی گریڈ پر رکھ کر پندرہ سے بیس منٹ تک بیک کریں۔
سنہری مائل ہو جانے پر اوون سے نکال لیں۔ مزیدار
کرچی ڈرائیس تیار ہیں۔

پستہ اور اخروٹ کی قلفی

اجزاء۔
کنڈنس ملک
کوکونٹ کریم
تازہ بالائی
کینوں کے چھلکے
کینوں کا عرق
پستے
کوکونٹ
اخروٹ
لوئگ
ترکیب۔

دودھ کو کوکونٹ کریم اور بالائی کو کینوں کے عرق اور
چھلکوں کے ساتھ تین منٹ تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ پھر
اس میں پستے شامل کر دیں۔ پھر پسا ہوا کھوپرا اور لوئگ
شامل کر کے تین منٹ مزید ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اب اس
میں اخروٹ ڈال دیں۔ پھر پندرہ منٹ مزید پکائیں۔
جب آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو چولہا بند کر کے پانچ منٹ
ٹھنڈا کریں۔ پھر لوئگ نکال لیں۔ اب اس آمیزے کو
سانچوں میں ڈالیں۔ اور پلاسٹک سے ڈھک کر ربر بینڈ
سے باندھ دیں۔ اور فریزر میں جمنے کے لیے رکھ دیں۔ دو

گھٹے بعد فریزر سے نکال کے ایک بڑے پیالے میں ڈالیں اور دوبارہ اچھی طرح پھینٹیں پھر اس آمیزے کو دوبارہ سانچوں میں ڈال کے ڈھکیں اور فریز کر لیں۔ لہذا قلعی تیار ہے۔

مینگو کوکونٹ آنسکریم

اجزاء۔	
انڈے کی زردی	5 عدد
شکر	1/2 کپ
کوکونٹ کریم	ڈیڑھ کپ
آم	425 گرام (کنئے ہوئے)
بالائی	300 ملی لیٹر
ترکیب۔	

انڈے کی زردی اور چینی کو ایک پیالے میں ڈال کے مکس کریں۔ یہاں تک کہ جھاگ اوپر آ جائے۔ اب کوکونٹ کریم کو ایک دہنگی میں ڈال کر ابالیں۔ اور آہستہ آہستہ اس میں انڈے کی زردی والا آمیزہ ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ جب تمام چیزیں یک جان ہو جائیں تو چوبلے سے اتار لیں۔ اور آمیزے کو ایک بڑے پیالے میں ڈال دیں۔ اب آم کو اور لیموں کے عرق کو ایک بلینڈر میں بلینڈ کر لیں۔ بالائی کو اتنا پھینٹیں کہ وہ بالکل نرم ہو جائے پھر اس میں آم اور انڈے کی زردی والا آمیزہ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور آنسکریم کے سانچوں میں ڈال کے پلاسٹک کی تھیلی سے ڈھک کر فریز کر لیں۔

گاجر، سیب اور آم کا جوس

اجزاء۔	
سیب	1 عدد (چھیل کر باریک کاٹ لیں)

گاجر

آم

کیوں کا عرق

اسٹرابیری

ترکیب۔

3 عدد (چھیل کر باریک کاٹ لیں)
1 عدد (چھیل کر باریک کاٹ لیں)
150 ملی لیٹر
6 عدد

سیب، گاجر اور آم کو بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کر لیں۔ اب اس میں کیوں کا عرق، اسٹرابیری ڈال کے ایک دفعہ اور بلینڈ کر لیں۔ اب اس آمیزے کو چھلنی سے چھان لیں۔ اب گلاسوں میں نکال کر برف کے کلوے ڈالیں۔ اور کیوں کے قتلوں سے سجا کر ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

کیوں اور لیموں کا جوس

اجزاء۔	
کیوں	2 عدد
لیموں	1 عدد
شکر	1 کھانے کا چمچ
پانی	5 کھانے کے چمچے
ترکیب۔	

کیوں کے چھلکوں کو پانی اور شکر کے ساتھ ہلکی آج پراتنا پکائیں کہ شکر حل ہو جائے۔ اب چوبلے سے اتار لیں اور کیوں کے چھلکوں کو اور حاصل شدہ رس کو نیچر ڈر ایک پیالے میں رکھیں اور کیوں کے چھلکے پھینک دیں۔ اب اس رس کو چھان لیں۔ اب جوسر میں کیوں اور لیموں کو ڈال کر عرق نکال لیں۔ اس عرق میں کیوں کے چھلکے کے رس کو شامل کریں۔ اور اچھی طرح مکس کر کے خوب برف ڈال کے ٹھنڈا کریں۔ اب لیموں اور کیوں کے قتلوں سے سجا کر پیش کریں۔

☆.....☆.....☆

شہلا مشائق

سنگی مار

ہیں اور خون کی گردش کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ تاہم بعض اوقات یہ فیس ماسک حساس جلد یا خشک جلد کے لیے تکلف دہ ثابت ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ چھنی یا سخت قسم کی جلد کو ان ماسک سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ کسی بھی ماسک کو استعمال کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ چہرے پر گرم پانی سے بھاپ میں تاکہ چہرے کے تمام مسام کھل جائیں۔ جیل ماسک کو صاف ستھری جلد پر پھیلا کر سوکھنے دیں دس سے بیس منٹ کے دوران آپ اسے اپنے چہرے پر سے پچھلی کی طرح اتار دیں۔ ماسک کو چہرے پر چھلنے کی طرح سے بھی چھیل کر اتارنا جاسکتا ہے۔ اس کا آغاز آپ کو ٹھوڑی سے کرنا ہوگا اور پھر اوپر کی طرف جانا ہوگا۔ اس ماسک کے ساتھ مردہ خلیے علیحدہ ہو جاتے ہیں نیز چہرے پر اگے ہوئے بالوں سے بھی چھنکارا حاصل ہوتا ہے۔

سب سے پہلے تو آپ اپنے چہرے کو خوب اچھی طرح سے صاف کیجیے۔ چہرے کے ان حصوں کو خاص طور سے بہت اچھی طرح صاف کرنے کی ضرورت ہے جہاں عام طور پر صابن اور پانی نہیں پہنچ پاتا ہے۔ اگر آپ کی جلد خشک یا تارل ہے تو موچر انزور لگائیے۔ عموماً اس کے لیے نایل کا تیل استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قدرتی ہوتا ہے اور ماسک کے خشک کرنے والے اثرات کے ساتھ جسم کے قدرتی تیل کی کمی میں رکاوٹ نہیں ڈالتا لیکن اگر آپ کی جلد روغنی ہے تو آپ سیدھا فیس ماسک کا استعمال کریں۔

جلد کی حفاظت کے لیے ماسک

فیس ماسک کو نامعلوم زمانوں سے چہرے کو خوبصورت بنانے کی غرض سے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یونانی اور رومن عورتیں اپنے چہروں پر پتھری کی مالش کرتی تھیں۔ جلد کو چمکانا اور کسا ہوا بنانے کے لیے یہ قدیم نسخے آج بھی اتنے ہی سودمند اور موثر ہیں جتنے کہ وہ پہلے تھے۔ ان نسخوں کے استعمال کی وجہ سے چہرے پر نمودار ہونے والی لکیریں اور چھوٹی چھوٹی جھریوں کا خاتمہ ہوتا ہے اور چہرے کا رنگ بھی صاف ہو جاتا ہے۔

عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیس سال سے کم عمر کے لوگوں کو فیس ماسک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ جلد کے ساتھ غیر ضروری چھیڑ چھاؤ کرنے سے جلد میں خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ بیس سال سے کم عمر کے افراد کو بھی اپنی جلد کو صاف کرنے اور اس پر کچھ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم قدرتی فیس ماسک گھر میں ہی تیار کر سکتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے چہرے کی جلد کو صاف، نرم، شگفتہ اور تروتازہ بنا سکتے ہیں۔

سب سے زیادہ استعمال ہونے والا فیس ماسک وہ ہے جو ملتان میٹی کی آمیزش سے تیار کیا جاتا ہے۔ میٹی سے بنے ہوئے فیس ماسک کو جلد کی سطح پر پھیلا دیا جاتا ہے۔ یہ فیس ماسک خشک ہونے کے ساتھ ساتھ چہرے پر موجود سارے فالٹو تیل اور گرد و غبار کے ذرات کو جذب کر لیتے ہیں جلد میں کساؤ پیدا کرتے

میں نے اور پرانے وقتوں کی خبریں سنیں اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے
دکان نمبر 13 صدر بازار لاہور

Medora

Perfumed Talc

خوشبو کی دنیا کے 5 شگفتہ احساس



میڈورا پرفیوڈ ٹالک کی تازگی جگتی خوشبوؤں سے ملے
آپ کو مہکتا، فریش احساس جو رہے دن بھر آپ کے ساتھ۔

MEDORA OF LONDON

گلیسرین لیں۔ انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح سے
پھینکیے اور پھر دلیے اور جوس کو اس میں ملا دیجیے۔
گلیسرین آپ کے چہرے کو موچر اتر کرنے کے لیے
ہے۔ انڈے کی سفیدی جھریوں سے نجات دلاتی اور
عکترے کا رس جلد کو تقویت پہنچاتا ہے۔ ان ماسک کو
نارمل جلد پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

شہد کا ماسک

شہد کے ماسک کو استعمال کرنے کا بہترین طریقہ
یہ ہے کہ آپ اپنی انگلیاں تازہ گرم پانی کے ایک
پیالے میں ڈبوئیں اور پھر انھیں شہد میں ڈبوئیں۔ پھر
شہد کو اپنے چہرے اور گلے پر پھیلائیں اور انگلیوں کو
اوپر کی جانب پھیلائیں۔ اس بات کا خاص طور پر
خیال رکھیں کہ آپ کی آنکھیں ماسک کی زد میں نہ
آنے پائیں۔ شہد کو اپنی جلد میں جذب ہو جانے دیں
اور پھر اسے گرم پانی سے دھوئیں۔

کھیرے اور دودھ کا ماسک

یہ ماسک جلد کو چمکدار بنانے، اسے صاف کرنے
اور جھانپوں سے چھٹکارا دلانے کے لیے بہت عمدہ
ہے۔ ایک کھیرے کا رس نکال لیجیے۔ آپ گودے کو
فیس ماسک کے طور پر استعمال کرنے کے بعد صفائی
کرنے والے ایک اضافی مواد کے طور پر استعمال
کر سکتی ہیں۔ کھیرے کے رس میں ایک انڈے کی
سفیدی، تھوڑا سا دودھ پاؤڈر، خوشبو کے لیے عرق
گلاب ملائیے۔ اس ماسک کو اپنے پورے چہرے
اور گردن پر پھیلا دیجیے۔ یہ چہرے کو موچر اتر کرنے
کے لیے بہت عمدہ ہے۔ خواہ آپ کی عمر کچھ بھی ہو۔
اس کے کوئی مضر اثرات نہیں ہوتے۔

☆.....☆.....☆

چہرے پر چیل یا مٹی کا ماسک استعمال کریں تو میں
منٹ تک خاموش لیٹ جائیں، بولنے کی وجہ سے
ماسک کھینچ جائے گا اور یہ پوری طرح سے اپنا کام نہیں
کر پاتا۔

خشک جلد کے لیے ماسک

اس کے لیے آپ کو کافی مقدار میں ناریل کے تیل
کی ضرورت ہوگی جسے آپ اپنے چہرے پر پھیلائیں
بعد میں آپ کو عرق گلاب کا استعمال کرنا ہوگا۔ ناریل
کے تیل کو آہستہ آہستہ ملیے اس کے بعد ایک تولیہ
لیجیے۔ اسے گرم پانی میں ڈبو کر نچوڑ لیں اور اسے اپنے
چہرے پر پھیلا لیجیے۔ اگر آپ لیٹی ہیں تو خون کی
گردش تیل کو جذب کر لے گی اس عمل کو چار یا پانچ بار
دہرائیے اور پھر اپنے چہرے کو گرم پانی سے دھوئیے
اور عرق گلاب لگا لیں عرق گلاب تیل کے تمام آثار کو
مٹا دے گا اب آپ کی جلد چمکنے لگے گی۔

نمٹاؤں کے گودے کا ماسک

چند نمٹاؤں پر چل لیجیے۔ ان کا جوس پی لیں اور ان کے
گودے کو اپنے چہرے پر مل لیجیے۔ آپ کی جلد میں
کساؤ پیدا کرے گا اور مساموں کو بند کر دے گا۔ نمٹاؤں
کا جوس اندر سے آپ کی جلد کی صفائی کرے گا۔

ملتان مٹی کا ماسک

روغنی جلد کے لیے یہ ایک بہترین ماسک ہے۔ اس
کے لیے آپ کو کھانے کا بڑا چمچ ملتان مٹی اور عرق
گلاب کی ضرورت ہوگی۔ ان دونوں کو ملا کر آپ
ماسک بنا سکتی ہیں۔ اس پیسٹ کو اپنے چہرے پر
پھیلا لیں۔

سنگترے کے جوس کا ماسک

آدھی پیالی دلیے، آدھے سنگترے کے جوس،